منہجی مطالعات (٦)

# اخلاقِ فاضلہ

## اور اس کی تحصیل کے اصول وقواعد

کارزارِ حیات سے ماخوذ افکار وتجربات
کانچوڑ قرآن وحدیث کی روشنی میں

تصنیف
**علامہ ڈاکٹر عبداللہ بن ضیف اللہ رُحیلی**

اُردو ترجمہ
**مولانا عبدالقدوس قاسمی نیرانوی**
**مولانا عبدالرشید قاسمی بستوی**

حسبِ ہدایت
شیخ المشائخ حضرت مولانا **محمد قمر الزماں** صاحب الہ آبادی

النادي العربي

منہجی مطالعات (٦)

# اخلاق فاضلہ

## اور اس کی تحصیل کے اصول وقواعد

(کارزار حیات سے ماخوذ افکار و تجربات کا نچوڑ قرآن وحدیث کی روشنی میں)

مصنف

**علامہ ڈاکٹر عبد اللہ بن صیف اللہ رحَیلی**

استاذ جامعہ طیبہ مدینہ منورہ

اردو ترجمہ

**مولانا عبد القدوس قاسمی نیر انوی — استاذ دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ**
**مولانا عبد الرشید قاسمی بستوی — استاذ جامعۃ الامام انور، دیوبند، الہند**

حسب ہدایت

**شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی**

النادي العربي دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ
معہد المعارف، لاہور، پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : اخلاقِ فاضلہ اور اس کی تحصیل کے اصول و قواعد
مؤلف : علامہ ڈاکٹر عبد اللہ بن ضیف اللہ رُحیلی / جامعہ طیبہ مدینہ منورہ
اردو ترجمہ : مولانا عبد القدوس قاسمی نیرانوی / دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ
مولانا عبد الرشید قاسمی بستوی / جامعۃ الامام انور، دیوبند، الہند
ناشر : النادی الأدبی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ
معہد المعارف لاہور، پاکستان
اشاعت اوّل : ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰۱۹ء
اشاعت دوم : رجب ۱۴۴۴ھ مطابق فروری ۲۰۲۳ء
صفحات : ۲۸۵
سائز : ۲۰X۲۶=۱۶
تعداد : ۱۱۰۰

ملنے کا پتہ:

MAHAD UL MAARIF
PUBLISHERS
Military Accounts
College Road - Lahore
+92 310 83 60 303 | +92 337 48 15 304
azamwqr556@gmail.com

معہد المعارف پبلشرز
ملٹری اکاؤنٹس، کالج روڈ۔ لاہور

مصنف کا ای میل ایڈریس
Email: ruhaili65@hotmail.com

# فہرست مضامین

فہرست مضامین ........................................ ۳
دیباچۂ طبع دوم ........................................ ۱۱
مقدمۂ مؤلف برائے اخلاق فاضلہ (اردو) ........................................ ۱۵
اظہارِ مسرت ........................................ ۱۷
کچھ ترجمے کی بابت ........................................ ۱۹
مقدمۂ طبع دوم ........................................ ۲۳
مقدمۂ طبع اوّل : ........................................ ۲۵
اخلاق کی اہمیت ........................................ ۲۵
ایک عمومی غلطی ........................................ ۲۶
اس موضوع کا مقصد ........................................ ۲۸
تحقیق کا طریقۂ کار ........................................ ۳۱
زیر بحث موضوع سے میری وابستگی : ........................................ ۳۵
۱-اس موضوع سے میری (ذہنی وابستگی اور مطالعاتی) سفر ........................................ ۳۵
۲-(اخلاق پر) لکھنے کی طرف توجہ (اور اس کا آغاز): ........................................ ۳۷
۳-لوگ اور (تحصیلِ) اخلاق (کے مختلف طریقے و نقطہ ہائے نظر) ........................................ ۳۹
۴-(اخلاقِ حسنہ کی تحصیل کا) صحیح راستہ ........................................ ۴۰
۵-وہ حقائق جن تک راقم اس (مطالعاتی) سفر میں پہنچا ........................................ ۴۲
پہلی فصل : اخلاق کا تعارف : ........................................ ۴۵

۱-اخلاق کی تعریف ........................................ ۴۷
۲-اخلاق کے حصول کے طریقے ........................................ ۴۸
۳-اصلاحِ اخلاق کے لیے عام تربیتی بنیادیں اور اصول ........................................ ۴۹
ذاتی محرک اور رجحان پیدا کرنے کے متعدد طریقے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں ........... ۵۰
۴-سلف صالحین کے اقوال وافعال کے ذریعے اخلاق کا تعارف : ........................................ ۵۰
الف-اخلاق پر سلف صالحین کے اقوال ........................................ ۵۱
ب-اخلاق کے متعلق سلف صالحین کا طرز عمل ........................................ ۵۶
دوسری فصل : کتاب وسنت میں اخلاق کے اصول و قواعد : ........................................ ۵۹
تمہید ........................................ ۶۱
پہلی بحث:اخلاقی اصول و قواعد کی ترجمان آیات ........................................ ۶۳
دوسری بحث:اخلاقی اصول و قواعد کی ترجمان احادیث ........................................ ۷۱
تیسری فصل : تحصیل اخلاق کے بنیادی اصول وضوابط : ........................................ ۸۳
مقدمہ ........................................ ۸۵
اخلاقی اصول وضوابط ........................................ ۸۵
چوتھی فصل : اخلاق کی تقسیم : ........................................ ۹۹
تمہید ........................................ ۱۰۱
پہلی بحث : اخلاق کی تقسیم:اصول اور فروع : ........................................ ۱۰۳
اخلاق کے اصول وفروع ........................................ ۱۰۳
اخلاق حمیدہ کی ایک اصل کے متعلق مختصر گزارش ........................................ ۱۰۴
حق وصواب کی محبت کے مظاہر وفروع ........................................ ۱۰۴
حق کے اعتراف اور اس کو قبول کرنے کا مطلب ........................................ ۱۰۵
دوسری بحث : متعلق کے اعتبار سے اخلاق کی تقسیم اور ہر قسم کی اہمیت : ................. ۱۰۷

تمہید ..... ۱۰۹

اللہ تعالی کے ساتھ معاملے کے اخلاق ..... ۱۰۹

اللہ تعالی کے ساتھ معاملے کے اصول ..... ۱۱۰

انسانوں کے ساتھ معاملے کے اخلاق ..... ۱۱۱

انسانوں کے ساتھ معاملے کے اصول ..... ۱۱۱

اپنے نفس کے ساتھ پیش آنے کا اخلاق ..... ۱۱۲

اپنے نفس کے ساتھ انسان کے معاملے کے اصول ..... ۱۱۳

اللہ تعالی کی دیگر مخلوقات کے ساتھ معاملے کا اخلاق ..... ۱۱۴

اللہ کی دوسری مخلوقات کے ساتھ معاملے کے اصول ..... ۱۱۴

**تیسری بحث :** مختلف متعلقات کے اعتبار سے اخلاق کی شجرہ وار تقسیم : ..... ۱۱۷

اخلاق کی قسمیں ..... ۱۱۷

**پانچویں فصل : اخلاق کے متعلق اقوال پر ایک نظر :** ..... ۱۱۹

**تمہید** ..... ۱۲۱

**پہلی بحث :** اخلاق حمیدہ کی اہمیت پر ایک نظر : ..... ۱۲۳

۱- لوگوں کے مالی ودنیوی اور دینی واخلاقی لالچ کا موازنہ ..... ۱۲۴

۲- جمالِ پوشاک اور جمالِ اخلاق کے درمیان موازنہ ..... ۱۲۴

۳- ہم غلطی کیوں کرتے ہیں؟ ..... ۱۲۷

۴- اخلاقِ حمیدہ اور اللہ تعالی کی عبادت ..... ۱۲۸

۵- ظاہر وباطن اور صورت واخلاق میں انسان کی انسانیت ..... ۱۳۰

۶- ہم بے شمار مواقع پر غلطیاں کرتے ہیں ..... ۱۴۰

۷- اخلاق کے مفہوم کے بارے میں ایک خیال ..... ۱۴۱

۸- اے...!! ..... ۱۴۲

**دوسری بحث :** اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل کے طریقوں پر ایک نظر : ........................ ۱۴۵

۱-تربیت اور تہذیبِ اخلاق صرف مربی و مصلح کا کام نہیں ................................ ۱۴۶

۲-اخلاق میں خوف و شوق کا اثر ................................................................ ۱۴۸

۳-تربیت میں باہمی تعاون و یک جہتی ........................................................ ۱۵۰

۴-وہ امور جن پر زندگی کی استواری اور سعادت مندی موقوف ہے ........................ ۱۵۱

۵-نفسِ انسانی کی تربیت و تہذیب کے اسباب و وسائل .................................... ۱۵۵

۶-اللہ کی نعمتوں کا اقرار، حسنِ خلق کا اہم محرک ہے ...................................... ۱۵۵

۷-دوسروں کے جذبات کا احترام، مکارمِ اخلاق سے آراستگی کا ذریعہ ہے ................ ۱۵۷

۸-اخلاقِ فاضلہ کی تحصیل کے لیے مجاہدۂ نفس شرط ہے .................................. ۱۵۷

۹-اخلاق کے حصول میں سیرت نبوی اور اکابر و اسلاف کے حالات کی اثر انگیزی ........ ۱۶۰

۱۰-عدل و انصاف: معنی و مفہوم اور سلوک و اخلاق پر اس کا اثر ........................ ۱۶۲

۱۱-انفرادی و اجتماعی محرکات اور اخلاق پر ان کی تاثیر .................................... ۱۶۵

**تیسری بحث :** اخلاق کے شعبوں پر ایک نظر : ............................................ ۱۷۱

۱-اپنے نفس کو مفادِ عامہ اور دوسروں کے مفادات کے خیال رکھنے کا عادی بنائیں ......... ۱۷۲

۲-علم اور اس پر توجہ ................................................................................ ۱۷۲

۳-ایمان اور آخرت سے غفلت بُری عادت ہے .................................................. ۱۷۳

۴-صلہ رحمی .......................................................................................... ۱۷۴

۵-داعی کے اخلاق .................................................................................... ۱۷۹

۶-فضول گوئی، عیب اور بے حیائی ہے .......................................................... ۱۷۹

۷-اس کی عادت ڈالو کہ دوسرے کے لیے بھی اسی طرح جیو جس طرح اپنے لیے جیتے ہو . ۱۸۰

**چوتھی بحث :** نصیحت و خیر خواہی کے متعلق علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے شاندار نظریات: ... ۱۸۳

تمہید ................................................................................................ ۱۸۴

۱-اپنی نصیحت پر عمل نہ کرنے والے ناصح کا حکم ........................................ ۱۸۴
۲-ماننے کی شرط پر نصیحت نہ کرو ................................................ ۱۸۶
۳-دوستی اور نصیحت ................................................ ۱۸۶
۴-نصیحت کے بعض طریقوں کے کچھ منفی پہلو ........................................ ۱۸۷
۵-بار بار نصیحت کرنا اور نصیحت میں مطلوبہ صفات .................................. ۱۸۸
۶-خالق کو ناراض کرنا اور مخلوق کو راضی کرنا ........................................ ۱۸۹
۷-نصیحت میں مطلوب طریقہ ................................................ ۱۸۹
۸-جان دار اور بے جان چیزوں کے درمیان اثر اندازی واثر پذیری .................... ۱۹۰
۹-خالق ومخلوق کی شکر گزاری ................................................ ۱۹۱
۱۰-لوگوں کے عیوب بیان کرنا نصیحت نہیں ہے ........................................ ۱۹۲
۱۱-علمی مجلسوں میں حاضری کے آداب ................................................ ۱۹۳
**چھٹی فصل : انسانی تصرفات میں ذوق وادب :** ................................................ ۱۹۷
**پہلی بحث :** اسلام میں ذوق وادب : ................................................ ۱۹۹
۱- اسلامی اخلاق میں ذوق وادب ................................................ ۱۹۹
۲-اخلاقِ نبوی ﷺ میں ذوق وادب ................................................ ۲۰۰
**دوسری بحث :** انسانی تصرفات میں ذوق وادب : ........................................ ۲۰۵
۱-اپنے طرزِ عمل کو دوسروں کی نظر سے دیکھیں ........................................ ۲۰۵
۲-کھانے کے لیے بیٹھنے میں غلطیاں ................................................ ۲۰۶
۳-بیت الخلا کے استعمال میں غلطیاں ................................................ ۲۰۸
۴-عام غلطیاں ................................................ ۲۰۹
۵-خاتمہ ................................................ ۲۱۰
**ساتویں فصل : مخالف کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق :** ................................................ ۲۱۳

تمہید ........................................................................ ۲۱۵

پہلی بحث : مخالف مسلمان کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق : ........................... ۲۱۷

اول : برتاؤ کے ضروری شرعی اصول : .................................. ۲۱۷

الف–اس موضوع سے متعلق آیات کریمہ : .................................. ۲۱۷

۱- تمام مسلمانوں کے درمیان باہمی ایمانی اخوت کے اصول کے بارے میں فرمایا .... ۲۱۸

۲- نبیٔ پاک ﷺ اور مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا............... ۲۱۸

۳- مہاجرین کے تذکرے کے بعد انصار صحابہ اور بعد کے مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا ................................................ ۲۱۸

۴- مسلمانوں کے بجائے کافروں سے دوستی کی حرمت کے بیان میں فرمایا............ ۲۱۹

۵- مسلمان بھائی کے قتل کی حرمت کے بیان میں فرمایا ........................ ۲۲۰

۶- مسلمان بھائی کے عقیدہ ونیت پر الزام تراشی کے بارے میں فرمایا .............. ۲۲۱

۷- نوح علیہ السلام کی دعا نقل کرتے ہوئے فرمایا ............................. ۲۲۱

۸- آپس میں سلام کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ............................ ۲۲۱

۹- بعض مسلمانوں کی طرف سے واقعۂ افک کی تائید پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا ...... ۲۲۱

۱۰- دشمنانِ اسلام مشرکوں کے بارے میں فرمایا ............................... ۲۲۲

ب–اس موضوع سے متعلق احادیث شریف : .................................. ۲۲۲

۱- صاحب حق مسلمان کی تعیین ............................................ ۲۲۲

۲- مسلمان کی عزت، خون اور مال کی حرمت .................................. ۲۲۳

۳- عام مسلمان کے جنازے کے ساتھ جانے اور نماز جنازہ میں شامل ہونے کے بارے میں ............................................................ ۲۲۳

۴- مسلمان سے دشمنی اور اس کو اذیت پہنچانے کی حرمت ....................... ۲۲۴

۵- مسلمان کی ضرورت پوری کرنے کی فضیلت اور اس کی اذیت رسانی کی حرمت کے بارے میں ............................................................ ۲۲۵

٦- عمومی طور پر مسلمان کے ساتھ حسنِ معاملہ کی ترغیب ........................ ۲۲۸

ج- ان نصوص کا عام مفہوم : ........................................................ ۲۳۲

دوم : غلط تصورات کی کچھ شکلیں : .................................................. ۲۳۵

۱- یہ خیال کہ رائے میں اختلاف دشمنی اور ایذا رسانی کا سبب ہے ................ ۲۳۵

۲- یہ خیال کہ مخالف مسلمان کی اچھائی کا تذکرہ یا اس کے ساتھ انصاف کرنا درست نہیں ................................................................ ۲۳۵

۳- یہ خیال کہ مخالف مسلمان کے ساتھ حسن ظن جائز نہیں ........................ ۲۳۵

۴- یہ خیال کہ لوگوں کے عقیدے کے سلسلے میں محض گمان کی بنیاد پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے ........................................................................ ۲۳۶

۵- مخالف مسلمان کے ساتھ معاملہ کرنے میں متعدد حرام طریقوں کو جائز سمجھنا .... ۲۴۰

٦- یہ خیال کہ مخالف مسلمان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا یا اس کو اس کے حقوق دینا جائز نہیں ........................................................................ ۲۴۳

۷- یہ خیال کہ مخالف مسلمان کو بے عزت کرنا جائز ہے ........................ ۲۴۴

۸- مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کی ایذا رسانی کو اللہ کے یہاں باعث تقرب خیال کرنا... ۲۴۴

سوم : مذکورہ خیالات اسلامی شریعت سے متصادم ہیں ................................ ۲۴۴

چہارم : اس بحث کا خلاصہ : ...................................................... ۲۴۹

دوسری بحث : غیر مسلم مخالف کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق : ........................ ۲۵۰

تمہید : ................................................................................ ۲۵۰

۱- غیر مسلم غیر حربی کے ساتھ مسلمان کے تعلقات کے شرعی اصول : ................ ۲۵۱

الف- نیکی، حسنِ سلوک اور مختلف اخلاقِ فاضلہ کا موقع ومحل اور شرعی حکم ........ ۲۵۴

ب- دین کو تج کر غیر مسلم کے ساتھ تعلقات کا حکم ................................ ۲۵۵

۲- غیر مسلم حربی کے ساتھ مسلمان کے تعلقات کی شکلیں : ........................ ۲۵۷

۳- بعض غلط تصورات کی شکلیں اور ان کا حکم : ........................................ ۲۵۸
الف- ذاتی احساسات اور حالات کو بنیاد بنانا ........................................ ۲۵۸
ب- غیر شرعی تصورات کو شرعی سمجھنا : ........................................ ۲۵۹
۱- یہ خیال کہ غیر مسلم کو اذیت دینے میں اجر و ثواب ہے ........................ ۲۵۹
۲- یہ خیال کہ غیر مسلم کے ساتھ حسنِ برتاؤ حرام ہے ........................ ۲۶۰
۳- حسنِ معاملے کے مفہوم اور ولاء و براء (دوستی و دشمنی) کے مفہوم میں التباس .. ۲۶۰
۴- یہ خیال کہ غیر مسلم کو سلام کرنا بالکل ناجائز ہے ........................ ۲۶۱
۵- اسلام کی برتری اور مسلمان کے انفرادی اخلاق کی برتری کے درمیان خلط ملط کرنا ........................................ ۲۶۴
۶- غیر مسلم کے ساتھ مسلمان کے تعلق کی نوعیت کے سمجھنے اور بعض اسلامی اصطلاحات کے سمجھنے میں اشتباہ ........................................ ۲۶۵
خاتمہ ........................................................................ ۲۶۹
فہرست آیات قرآنیہ ........................................................ ۲۷۱
فہرست احادیث اور آثار ........................................................ ۲۷۶
فہرست مصادر و مراجع ........................................................ ۲۸۲
یہ کتاب ........................................................................ ۲۸۵

* * *

# دیباچۂ طبع دوم

زیر نظر کتاب ”اخلاق فاضلہ : اور اس کی تحصیل کے اصول و قواعد“ جناب ڈاکٹر عبد اللہ رحیلی دامت برکاتہم (استاذ جامعہ طیبہ مدینہ منورہ) کی ایک انتہائی مفید، جامع اور بے نظیر عربی کتاب «الأخلاق الفاضلة : قواعد ومُنطَلَقات لاكتسابها» کا اردو ترجمہ ہے، اس کتاب میں مؤلف محترم نے جدید ترین اور سائنٹفک علمی و تحقیقی انداز تحریر اپنایا ہے، اور اسلام میں حسن اخلاق کی تطبیق و تنفیذ سے لے کر اس کے دائرۂ عمل یعنی مسلمان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اس کی اہمیت و افادیت کو دلائل و براہین کے ساتھ اجاگر کیا ہے۔ ساتھ ہی بندے اور اس کے خالق سے لے کر مختلف انسانی طبقات کے ساتھ مطلوبہ حسن سلوک اور طرز عمل کو بھی آشکار کیا ہے۔ فرزندان توحید کے علاوہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ ہمارا کیا رویہ ہونا چاہیے، اس پر بھی مذکورہ کتاب میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ نیز کھانے پینے، نشست و برخاست سے لے کر چلنے پھرنے تک میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کیا ہیں؟ ان سبھی امور کی بھرپور اور مبسوط طور پر وضاحت کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے، اس سلسلے میں ہمارے سماج و معاشرے میں بہت سی غلط فہمیاں بھی رائج ہیں، جن سے ہمیں روز کا واسطہ پڑتا ہے، فاضل مصنف نے ان تمام غلط فہمیوں کی تشریح کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انھیں ایک ایک کرکے دور کیا ہے اور اس حوالے سے صحیح اسلامی موقف و منشا کو بیان کیا ہے۔

یہ کتاب اتنی ”جامع“ ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے ایک ہی نظر میں واضح طور پر یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلامی اخلاق کا کوئی ایسا گوشہ اور شعبہ نہیں ہے، جس پر اس میں بحث نہ کی گئی ہو۔ اس کتاب میں نہ صرف ”اسلامی اخلاق فاضلہ“ کی اہمیت و افضلیت کو الم نشرح کیا گیا ہے؛ بلکہ اس کے مختلف پہلوؤں کو بھی تحریری پیکر عطا کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلام کی اخلاقی تعلیمات کے حوالے سے اس کتاب کی حیثیت ایک دائرۃ المعارف یعنی ”انسائیکلوپیڈیا“ کی ہو گئی ہے،

جس میں اختصار، مگر جامعیت کے ساتھ اسلام کی تمام تر ”اخلاقی تعلیمات وہدایات“ کو ابواب وفصول میں منقسم کرکے سلسلہ وار بیان کیا گیا ہے، ساتھ ہی اس سلسلے کی دوسری تمام متعلقہ چیزوں کو بھی بہت ہی مرتب و منضبط انداز میں یک جا کردیا گیا ہے، تاکہ قارئین کرام کو کسی قسم کی تشنگی یا ادھورے پن کا احساس نہ ہو۔

ہم دست کتاب ”اخلاق فاضلہ“ کا یہ دوسرا ”نظر ثانی شدہ جدید ایڈیشن“ ہے، جس کی بنیادی اور اساسی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ترجمے کا اصل کتاب سے از سر نو موازنہ و تقابل کیا گیا ہے، ساتھ ہی اردو ترجمے کو حتی المقدور: رواں، سبک وسلیس، عام فہم اور سہل بنانے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے اور اس کے موضوعات و مضامین کا آسان انداز میں احاطہ کرنے کی کاوش ملحوظ رہی ہے، تاکہ قارئین کرام کو نامانوس، ثقیل اور پیچیدہ قسم کے الفاظ اور غیر واضح تراکیب و تعبیرات کا سامنا نہ کرنا پڑے، انھیں دوران مطالعہ کسی قسم کی رکاوٹ، اکتاہٹ اور کھردرے پن کا احساس نہ ہو۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ایک ”مشکل کام“ ہے، مگر ترجمے پر نظر ثانی کے دوران اس بات کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی گئی ہے کہ مؤلف کتاب کے پیام و پیغام کی ترسیل و تفہیم میں اصل کتاب کی روح برقرار رہے عربی متن کے مفہوم سے سرمو انحراف نہ ہو اور اصل کتاب کا مفہوم صحیح طور پر ہدفی زبان (اردو) میں ادا ہو جائے اور دونوں زبانوں کی لطافت اور روح بھی برقرار رہے، اسی لیے لفظ بلفظ ترجمے کے بجائے کتاب کی اصل عبارت کے مفہوم کو سمجھ کر اس کو آسان اور بامحاورہ اردو زبان میں سپرد قرطاس کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہم اپنی اس ترجمہ شدہ کتاب کو مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش میں کتنے کامیاب ہیں، اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے، لیکن ہم وثوق کے ساتھ یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ ہم نے اصل کتاب کے متن کو لفظ بلفظ سامنے رکھا ہے اور اس کتاب کے ترجمے کو حتی الامکان سہل اور رواں بنانے کی کوشش ضرور کی ہے اور انسان اسی کا مکلف بھی ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقعے پر اپنے دیرینہ رفیق تالیف برادر عزیز مولانا عبد النور صاحب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا نہ کروں، جنھوں نے ترجمے پر نظر ثانی کرنے اور کتاب کو کتابت و طباعت کے مراحل سے گزارتے ہوئے اسے قابل اشاعت اور دیدہ زیب بنانے میں میرا قابل قدر

تعاون کیا۔ اللہ تعالی انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنی خاص توفیقات وانعامات سے ہم کنار فرمائے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی مؤلف محترم ڈاکٹر رُحَیلي (حفظہ اللہ تعالی) اور ترجمے کے ”محرک وداعی“ سیدی حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب (مدظلہ العالی) کی عمروں میں برکت عطا فرمائے اور بہ تمام صحت وعافیت ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ اور ہم سبھی کو حسن اخلاق، کمال اخلاص اور صفت احسان واتقان کی دولت سے نوازے، ہماری اس حقیر کوشش کو بار آور فرما کر اصل کتاب کی طرح زیر نظر ترجمے کو بھی مقبولیت تامہ عطا کرے اور برادران اسلام کو زیادہ سے زیادہ کتاب سے مستفید ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

عبد القدوس قاسمی نیرانوی
معتمد النادی العربی
۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ
۲۲/ نومبر ۲۰۲۲ء

# مقدمۂ مؤلف برائے اخلاق فاضلہ (اردو)

میرے لیے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ میں اپنی کتاب «الأخلاق الفاضلة» کا اردو ترجمہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالی اس ترجمے کو اردو خواں طبقے کے لیے بھی اسی طرح؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ نافع بنائے گا جس طرح عربی قارئین کے لیے اسے نافع بنایا۔

یہ ترجمہ اس وقت منصۂ شہود پر آرہا ہے جبکہ کتاب ہذا کا ”عربی ایڈیشن“ اشاعت پذیر ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے، متعدد یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں داخل ”نصاب“ ہو چکا ہے، اور ”انگریزی اور ترکی“ زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، اسی طرح بعض فضلا نے ”چائنیز زبان“ میں اس کا ترجمہ کیا ہے، البتہ وہ ابھی میری نظر سے نہیں گزرا ہے۔

میں اردو قارئین کی خدمت میں اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا ”ترجمہ“ پیش کرنے جا رہا ہوں جسے مشترکہ طور پر دو فاضل اساتذہ: شیخ عبد القدوس قاسمی نیرانوی اور شیخ عبد الرشید قاسمی بستوی نے کیا ہے۔

فضیلۃ الشیخ محمد قمر الزماں صاحب حفظہ اللہ کی خدمت میں ہدیۂ تشکر وامتنان پیش کرنا ضروری ہے جنھوں نے اپنے دو فیض یافتگان کو اس کتاب کے ترجمے کی طرف توجہ دلائی۔ اللہ تعالی انھیں اس عمل کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اردو ترجمے سے مستفید ہونے والے سبھی لوگوں کے اجر میں ان کے اجر کو کم کیے بغیر موصوف کو شریک فرمائے۔

اللہ تعالی ان سبھی فضلا کو بہترین صلہ عطا فرمائے، اور ان کی اس خدمت کو قبول فرما کر اس دن ان کی نیکیوں کی ترازو کا حصہ بنائے جس دن مال و دولت اور اولاد کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گی، بس اسی کی خیر ہوگی جو قلب سلیم لے کر حاضر ہوا ہوگا۔

میری یہ کتاب، محبت اور امن و سلامتی کا ایک پیغام ہے، میں اسے دنیا کے ہر اس شخص کی نذر کر رہا ہوں جو رشد و ہدایت، نور و حکمت اور اخلاق فاضلہ کا متلاشی ہو۔

میرے لیے سب سے بڑی سعادت اور مسرت کی بات یہ ہے کہ لوگ اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں اور اپنی زندگیاں سنواریں۔

بارالہا! اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرما۔

بقلم مؤلف کتاب
أ.د. عبد اللہ بن ضیف اللہ رُحَیلی
١٤٤٠/٦/٢٠ھ

# اظہارِ مسرت

الحمدُ لله الذي أرسلَ رسولَه الذي قال في شأنه: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ عليه ألفُ ألفِ صلاةٍ وسلامٍ وعلى آله وأصحابه وأتباعه أبدَ الآبدينَ.

أما بعد: عرض ہے کہ بہت دنوں پہلے «الأخلاق الفاضلة» مصنفہ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبد اللہ بن ضیف اللہ رحیلی حفظہ اللہ تعالی ورعاہ / استاذ جامعہ طیبہ مدینہ منورہ دستیاب ہوئی جس کے مطالعے کی سعادت نصیب ہوئی، پھر اس کی افادیت کو عام کرنے کے مقصد سے اس کا ”اردو ترجمہ“ شروع کر دیا گیا۔

اس وقت عزیزم و مخلصم مولانا ”مشتاق احمد“ صاحب سلمہ، ساکن ویش نگر (گجرات) موجود تھے اس لیے اس ترجمے میں ان کو شریک کر لیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ کام مولانا عبد الرشید صاحب قاسمی بستوی استاذ جامعۃ الامام انور، دیوبند اور مولانا عبد القدوس قاسمی نیر انوی استاذ دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ کے سپرد کر دیا، تاکہ اصل کتاب کے شایان شان اردو زبان میں بہتر سے بہتر ترجمہ ہو جائے۔ اس لیے کہ ما شاء اللہ دونوں ہی حضرات ذی استعداد عالم دین اور بہترین ادیب ہیں، ان حضرات نے اس کتاب کا ترجمہ کیا جس کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء۔

چونکہ متعدد حضرات اہل علم کی خواہش ہوئی کہ یہ حقیر اصل کتاب اور اس کے ترجمے کے متعلق کچھ لکھ دے تو اس کتاب کی ورق گردانی شروع کی اور سرسری طور پر تقریباً پوری کتاب کو پڑھا تو یقین ہوا کہ ”یہ کتاب ہر طبقے کے لیے مفید اور بہت نافع ہے“، اور ترجمہ بھی بہت واضح ہے جسے دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔

میرا احساس یہ ہے کہ مؤلف نے اس کتاب میں ”اخلاق نبوی وآداب اسلامی“ کے سلسلے میں جو ”نادر مواد“ پیش فرمایا ہے اور اس سلسلے میں جو ”تحقیقات“ پیش کی ہیں، کوئی مانے یا نہ مانے میں

بالیقین کہتا ہوں کہ ان کی وجہ سے یہ کتاب نہایت باتحقیق اور ہر نوع سے جامع ومانع ہوگئی ہے، یہ ''تحقیقات'' مؤلف کی غایت درجہ جہد وجانفشانی کا ثمرہ ہیں، جن تک عوام کی تو کیا ''خواص'' کی بھی رسائی مشکل ہے۔

ماشاء اللہ کتاب کے پڑھنے سے اس کی اہمیت کا اندازہ خوب ہوا، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کی طباعت کو آسان فرمائے اور اس کی اشاعت عام فرمائے۔ اس سے عوام وخواص سبھی کو مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔

میرا جی چاہتا ہے کہ مؤلف حفظہ اللہ نے اخیر کتاب میں جو خاص واہم نصیحت درج فرمائی ہے اسے یہاں بعینہٖ نقل کردوں اس لیے کہ ممکن ہے کہ کتاب کا قاری اس پر غور نہ کرسکے۔

مؤلف صاحب رقم طراز ہیں ''رخصت ہونے سے قبل قارئین کرام کو یہ یاد دہانی کرادینا بہتر ہے کہ اس طرح کے موضوع کے لیے (اخلاق، تربیتی موضوع ہونے کی حیثیت سے) سرسری مطالعہ یا ایک بار پڑھ لینا کافی نہیں؛ بلکہ بار بار اور مختلف اوقات میں دل ودماغ حاضر رکھتے ہوئے پڑھنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالی جس کو چاہے حکمت عطا فرماتا ہے''۔

اے اللہ! اسے قبول فرما، اس میں درستگی عطا کر، اپنے بندوں کے لیے نفع بخش بنا، چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اپنے ہوں یا پرائے، موافق ہوں یا مخالف، فرماں بردار ہوں یا نافرمان، برحق ہوں یا خطاکار۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ، وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ.

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلَى خَاتِمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ!!.

محمد قمر الزماں الہ آبادی
دار المعارف الاسلامیہ، کریلی، الہ آباد
۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۳۹ھ

# کچھ ترجمے کی بابت

الحمدُ لله رب العالمين، والصلاةُ والسلامُ على رسولِهِ الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعينَ، وعلى مَن تَبِعَه بإحسان إلى يوم الدين، وبعد:

زیر نظر کتاب "اخلاقِ فاضلہ، اور اس کی تحصیل کے اصول وقواعد" ایک انتہائی عظیم الشان، منفرد اور جامع تصنیف: «الأخلاق الفاضلة قواعد ومُنطَلَقات لاكتسابها» کا اردو ترجمہ ہے جس کے مؤلف گرامی ڈاکٹر عبد اللہ بن ضیف اللہ رُحَیلی - استاذ حدیث جامعہ طیبہ مدینہ منورہ - حفظہ اللہ ہیں، ڈاکٹر موصوف ایک "دیدہ ور عالم دین، محقق، اور ممتاز داعی" ہیں۔ بر صغیر کے علمی حلقوں میں ان کے تعارف کے لیے یہ بات بھی کافی ہے کہ انھوں نے جن "نابغہ ہائے روزگار" ہستیوں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے، ان میں علامۂ یگانہ شیخ "عبد الفتاح ابو غدہ" رحمہ اللہ اور فاضل جلیل ڈاکٹر "محمد مصطفی اعظمی" رحمہ اللہ (فاضل دیوبند وجامعہ ازہر) جیسی عظیم وعبقری شخصیات بھی شامل ہیں۔

ڈاکٹر رُحَیلی صاحب بہت سی بیش قیمت کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں مذکورہ بالا کتاب ایک خاص امتیازی شان کی حامل ہے، موصوف نے اپنی اس کتاب میں "اخلاقِ فاضلہ" کی اہمیت وضرورت، اس کے حصول کے اصول وضوابط، اس سے آراستگی کے دنیوی واخروی بیش بہا ثمرات، اور اس کو نظر انداز کرنے کے سنگین نتائج جیسے موضوعات کو مدلل مگر شگفتہ اور دل نشین انداز میں قلم بند فرمایا ہے، انھوں نے جہاں اس میں کتاب وسنت کی نصوص اور حضراتِ سلف صالحین کے "آثار واقوال" سے بھرپور اکتسابِ فیض کیا ہے، وہیں زندگی کے مختلف نشیب وفراز، مراحل وتجربات سے بھی خوب خوب استفادہ کیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب محض "فکری ونظریاتی" مجموعہ نہ بن کر "تجرباتی اور واقعاتی دستاویز" بن گئی ہے؛ کیونکہ انسانی زندگی کے تمام مراحل کے لیے اس میں اخلاقی ہدایات وتعلیمات کا بہترین اور دل کش اسلوب میں بھرپور سامان فراہم ہو گیا ہے۔

مکارمِ اخلاق کی اہمیت و عظمت کے تعلق سے زیرِ نظر کتاب کی اسی ”دستاویزی اور تجرباتی افادیت و اہمیت“ کے سبب سیدی و مخدومی حضرت مولانا ”شاہ محمد قمر الزماں“ صاحب الٰہ آبادی حفظہ اللہ کی نظر بصیرت اس کے اردو ترجمے کی جانب مبذول ہوئی، چنانچہ کتاب کے مشمولات پڑھ کر حضرت والا کی طبیعت میں اتنی شدت سے اس کے اردو ترجمے کا داعیہ پیدا ہوا کہ بلا تاخیر خود ہی اپنے مبارک قلم سے اس کے اردو ترجمے کا ”آغاز“ فرمادیا، پھر اپنی عدیم الفرصتی، پیرانہ سالی، مہمانوں کی ہمہ وقت آمد و رفت، عوام و خواص کی اصلاح و تربیت کی مشغولیت اور اصلاحی و دعوتی اسفار کی کثرت کے باعث راقم الحروف اور رفیق محترم جناب مولانا عبد الرشید صاحب قاسمی بستوی استاذ حدیث جامعۃ الامام انور دیوبند کو اس عظیم خدمت کے لیے مامور فرمایا۔

کتاب کی ”ابتدا سے چوتھی بحث کی پانچویں فصل کے اختتام“ تک کا ترجمہ جناب مولانا عبد الرشید صاحب کے قلم سے ہے، ”اس کے بعد سے آخر تک“ راقم نے کوشش کی ہے، راقم سطور نے کتابت کے لیے جب اپنے حصے کا ترجمے مولانا موصوف کو بھیجا تو تاکید و اصرار کے ساتھ اس پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کی تھی، موصوف نے میری خواہش کا لحاظ رکھتے ہوئے نظر ثانی کی اور حسب ضرورت کچھ ترمیمات بھی کیں، اس کے بعد جب انھوں نے ”حضرت والا مدظلہ“ کے حکم سے بغرض طباعت کتابت شدہ مسودہ آخری شکل میں راقم کے پاس بھیجا تو مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ مجھے ان کے ترجمے کے صفحات کو دیکھنے کی ضرورت ہوگی۔ ہوا یہ کہ مؤلفِ کتاب ڈاکٹر رُحیلی مدظلہ کی طلب پر طباعت سے پہلے پورا ”مسودہ“ ان کی خدمت میں ”مدینہ منورہ“ بھیجا گیا، ترجمے کے ابتدائی کچھ صفحات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد مؤلف نے اپنے ملاحظات راقم کو بھیجے جن کی روشنی میں یہ بات طے پائی کہ راقم کتاب کے پورے ترجمے کو اصل کتاب سے ملا کر دیکھ لے، چنانچہ راقم نے اس ہدایت پر عمل کیا، ان کے پورے ترجمے پر نظر ثانی کی، جس کے نتیجے میں خاصی ”ترمیمات“ کرنی پڑیں اور ابھی اس کی نوبت نہیں آئی تھی کہ راقم مولانا عبد الرشید صاحب کو ان تمام تفصیلات اور ترمیمات سے مطلع کرے کہ اچانک ان کی ”وفات کا حادثہ“ پیش آگیا۔ اللہ تعالی موصوف کو غریق رحمت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

قارئین کرام کی خدمت میں یہ وضاحت ضروری اطمینان کا باعث ہوگی کہ زیر نظر ”ترجمے کی مراجعت“ حضرت مولانا ”شاہ محمد قمر الزماں“ صاحب مدظلہ نے بھی فرمائی ہے۔ اور کتاب کے بیش قیمت مضامین سے متاثر ہو کر اپنے ”تاثرات وافادات“ بھی قلم بند فرمائے ہیں جو راقم سطور کے پاس محفوظ ہیں۔ دوسرے یہ کہ مؤلف کتاب ڈاکٹر رحیلی صاحب مدظلہ نے بھی اپنے ایک فاضل دوست کے تعاون سے ”اس ترجمے کو از اول تا آخر“ ملاحظہ فرمایا ہے اور حسب ضرورت کمی بیشی بھی فرمائی ہے جس کے بعد ”ترجمے کی اہمیت اور استناد“ میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

اللہ تعالی راقمِ سطور اور اس کے رفیقِ درس اور رفیقِ ترجمہ مولانا عبد الرشید مرحوم کی اس کاوش کو شرف قبول بخشے، اور کتاب کے ترجمے کے اصل محرک وداعی مخدومی حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ ان کا سایہ بہ تمام صحت وعافیت تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ اسی طرح مؤلف کتاب جناب ڈاکٹر رحیلی صاحب اور جملہ معاونین کی خدمات کو قبول فرما کر انھیں اجر جزیل اور دنیا وآخرت کی سعادتوں سے بہرہ یاب فرمائے، آمین۔

طالب دعا
عبد القدوس قاسمی نیرانوی
خادم التدریس دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ
٢٨/٦/١٤٤٠ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمۂ طبع دوم

الحمدُ لله رب العالمين، والصلاةُ والسلامُ على خَاتَم الأنبياءِ والمرسلينَ، محمّد وعلى آله وأصحابه أجمعينَ. أما بعد:

راقم الحروف کو قارئین کرام کی خدمت میں «الأخلاق الفاضلة قواعد ومُنطَلَقات لاكتسابها» کا ”دوسرا ایڈیشن پیش“ کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے جو پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۴۱۷ھ =۱۹۹۶ء کے لمبے وقفے کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ کتاب بڑے پیمانے پر پڑھی گئی، کئی ممالک میں اس کی اشاعت ہوئی، نیز متعدد یونیورسٹیوں، مدارس اور کالجوں میں اسے ”اخلاقی وتربیتی مضامین“ کا جز بنا کر ”داخل نصاب“ کیا گیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے، آمین!

یہاں یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احقر نے یہ کتاب کئی سال پہلے اس وقت تالیف کی تھی جب ”دہشت گردی“ کے واقعات اور عالمی سطح پر اس کے مختلف اسباب ونتائج رونما نہیں ہوئے تھے۔ کتاب کا مقصد ”اخلاقیات“ کے حوالے سے اسلام کے منہج اور طریقۂ کار کی تشریح ہے، لوگوں کے خیالات، ان کے رد عمل کی وضاحت یا ان کے جمود وانفعال کا ساتھ دینا مقصود نہیں۔

اس موقع پر راقم الحروف ان لاتعداد اصحاب کمال کی خدمت میں تشکر وامتنان کا ہدیہ پیش کرتا ہے جنھوں نے کتاب ہذا کو ”نصاب“ میں شامل کرنے کے لیے قابل قدر کوششیں کیں، یا اس کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا یا اس کی نشر واشاعت میں کسی بھی طرح کا حصہ لیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ان حضرات کی مساعی کو شرفِ قبولیت بخشے اور ان کے اس عمل کو اس دن ان کی میزان حسنات میں داخل فرمائے؛ جس میں ایمان اور عمل صالح ہی کام آئے گا، مال ودولت اور اولاد کچھ کام نہیں آئے گی۔

اس ایڈیشن کی اشاعت کے موقعے پر احقر نے سابقہ ایڈیشن کی بعض اغلاطِ کتابت کی تصحیح کی ہے، بعض حواشی میں ترمیم کی ہے؛ کتب حدیث کے ”حوالے“ کا طریقہ بھی تبدیل کیا ہے، نیز ”کمپیوٹر پروگرام“ کی مدد سے ”احادیث“ کو با اعراب نقل کیا ہے اور کتاب از سر نو ترتیب دی ہے۔ بعض آرا میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں عبارت بھی بدل دی ہے۔ اس طرح امید ہے کہ کتاب پہلے کی بہ نسبت زیادہ مفید اور بہتر ہو گئی ہو گی۔

آخر میں مکرر عرض ہے کہ بندہ ہر اس شخص کا ممنون ہے جس نے کتاب کی سابقہ طباعت کے تعلق سے کوئی مشورہ دیا یا قارئین کرام تک پہنچانے میں کسی بھی طرح سے حصہ لیا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا کرے اور ان کے اس عمل کو میزان حسنات میں داخل فرمائے۔ (آمین)۔

وآخِرُ دَعْوانا أَنِ الْحَمْدُ للهِ ربِّ العالمينَ.

عبد اللہ بن ضیف اللہ رُحیلی
مدینہ منورہ
۱۴۲۹/۶/۱۷ھ

# مقدمۂ طبع اوّل

إِنَّ الحمدَ لله، نَحمَدُه، ونَستغفِرُه، ونَتُوبُ إليه، ونَعوذُ بالله مِنْ شرور أنفسنا ومِنْ سيئات أعمالنا، مَن يَهدِه اللهُ فلا مُضِلَّ له، ومَن يُضلل فلا هاديَ له، وأشهَدُ أن لا إله إلا الله وحدَه لا شريكَ له، وأشهَدُ أَنَّ محمدًا عبدُه ورسولُه ﷺ.

اما بعد: یہ کتاب ”**منہجی مطالعات**“ کے سلسلۂ اشاعت کی چھٹی کتاب ہے، جس کا نام ہے «الأخلاق الفاضلة: قواعد ومُنطَلَقاتٌ لاكتسابها» (اخلاق فاضلہ اور اس کی تحصیل کے طریقے)۔ راقم الحروف تقریباً ۱۴۰۳ ہجری سے اس ”موضوع“ پر لکھتا رہا۔ ان سالوں میں اس موضوع سے میرا جذباتی حد تک تعلق رہا اور اس موضوع پر لکھنے اور اسی کے مطابق ”نظریاتی و عملی“ طور پر ”اخلاقی تربیت“ کرنے کا میں قائل رہا۔

اب یہ رائے ہوئی کہ اس کے جتنے صفحات مکمل ہو چکے ہیں انھیں شائع کر دیا جائے، (بہ ہمہ وجوہ) تکمیل (کے انتظار میں) ان کی اشاعت کو مؤخر نہ کیا جائے، بالخصوص جبکہ اس موضوع کا حق ادا کرنا اور کسی ایک شخص کا اس کے تمام متعلقات کا احاطہ کرنے والی کتاب لکھنا خاصا مشکل کام ہے۔

اگر اس موضوع سے متعلق کچھ لائق غور و فکر اور قابل بحث و تحریر گوشے تشنہ رہ گئے تو ان پر کام جاری رہے گا اور ان کی تکمیل کسی دوسری اشاعت میں کر دی جائے گی۔

## اخلاق کی اہمیت:

اخلاق فاضلہ کی انسان کی اپنی زندگی میں اور جس معاشرے میں زندگی بسر کر رہا ہے اس کے لیے بھی بڑی اہمیت ہے، حتی کہ یہ اہمیت کھانے پینے سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ”اخلاقِ فاضلہ“ کے سبب ہی ”دنیا“ میں کامیاب اور پر مسرت زندگی گزار سکتا ہے، اور اسی کے

سبب ”آخرت“ میں اس کی زندگی مزید خوش گوار ہو سکتی ہے۔ ”اعلیٰ اخلاقی اقدار“ کے بغیر انسان بے فیض اور لاخیرا ہے؛ بلکہ سماج کے لیے شر انگیز اور ضرر رساں ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں برے اخلاق سے محفوظ رکھے اور عمدہ اخلاق سے آراستہ فرمائے۔

”محاسنِ اخلاق“ کو ”اسلام“ میں جو اعلیٰ مقام حاصل ہے وہ مقام اس کو کسی ”دین و مذہب“ یا کسی دوسرے طریقۂ زندگی میں حاصل نہیں۔ اسلام نے اس کی عظمت اس قدر بڑھائی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ: أَحْسَنَكُمْ أَخْلاقًا»(۱): تم میں سب سے بہتر سب سے اچھے اخلاق والا ہے۔ نیز فرمایا: «إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلاقًا»(۲): تم میں سے میرے نزدیک زیادہ محبوب وہ ہے جو تم میں سب سے اچھے اخلاق والا ہے – مزید فرمایا: «اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ»(۳): جہنم کی آگ سے بچو، چاہے کھجور کے ایک ٹکڑے (کے صدقہ کرنے) سے ہی ہو، اگر وہ بھی نہ ملے تو کلمۂ خیر کے ذریعے ہی سہی۔

اخلاق کی اہمیت اور اس کی واقعی حقیقت و ماہیت کے پیش نظر اس موضوع پر لکھنے کی از سر نو ضرورت پیدا ہوتی رہتی ہے، باوجود اس کے کہ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اخلاق کا موضوع زندگی کے شعبوں سے جڑا ہوا ہے اور ہر دم بدلتی زندگی کے ساتھ اس میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے؛ اس لیے سابقہ تحریروں اور تحقیقات کے ہوتے ہوئے بھی اس موضوع پر نئے نئے انداز سے لکھنے کی ضرورت باقی رہے گی۔

## ایک عمومی غلطی:

راقم الحروف چاہتا ہے کہ اس مقدمے میں ”اخلاق کے فطری“ ہونے کے تعلق سے بعض لوگوں میں پائی جانے والی ایک ”غلطی“ کی نشان دہی کر دے۔ بعض حضرات کا ”خیال“ ہے کہ انسان کے اخلاق

---

(۱) بخاری شریف، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حدیث نمبر: ۳۵۵۹. اور مسلم شریف، كتاب الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ، حدیث نمبر: ۶۸(۲۳۲۱)، بروایت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما.

(۲) بخاری شریف، كتاب فضائل الصحابة، باب مناقب عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر: ۳۷۵۹، بروایت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما.

(۳) بخاری شریف، كتاب الزكاة، باب الصدقة قبل الرد، حدیث نمبر: ۱۴۱۳، وباب: اتقوا النار ولو بشق تمرة... حدیث نمبر: ۱۳۵۱، بخاری میں یہ حدیث دوسری جگہوں پر آئی ہے. اور مسلم شریف، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشق تمرة أو كلمة طيبة، حدیث نمبر: ۶۶-۶۸(۱۰۱۶) بروایت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ.

وعادات خالص "فطری اور طبعی" ہیں انھیں "کسب اور محنت" سے حاصل نہیں کیا جاسکتا، جبکہ یہ ایسا دعوی ہے جس کی حقیقت واقعہ تردید کرتی ہے۔ اگر اخلاق "نا قابل تبدیل" ہوتے تو "مواعظ ونصائح" کا کوئی مطلب نہ ہوتا، نہ "تہذیب وتربیت" اور ان کے اپنانے کی "تلقین" کے کوئی معنی اور نہ ہی "جرائم ومعاصی" کے ارتکاب سے روکنے والی "شرعی سزاؤں" کی کوئی توجیہ؛ حالانکہ ان امور کا انسان تو کیا "حیوانات" تک میں مفید ہونا ایک "امر واقعہ" ہے۔ چنانچہ "جنگلی شکاری جانور" کو مانوس بنالیا جاتا ہے، "کتے" کو کئی طرح کی عادتیں سکھادی جاتی ہیں اور "گھوڑے" کو ٹریننگ دے دی جاتی ہے۔

تاہم یہاں یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ "تربیت کا مقصد" طبیعتوں اور فطری اخلاق وعادات کو سنوارنا ہے، نہ کہ بالکلیہ ان کا خاتمہ یا جڑ سے اکھاڑ پھینکنا؛ اس لیے کہ ایسا نہ ممکن ہے اور نہ ہی شریعت میں مطلوب ہے؛ بلکہ ایسا کرنا تو فطرت اور شریعت کے دائرے سے مکمل خروج کے مترادف ہوگا۔ اخلاق کی تہذیب کا مطلب ہے مختلف "شرعی پابندیوں" کی اتباع اور ان پر عمل کرنا اور مباح امور میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے معتدل طرز عمل اپنانا(۴)۔

اس (تفصیل) سے انسان کے بہت سے نفسیاتی احوال (وتقاضے) پیش آنے کے موقع پر اس سے مطلوب عمل کا مقصد بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اور انسان کی "جسمانی ونفسیاتی" فطرت وجبلت کے لیے لازم تقاضوں کے وقت اخلاق وعادات کو سنوارنے کے مطالبے کا مقصد اور اس کی تشریح بھی سامنے آجاتی ہے۔

مثلاً : جنسی خواہشات، غیظ وغضب، کھانے پینے، (اشیا کے) مالک ومتصرف بننے جیسے احوال وکوائف (اور فطری وبشری تقاضے) پیش آجانے پر کیسے "اخلاق واعمال" اختیار کیے جائیں۔

یہ بات ان تین صحابۂ کرام کی حدیث کی روشنی میں سمجھی جاسکتی ہے جن کی بابت نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: «أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟! أَمَا، وَاللهِ، إِنِّي لأَخْشَاكُمْ للهِ، وَأَتْقَاكُمْ لَهُ؛ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ؛ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»(۵): تم ہی لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟ سنو! اللہ کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ

---

(۴) ان مباحث کے لیے ملاحظہ ہو: *مختصر منهاج القاصدين*، حافظ ابن قدامہ: ص ۱۶۵-۱۶۸.

(۵) بخاری شریف، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح، حدیث نمبر: ۵۰۶۳، اور مسلم شریف، كتاب النكاح،
=

سے ڈرنے والا اور متقی ہوں، لیکن میں (نفلی) روزہ بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزے کے بھی رہتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، شادی بھی کرتا ہوں، لہذا جو شخص میرے طریقے سے اعراض کرے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

اس سے ان بعض اربابِ تربیت کے منہج اور طریقۂ تربیت کی غلطی بخوبی سمجھی جا سکتی ہے، جو تربیت کے شرعی طریقے اور مقصود تربیت کا لحاظ نہیں رکھ پاتے، وہ اس سلسلے میں غلو یا تساہل کا شکار ہو جاتے ہیں یا برے اخلاق کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں، یا جسم کو اور انسان کے جسمانی یا نفسیاتی فطری تقاضوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

## اس موضوع کا مقصد:

اس خامہ فرسائی سے راقم کے دو مقصد ہیں:

(۱) آدمی کو بُرے اخلاق و عادات سے دور کر کے اچھے اخلاق کی طرف لے جانے کی عملی کوشش۔

(۲) یہ اوراق راعی اور رعایا، حاکم اور محکوم(۲) دونوں کی اصلاح کے حوالے سے اخلاقی، تربیتی طریقۂ کار کا حصہ بن جائیں، یہ افراد خواہ کیسے بھی ہوں بڑے ہوں یا چھوٹے، تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ، مرد ہوں یا عورت اور جواں عمر لڑکے ہوں یا لڑکیاں؛ کیونکہ یہ سب کے سب اپنے معاملات کی انجام دہی میں محاسنِ اخلاق کے محتاج ہیں، چاہے اللہ تعالی کے ساتھ معاملہ ہو، یا عام انسانوں کے ساتھ، یا خود اپنی ذات کے ساتھ۔

ان سبھی کو اخلاق کی فطرت و مزاج کو سمجھنے، ان کے حصول کے طریقوں سے واقفیت، فضائل و محاسن سے آراستگی اور رذائل سے اجتناب کی تلاش و جستجو (اور ضرورت باقی) رہے گی، جب تک یہ فطرت سلیمہ پر قائم رہیں گے۔

رہی بات ان کے علاوہ فطرت سلیمہ سے عاری افراد کی، تو وہ ہمارے مخاطب ہی نہیں، الا یہ کہ

---

=

باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه...، حدیث نمبر: ۱۴۰۱، بروایت انس رضی اللہ عنہ.

(۲) حدیث نبوی ہے: «كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»، تم میں سے ہر ایک راعی اور نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت اور ماتحت افراد کے بارے میں پوچھا جائے گا- بخاری شریف، حدیث نمبر ۸۹۳، اور مسلم شریف، حدیث نمبر: ۲۰ (۱۸۲۹)، بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما.

وہ اپنے فرائض کو سمجھتے ہوں، اچھے اخلاق اپنانے کا جذبہ رکھتے ہوں اور خوب صورت پوشاک زیب تن کرنے کا شعور واحساس ان میں باقی (اور زندہ) ہو۔ اس سے مراد وہ پوشاک ہے جسے انسان خود ہی اپنے لیے بُنتا ہے، جس کا تانا بانا اللہ تعالی کے واضح احکام، اس کے رسول عربی ﷺ کی احادیث ہوں، جو خواہشِ نفس کے تحت گفتگو نہیں کرتے۔ نیز یہ پوشاک اس فطرت سلیمہ سے تیار ہوتی ہے جس پر اللہ تعالی نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اس پوشاک سے ہماری مراد "مکارم اخلاق" ہیں۔

بھائیو اور بہنو! مکارم اخلاق کی یہ پوشاک آپ کی خدمت میں حاضر ہے، دنیا کی تمام پوشاکیں اس کے سامنے ہیچ ہیں اور یہ ایسا پردہ ہے کہ کوئی پردہ آپ کو اس سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔

مجھے پورا اعتماد اور یقین ہے کہ سارے لوگ اس مقصد وہدف کی جستجو میں ہیں۔

مجھے یہ بھی یقین ہے کہ کوئی شخص آپ کے اور اس پوشاک کے زیب تن کرنے کے درمیان حائل نہیں ہو سکتا۔ شرط یہ ہے کہ آپ کو اس کے پہننے میں دلچسپی اور سچی لگن ہو اور آپ کسی ایسے انسان کے اسیر نہ ہوں جو گم گشتۂ راہ ہو اور بد اخلاقی کی راہ پر چل پڑا ہو، یا اخلاق کی حسین وجمیل، کامل ومکمل پوشاک سے ہی دستبردار ہو چکا ہو؛ حالانکہ یہ ایسی پوشاک ہے جو دنیا وآخرت دونوں جگہ انسان کے عیوب کی پردہ پوشی کرتی ہے۔

بھائیو، بہنو! راقم الحروف اپنی عمر کا بڑا حصہ، اپنے بیش قیمت اوقات اور اپنی عملی وفکری جان توڑ محنت اس تالیف کی شکل میں (۷) آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر رہا ہے اور سب کے لیے ہدایت اور صحیح توفیق کا طلب گار ہے۔

میری اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ان الفاظ کو نافع بنائے، انھیں خود بولنے اور لکھنے والے کے خلاف حجت نہ بنائے اور ان میں جو کچھ کمی، کوتاہی ہو اس سے درگذر فرمائے۔ آمین!

میں اللہ تعالی کا شکر گزار ہوں اور اس کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس موضوع کی طرف متوجہ کیا، اور مجھے اس کارِ خیر کی توفیق بخشی، نیز اس نے مجھے اور دوسرے انسانوں کو بہت ساری نعمتیں عطا فرمائیں۔

---

(۷) اس کتاب کی تالیف کی ابتدا اور حالات پر راقم نے (قصتي مع الموضوع): "زیر بحث موضوع سے میری وابستگی" کے عنوان سے گفتگو کی ہے جو آگے آ رہی ہے۔

میں ہر اس شخص کا شکر گزار ہوں جس نے رائے، مشورے یا کسی طرح کی محنت سے اس کام میں حصہ لیا، بالواسطہ یا بلاواسطہ شعوری یا غیر شعوری طور پر مجھے فائدہ پہنچایا، ایسے اصحاب کمال اشخاص کی تعداد زیادہ ہے۔ اُن سب کے اسمائے گرامی اگرچہ میرے حافظے یا ڈائری میں محفوظ نہیں، تاہم فرشتوں نے ان کے نام اور کام ریکارڈ کیے ہوئے ہیں، ارشاد ربانی ہے : ﴿ مَّا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴾(۸) : ”(انسان) منہ سے کوئی لفظ نکال نہیں پاتا مگر اس کے پاس نگہبان تیار رہتا ہے“۔

یہ آیت انسان کے تمام اعمالِ خیر و شر پر صادق آتی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے : ﴿ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴾(۹) : ”پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا“۔

والله الموفق الهادي إلى سواء السبيل.

والحمد لله رب العالمين أوّلًا وآخرًا، وظاهرًا وباطنًا، سرًّا وجهرًا، وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

تحریر

عبد اللہ بن ضیف اللہ الرُحَیلی

مدینہ منورہ

محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

---

(۸) ۱۸ : ق : ۵۰.

(۹) ۷ : الزلزلة : ۹۹.

# تحقیق کا طریقۂ کار

اگرچہ اس کتاب کا موضوع ”دعوتی“ ہے، تاہم میں نے اس میں ایک ”مخصوص اسلوب نگارش“ کی پیروی کی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- موضوعات کے انتخاب اور ان پر لکھنے کے حوالے سے میں نے اپنے طرز عمل میں صحیح وغلط کے تعلق سے اپنے ذاتی مشاہدے و تجربے پر اعتماد کیا ہے۔ میں نے جس خطا وصواب کو دیکھا اور اپنے یا دوسروں کے تعامل اور طرز عمل میں مجھے صحیح وغلط میں سے ہر ایک کے جو (بھی) نتائج نظر آئے انھیں میں نے ایک ایسے ”محتسب“ کی نظر سے دیکھا ہے جسے غلطی کا پتہ لگانے اور اس کی اصلاح کی فکر ہو۔

۲- میں نے سلوک واخلاق کے ”حسن وقبح“ کی تعیین اور فیصلے کے لیے ”شریعت“ کو پیمانہ ومعیار بنایا ہے، خواہ (زیر بحث وزیر تحقیق مسئلے میں) میں نے نص کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

۳- میں نے ”مقبول ونامقبول، شرعی اور غیر شرعی امور“ کے درمیان امتیاز کے لیے اللہ تعالی کی عطا کردہ ”عقل وفطرت“ کی روشنی سے کام لیا ہے (خیال رہے کہ عقل وفطرت کا) یہ (استعمال بھی) اللہ تعالی کے احکام کی اطاعت ہے؛ کیونکہ اس نے انسانوں کو اس کا مکلف بنایا ہے، نیز ”عقل وفطرت“ انسان پر اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ”عظیم نعمت“ ہے جس کا استعمال انسان پر قائم کی گئی حجتوں کی ”ذمے داریوں“ کو ادا کرنا ہے۔

۴- میں نے اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ انسان کا وہ ”طرز عمل“ جو روزمرہ کی زندگی میں مشاہدے میں آرہا ہے، اس کے تعلق سے ”عقلی وفطری“ احوال وتاثرات کو قلم بند کیا جائے؛ یہ مانتے ہوئے کہ ہر ”سلیم الفطرت“ شخص یہی ”موقف“ رکھتا ہے، حتی کہ بہت سے کفار ومشرکین کا موقف بھی اس سے مختلف نہیں ہو سکتا؛ اس لیے کہ ہم سب اللہ کی ”مخلوق“ ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی ”اولاد“ ہیں، سب کو اللہ تعالی نے یکساں طور پر ”عقل وفطرت“

کی صلاحیت سے نوازا ہے۔ جو لوگ انحراف کا شکار ہوگئے اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے قدرت کی عطا کردہ ان نعمتوں اور حق وصواب تک رسائی کے ان ذرائع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ انھوں نے قرآن کریم اور زبان نبوی سے صادر ہونے والی ندائے ربانی پر کان نہیں دھرے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی ان دو ”مکرم آوازوں“ پر لبیک نہیں کہا اس نے خود کو یقینی ہلاکت میں ڈال دیا، الا یہ کہ اُسے توبہ کی توفیق نصیب ہو جائے اور وہ تباہی سے پہلے توبہ کرکے حق کی طرف رجوع کرلے۔ ان دو آوازوں میں ”ایک آواز“ خود انسان کی فطرت اور عقل کی آواز ہوتی ہے جو اس کے اندرون سے نکلتی ہے، ”دوسری آواز“ وہ ہے جو قرآن وسنت کی آواز ہے۔ جس نے ان دونوں کو ٹھکرا دیا اللہ تعالی بھی اسے ٹھکرا دیتا ہے، گو اس نے (پیغام ربانی اور ندائے ربانی سے اعراض کرکے) خود مصیبت مول لی ہے۔

شاید اس موقعے پر ہمیں ان لوگوں کی تردید کرنے کی چنداں ضرورت نہیں جو کتاب وسنت کی طرف دعوت کے نام پر عقل وفطرت میں نقص کے قائل یا ان کی اہمیت کم کرنے کے درپے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اس رویے کے سبب اللہ کی تخلیق اور اس کے امر تخلیق میں تناقض کا گمان رکھتے ہیں (حالانکہ اللہ کی ہر تخلیق اس کے امر (کُنْ) کی طرح مکمل ہوتی ہے)۔

۵- میں نے موضوع کے کامل احاطے کی کوشش نہیں کی اور میں چاہوں بھی تو نہیں کر سکتا؛ اس لیے کہ یہ موضوع بہت وسیع ہے، یہ اتنا ہی کثیر الجہات ہے جتنا کہ خود انسان کی زندگی اور اس کا طرز عمل۔ میں نے اس موضوع کے صرف اتنے ہی پہلوؤں سے بحث کی ہے کہ سر دست جن کا احاطہ میری کدوکاوش اور میرے اوقات کی حد میں ممکن تھا۔ اگر اللہ تعالی کی مشیت ہوئی تو میں ان پہلوؤں کی تکمیل کی کوشش کروں گا جن کی تکمیل ممکن ہے۔ میرے دل میں اس کی آرزو ہے، بصورت دیگر اللہ تعالی مومن کی نیت پر بھی اجر دیتا ہے۔

۶- میں نے یہ التزام کیا ہے کہ کسی بھی مسئلے میں ”نقل وعقل“ کی صحیح ومستند دلیل سے استدلال واستناد کیا جائے۔

۷- میں نے قرآن کریم کی آیات کا حوالہ دینے میں شیخ محمد فواد عبد الباقی رحمہ اللہ کے

طریقے کو اختیار کیا ہے، اس طرح کہ پہلے آیت کا نمبر، پھر سورت کا نام، پھر سورت کا نمبر درج کیا ہے(۱۰)۔

۸- کتاب ہذا میں نقل کردہ تمام احادیث کی مختصر تخریج کی ہے، یعنی یا تو صرف صحیح مآخذ کی طرف انتساب کیا ہے یا پھر ان کتابوں کا حوالہ دیا ہے جن میں صحت بیان کرنے کی شرط نہیں، مثلاً سنن اربعہ، تاہم ان میں سے بھی صرف صحیح احادیث ہی کو لیا ہے۔

۹- اگر حدیث صحیحین میں یا ان میں سے کسی ایک میں مذکور ہو تو میں نے صرف ان ہی دونوں یا ان میں سے کسی ایک کے حوالے پر اکتفا کیا ہے۔ ان احادیث کو ان کے مآخذ کے حوالے کے ساتھ ساتھ ان کا نمبر بھی درج کر دیا ہے، بالخصوص جب وہ حدیث صحیحین کی ہو۔

میں نے صحیح بخاری کے حوالے میں شیخ محمد فؤاد عبد الباقی رحمہ اللہ کے نسخے پر اعتماد کیا ہے جس میں "المُعْجَمُ المُفَهْرَسُ لألفاظ الحديث النبوي" کے انداز پر نمبرات درج کیے گئے ہیں، نیز "فتح الباری بشرح صحیح البخاری" (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، قاہرہ، مع ترقیم شیخ محمد فؤاد عبد الباقی بھی زیر نظر رہی ہے۔ پس جب میں بخاری شریف کے حدیث نمبر کا ذکر کروں تو اس سے شیخ محمد فؤاد عبد الباقی کے مطبوعہ نسخے کا حدیث نمبر مراد ہوگا۔

اسی طرح صحیح مسلم کے حوالے میں بھی شیخ محمد فؤاد عبد الباقی کی ترقیم والے نسخے پر اعتماد کیا ہے۔ پہلے خصوصی نمبر درج کیا ہے، اس کے بعد قوسین میں عمومی نمبر۔

۱۰- شروع ہی سے یہ بات پیشِ نظر رہی ہے کہ دوسرے مصنفین نے جو اس موضوع پر لکھا ہے بس اس کے نقل کر دینے پر اکتفا نہ کیا جائے کہ اس سے محض تکرار لازم آتی ہے؛ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ میں نے متعلقہ موضوع یا اس کے کسی پہلو پر اپنے غور و فکر کا نتیجہ بھی قلم بند کیا ہے۔ البتہ دو مقامات پر اقتباس طویل ہو گیا ہے۔

**پہلی جگہ**: مجھے بعض مباحث (و مضامین) کی تلخیص کرنے کا خیال ہوا تو وہاں کسی ایسے پیش رو مصنف پر اعتماد کیا جنھوں نے اس موضوع پر عمدہ گفتگو کی ہے۔ جیسا کہ میں نے فصل اول

---

(۱۰) انھوں نے اپنی کتاب: "المُعجَم المُفَهرَس لألفاظ القرآن الكريم" میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

میں اخلاق کے بعض معانی کی تعریف کی بحث میں کیا ہے۔ اس کا بڑا حصہ میں نے شیخ عبد الرحمن حَبَنَّکَہ کی کتاب «الأخلاقُ الإسلاميةُ وأُسُسُها» سے ملخص کرکے لکھا ہے۔

**دوسری جگہ**: جہاں میں نے بعض اخلاقی معانی و مطالب کی انتہائی فصیح و بلیغ عبارت اور اصابت رائے کے ساتھ ساتھ عمدہ تشریح و ترجمانی دیکھی۔ مثلاً یہ بات میں نے علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کی کتاب «الأَخلاقُ والسِّيَرُ في مُدَاواةِ النُّفوسِ» میں دیکھی تو طویل ہونے کے باوجود ان کی عبارت بعینہ فصل پنجم، مبحث چہارم میں نقل کر دی ہے؛ کہ یہ میرے متعین کردہ موضوعات کے مطابق اور اس باب میں فائق ہے۔ البتہ اس میں جو کتابت وغیرہ کی اغلاط رہ گئی تھیں، ان کی اصلاح ضرور کر دی ہے۔

ان دو جگہوں کے علاوہ وہی انداز ہے، جس کا ابھی تذکرہ کیا گیا(۱۱)۔

* * *

---

(۱۱) شاید راقم الحروف کتاب میں اضافے اور تبدیلی کے لیے بار بار کی مراجعت کے وقت چند مقامات پر اپنے اس طرز پر قائم نہ رہ سکا ہو، لیکن کثرتِ نقل سے احتراز ہی کیا ہے، الا یہ کہ نقل کی کوئی اشد ضرورت پیش آ گئی ہو۔

# زیر بحث موضوع سے میری وابستگی

اس حصے میں احقر نے مندرجہ ذیل عناوین کے تحت اس موضوع سے اپنے تعلق کا واقعہ (اور تفصیل) بیان کی ہے:

- اس موضوع سے میری (ذہنی وابستگی اور مطالعاتی) سفر۔
- (اخلاق پر) لکھنے کی طرف توجہ (اور اس کا آغاز)۔
- لوگ اور (تحصیل) اخلاق (کے مختلف طریقے ونقطہ ہائے نظر)۔
- (اخلاقِ حسنہ کی تحصیل کا) صحیح راستہ۔
- وہ حقائق جن تک (میں) اس سفر کے دوران پہنچا۔

## ۱- اس موضوع سے میری (ذہنی وابستگی اور مطالعاتی) سفر:

اخلاق کے موضوع سے میرا تعلق، طویل عرصے پر محیط ہے، بچپن ہی سے اخلاقِ فاضلہ سے مجھے دلچسپی رہی ہے۔ میرا ذہن ودماغ اپنے اخلاق، نیز دوسرے لوگوں کے اخلاق اور ان کی حرکات وسکنات میں صحیح وغلط کے درمیان امتیاز کرنے کی دلچسپی کی وجہ سے کھلتا چلا گیا۔ میں اس دن کا انتظار کرتا رہا جب میں عمر کے اس مرحلے میں پہنچوں جب بڑی عمر والوں کے ساتھ بیٹھ سکوں؛ تاکہ میں کسی قدر توجہ واہتمام سے ان کے معاملات اور طرزِ عمل کو دیکھ سکوں اور ان کی غلطیوں سے بخوبی واقف ہو سکوں اور اس مقصد سے انھیں اپنے حافظے میں محفوظ رکھوں تاکہ خود کو ان سے دور رکھ سکوں!، اگر ان کی عمروں تک پہنچنا میرے مقدر اور نصیب میں ہوا۔ میں انسان کی غلطی کی شدت وگہرائی کو دل میں محسوس کرتا تھا۔ اور پورے طور پر اس بات کا قائل تھا کہ ”بڑے آدمی“ کے لیے نہ ”برے اخلاق“ زیب دیتے ہیں اور نہ ہی ”غلطیاں“۔

اسی (خیال اور) نقطۂ نظر کے ساتھ میری عمر کا کچھ حصہ گزر گیا، پھر اللہ نے مجھے میرے گمان کے مطابق اس عمر تک پہنچا دیا جو ان بڑوں کی تھی۔ تب میں نے اپنا جائزہ لیا اور سوچنے لگا کہ کیا میں ان (اخلاقی) خامیوں سے محفوظ رہا ہوں جن کی وجہ سے میں پہلے ان بڑوں پر تنقید کرتا تھا؟

کیا میرے اخلاق (عیوب سے) اس طرح محفوظ رہے جس طرح میں چاہتا تھا؟

اس کا جواب تھا کہ عمر کے اس مرحلے میں جو چیزیں دوسرں سے سرزد ہوئیں، ان میں سے ایک یا کچھ چیزیں مجھ سے بھی سرزد ہوئیں۔

اس وقت میں نے خود سے سوال کیا (اور مجھے تعجب اور احساس ہوا کہ): سبحان اللہ! اگر میں اپنے نفس کی اس طرح دیکھ بھال نہ کرتا جس طرح میں کوشش کرتا رہا تو پھر میری (اخلاقی) حالت کیا ہوتی؟

اور اس شخص (کے اخلاق) کا حشر کیا ہوگا جس نے بچپن سے ان چیزوں کی طرف دھیان ہی نہ دیا ہو، جن کی طرف میں (ہمہ تن) متوجہ رہا! (اس کا تو بس) اللہ ہی مالک ہے۔

"مجاہدے" کے باوجود نفس میں دنیاوی زندگی کی کچھ "آلائشیں" باقی رہ جاتی ہیں، تاہم یہ توقع رہتی ہے کہ انسان کی زندگی میں وہ جڑ نہیں پکڑیں گی۔ مجاہدے کا یہ ایک پہلو ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ "مجاہدہ" ان آلائشوں کے خاتمے کا ایک متوقع ذریعہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی کے حکم کے مطابق "نفس کو سنوارنے" میں مجاہدے کی (بڑی) اہمیت ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ ...﴾ (١٢): "اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھادیں گے"۔

آج بچپن کی بہ نسبت میں اس بات پر زیادہ قانع ومطمئن ہوں کہ "دنیا" میں جو "بحران" ہے، وہ درحقیقت "اخلاقی بحران" ہے، خواہ "مسلمانوں" کے تعلق سے ہو یا ان کے علاوہ روئے زمین کی کسی "دوسری قوم" کے تعلق سے۔ دنیا میں جو بھی سنگین بحران اور دین ومذہب، اخلاقی اقدار، انسانوں، جانوروں، درختوں کو فنا کے گھاٹ اتار دینے والے مصائب آتے ہیں، وہ سب اسی (اخلاقی بحران کی) وجہ سے پیش آتے ہیں۔

آدمی کے "اخلاق" اس کے "عقیدہ ومذہب" سے مربوط ہوتے ہیں؛ بلکہ یہ اس کے عقیدہ ومذہب ہی کا ثمرہ ونتیجہ ہوتے ہیں۔ (جس کا ثبوت اور وجوہات یہ باتیں ہیں):

- دین ومذہب کا انسان کی زندگی پر گہرا اثر ہوتا ہے۔
- تربیت اور مجاہدے کے (بھی) اپنے اثرات ہوتے ہیں۔

---

(١٢) ٦٩ : العنكبوت : ٢٩.

- زندگی میں (لوگوں کے احوال کا معائنہ) ومشاہدہ اور اس سے سبق لینے کے اپنے (خاص) اثرات ہوتے ہیں۔
- مطالعے اور سبق کے اپنے اثرات ہوتے ہیں۔
- اور مشقت و پریشانی کا (بھی) زندگی پر اپنا اثر ہوتا ہے۔

میں اپنی زندگی میں ایک عرصے تک اخلاق اور غلط و صحیح کے معاملے میں خود اپنے اوپر، نیز دوسروں پر نظر رکھتا رہا ہوں، چنانچہ مجھ پر ان چیزوں کے مثبت و منفی، فرحت بخش و غم انگیز، خوش گوار اور ناخوشگوار گہرے اثرات ہوتے تھے۔

مجھ پر درسگاہِ حیات میں ایسے بہت سے مناظر، واقعات اور تجربات گزرے جو سب کے سب اسی حق کی ترجمانی کرتے ہیں جو ”کلام الٰہی“ اور ”حدیث نبوی“ کے عین مطابق ہے یعنی فطرت، عقل اور شریعت (یہ سب) باہم موافق و ہم آہنگ ہیں۔

میں ان مناظر و تجربات سے اکثر و بیشتر سبق (اور پوری عبرت) حاصل کرتا تھا۔

جی ہاں! سبق (اور عبرت)!؟

میں ظلم کو، ظالم کو، مظلوم کو اور (ان کے) انجام کو دیکھتا ہوں تو اس سے پورا سبق لیتا ہوں۔
میں غلطی، اس کا انجام اور اس کے اثرات دیکھتا ہوں تو عبرت پکڑتا ہوں، اور جب میں صحیح عمل، طاعت و فرماں برداری اور اس کا انجام دیکھتا ہوں تو حقائق اور نتائج پر یقین رکھتا ہوں۔
میں نے کتاب و سنت کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ زندگی کی درسگاہ اور اس کے اسباق سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، (میرے سامنے) ان اسباق میں (سے) غلط اور صحیح دونوں (طرح کے اسباق و تجربات) ہیں۔

## ٢- (اخلاق پر) لکھنے کی طرف توجہ (اور اس کا آغاز):

یہ مشاہدات و تجربات کئی سالوں تک جاری رہے، اس کے بعد میں ان کے متعلق کچھ قابل لحاظ، اور توجہ طلب باتیں و تاثرات لکھنے لگا۔ اور ان باتوں کے لکھتے وقت میں نے اپنی توجہ اس بات پر مرکوز رکھی ہے کہ ایسے ضروری اصول و قوانین قلم بند کروں جو ”محاسبۂ نفس“ کے لیے معاون یا نفس کے اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونے کے طریقوں اور اس راہ کی رکاوٹوں کے ازالے کے لیے مفید و کارگر ثابت ہوں۔

میں نے یہ باتیں مختلف مواقع پر بعض حضرات کے سامنے پیش کیں، تو ان کی طرف سے پذیرائی ملی (اور حوصلہ ملا)، جس سے مجھے اس موضوع پر لکھنے کی ضرورت (اور اہمیت) کا احساس ہوا۔ چنانچہ میں نے ان صفحات کو بعض دوسرے صفحات کی مدد سے جو مذکورہ بالا مقصد سے زیادہ غیر متعلق نہیں تھے مکمل کر لیا، (اس لیے کہ) وہ صفحات (بھی اخلاق پر لکھنے کے) اسباب و محرکات سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے تھے۔

چنانچہ پہلے اور بعد والے صفحات مل کر ان افکار و آرا کا خلاصہ بن گئے، جن کے حامل کی شدید خواہش ہے کہ وہ خود (بھی) اور آس پاس کے لوگ بھی اخلاق حمیدہ سے متصف ہوں۔

یہ مختصر اوراق جنھیں بندہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہے، ان مختلف احوال کی دَین و نتیجہ ہیں جن سے کاتب سطور گزرا ہے۔ اس دوران یہی کوشش رہی کہ کسی غلطی کی نشان دہی ہو جائے یا یہ کہ (اخلاقی اعتبار سے) کیا چیز مناسب ہے (اور کیا نامناسب)؟

یہ مباحث (بھی) اخلاق کے مضمون اور اقسام کی طرح شاخ در شاخ (اور بہت) ہیں، اس لیے ان سب کا احاطہ کرنا ممکن نہیں؛ کیونکہ اخلاق انسان کے تصرفات و معاملات، اس کے طرز عمل اور جملہ دلچسپیوں میں داخل ہیں۔ بنابریں انسان کی زندگی کے کسی پہلو سے ان کو جدا کرنا ممکن نہیں، خواہ ان کا تعلق سنجیدگی والی حالت سے ہو یا مذاق و دل لگی والی حالت سے، خوشی سے تعلق ہو یا غم سے، غلطی سے تعلق ہو یا صحیح بات سے۔

البتہ میرے پیش نگاہ یہ بات ضرور رہی کہ جس چیز کی اشاعت ہو، وہ امکان بھر مکمل ہو۔ اس وجہ سے میں نے ان اوراق کو عرصے تک شائع نہیں کیا، پھر بعض فاضل دوستوں کی طرف سے ان کی اشاعت کا یا جتنا حصہ ان کے علم میں تھا، اس کی اشاعت کا اصرار ہونے لگا۔

بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ محض کمال کے انتظار میں جس تک رسائی بھی انتہائی دشوار ہے، سارے مواد اور تحریر کردہ مضامین کو قربان نہ کیا جائے۔ (بلکہ جیسا بھی ہے افادۂ عام کے لیے پیش کر دیا جائے)۔

(انسان کے لیے) اتنا کافی ہے کہ نیت درست رہے، کوشش جاری رہے اور کم از کم اس بات کا اہتمام رہے کہ حتی الامکان حق اور درست چیزیں ہی شائع کی جائیں۔

لہٰذا قارئین کرام کی خدمت میں یہ چند اوراق پیش ہیں، ان پر احقر نے کتنا وقت صرف کیا،

کتنی محنت کی، کتنا غور و خوض کیا اور کتنی پریشانیاں اٹھائیں، اسے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

(خیال رہے کہ) یہ اوراق مختلف حالات کے نتائج و ثمرات ہیں: ان میں سے کچھ لائبریری میں لکھے گئے، کچھ سفر میں، کچھ گاڑی میں، کچھ راستے میں، کچھ ہموار زمین پر اور کچھ پہاڑ کی چوٹی پر۔ اسی طرح کچھ صفحات فارغ البالی میں قلم بند ہوئے تو کچھ ذہنی مصروفیت کے دوران، کچھ سختی و پریشانی کی حالت میں، کچھ راحت و آسائش میں، کچھ ایسی حالت میں جب میں ذہنی و دماغی بلندی پر تھا اور کچھ ایسے وقت جب ذہن و دماغ اس سے کچھ کم تر حالت میں تھا۔ الغرض! اخلاق سے متعلق ان اوراق کی تالیف مختلف حالات میں ہوئی ہے۔

اس طرح غالباً یہ اوراق بھی انسان کی زمینی و حقیقی صورتِ حال سے زیادہ قریب ہیں، جب وہ مختلف حالات میں اپنے نفس کے خلاف مجاہدہ کرتا ہے، تاکہ اچھے اخلاق کا حامل بن جائے۔ ظاہر ہے کہ اخلاق انسان کے تمام حالات اور جملہ اوقات کو شامل ہوتے ہیں اور اس میں کوئی استعجاب بھی نہیں کہ انسان جس "حالت" سے بھی گزرتا ہے، ہر ایک کے لیے ایک "خلق حسن" ہوتا ہے جس کا انسان کو پابند ہونا چاہیے۔ اسی طرح اس کے شب و روز میں جو بھی نئی چیز رونما ہوتی ہے، اس کے مناسب بھی کوئی نہ کوئی "خلق حسن" ہوتا ہے۔ پس جو شخص ہر صورتِ حال اور ہر وقت کے مناسب شریفانہ خلق و عادت کی پابندی کرے گا، وہی درحقیقت اخلاقِ فاضلہ کا حامل ہوگا۔

## ۳- لوگ اور (تحصیلِ) اخلاق (کے مختلف طریقے و نقطہ ہائے نظر):

انسان کی فطرت میں چند چیزیں رچی بسی ہوئی ہیں مثلاً:

- (انسان کی) یہ خواہش کہ وہ سب سے اچھا، سب سے ممتاز اور سب سے بہتر ہو۔
- (اس کی) یہ خواہش کہ وہ لوگوں کے نزدیک محبوب و مقبول ہو۔
- (اس کی) یہ خواہش کہ وہ لوگوں کے سامنے اچھی شکل و صورت اور وضع قطع میں آئے۔
- (اس کی) یہ خواہش کہ وہ خوش حال ہو۔

یہ سب نفسیاتی محرکات ہیں جو مذہب، زبان، ملک اور رنگ و نسل سے قطع نظر ہر سلیم الطبع انسان کی طبیعت میں جاگزیں ہیں۔

تاہم اس منزل تک رسائی کے لیے لوگ مختلف طریقے اور قسم قسم کے راستے اختیار کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو ان مقاصد تک رسائی کے درست راستے کی توفیق مل جاتی ہے، جبکہ کچھ لوگ صحیح راستے کی جستجو میں بھٹک جاتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ صحیح سمت کی یا صحیح سمت لے جانے والے راستے کی نشان دہی کی جائے۔

لوگوں کی ایک بڑی تعداد غیر ارادی طور پر غلط راستہ اختیار کر لیتی ہے یا بھٹک جاتی ہے۔ اس طرح کے لوگ صحیح راستے کی رہنمائی کرنے والے کے بے حد محتاج ہیں۔ بہت سے لوگ سوچتے ہیں کہ وہ مال و دولت اور دنیا کے لیے دوڑ دھوپ کر کے انسانی نفوس میں جاگزیں "فطرت سلیمہ" کو حاصل کر لیں گے جس کے بعد وہ سعادت و مسرت سے ہم کنار ہو جائیں گے، لوگوں میں سب سے اچھے اور ان کی نگاہوں میں مقبول ہو جائیں گے۔

جبکہ کچھ حضرات یہ سوچتے ہیں کہ وہ اپنی اس منزل کو محض جاہ و منصب سے حاصل کر لیں گے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ اس چیز کو دنیا کی راحتوں میں اور شہوتوں میں پا لیں گے۔

کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ وہ اپنا مطلب سربراہ، افسر اور حاکم بن کر حاصل کر لیں گے۔

جبکہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ یہ مقصد اپنی وضع قطع اور حلیے کی خوب صورتی اور لباس و پوشاک کی چمک دمک سے حاصل کر لیں گے وغیرہ وغیرہ۔

## ۴-(اخلاقِ حسنہ کی تحصیل کا) صحیح راستہ:

یہ ہیں لوگوں کے نقطہ ہائے نظر اور ان کے طریقے، لیکن ان کے ذریعے منزل مقصود کا حصول ناممکن اور محال ہے۔

اگر کوئی شخص صحیح منزل یا بلند مقصد تک پہنچنے کے لیے "غلط راستہ" اختیار کرے، تو اسے صحیح منزل اور مفید مقصد کا ارادہ کرنا کچھ کام نہیں آئے گا، وہ اسی وقت (منزل اور مقصد تک) پہنچ سکتا ہے جب "دو چیزوں کا" لازمی طور پر تعین کرے:

- صحیح منزل اور مقصد کی تعین۔
- اس منزل اور مقصد تک پہنچانے والے صحیح راستے کا انتخاب۔

- پھر اس راستے کے ذریعے اس منزل تک پہنچنے کے لیے کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

جب ہم اس طریق کار (اور معیار) کو اختیار کریں گے تو (اس سے) پتہ چلے گا کہ وہ منزل ومقصد یا منزلیں اور مقاصد صحیح اور قابل ستائش ہیں؛ اس لیے کہ یہ بات مستحسن ہے کہ انسان کی یہ خواہش ہو کہ وہ سب سے اچھا ہو اور لوگوں میں قابل قبول ہو، دوسروں کے سامنے اچھی شکل وصورت میں آئے اور اپنی خوش حالی کے لیے کوشاں رہے۔

مگر مذکورہ راستے جنھیں بعض لوگ مقصد تک رسائی کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں، یہ محض ان کا اپنا وہم وگمان ہے۔ پھر (منزل ومقصد کے حصول کا اصل اور صحیح) راستہ کیا ہے؟

(تو یاد رکھیں) وہ صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اللہ رب العزت پر ایمان (اور اس نورِ ایمان) سے نکلنے والے اخلاقِ حسنہ کا راستہ، یعنی مکارم اخلاق، اللہ کی خوشنودی اور دارِ آخرت کی کامیابی کے لیے عمل کا راستہ۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَٰلِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُۥ حَيَوٰةً طَيِّبَةً ۖ﴾ (۱۳) : ”جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے“۔

نیز ارشاد ہے: ﴿وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (۱۴) : ”اور لوگوں سے اچھی باتیں کہو“۔

﴿وَقُل لِّعِبَادِى يَقُولُوا۟ ٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ﴾ (۱۵) : ”اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں، کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے“۔

﴿وَٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمْ وَٱفْعَلُوا۟ ٱلْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (۱۶) : ”اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو اور نیک کام کرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ“۔

بلاشبہ! خیر کا راستہ وہی ہے جس کا وحی الٰہی کی نصوص وآیات حکم دیتی ہیں اور یہ (نصوص کا) واضح طور پر بیان کردہ خیر ہی اخلاق حمیدہ کا راستہ ہے؛ کیونکہ خیر کے افعال، مکارم اخلاق کی موجودگی

---

(۱۳) ۹۷ : النحل : ۱۶۔
(۱۴) ۸۳ : البقرۃ : ۲۔
(۱۵) ۵۳ : الاسراء : ۱۷۔
(۱۶) ۷۷ : الحج : ۲۲۔

کا پتہ دیتے ہیں اور مکارم اخلاق سے ہر شکل، ہر رنگ اور ہر میدان میں خیر کا صدور ہوتا ہے۔

جب اخلاق کا یہ مقام ہے اور انسان کی زندگی میں اس کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کا ٹھکانا جنت یا جہنم ہوگا، اس لیے میں نے اس موضوع کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور ہر عقل مند پر لازم ہے کہ اس پر پوری توجہ مبذول کرے اور اس کو خاص اہمیت دے۔

## ۵- وہ حقائق جن تک راقم اس (مطالعاتی) سفر میں پہنچا:

اس موضوع کے ساتھ اپنے (مطالعاتی) سفر کے دوران بندہ چند حقیقتوں اور صداقتوں تک پہنچا جن کو یہاں بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱- اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہونے کے لیے مجاہدۂ نفس بے حد ضروری ہے۔ لہذا جو یہ چاہتا ہے کہ اسے کامل و مکمل اخلاقِ فاضلہ، محنت و مشقت، مجاہدے اور قربانی کے بغیر ہی حاصل ہو جائیں، وہ کبھی بھی ان اخلاق فاضلہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ عربی کی کہاوت ہے: «لَوْلَا المَشَقَّةُ لَسَادَ النَّاسُ كُلُّهُمُو»: "اگر مشقت نہ ہوتی تو سبھی سردار بن جاتے"۔

۲- انسان کی عادت و طبیعت اور اس کے معمولات و متروکات کے تعلق سے نفس کی نگرانی کرنا اخلاقِ فاضلہ کے حصول میں بڑی اہمیت رکھتا ہے؛ اس لیے کہ نفس کو اس کے مزاج پر چھوڑ دینا اسے مکارم اخلاق سے دور لے جاتا ہے؛ بلکہ یہی اخلاق رذیلہ کا اصل راستہ ہے۔

۳- یہ بات مجھ پر بخوبی واضح ہوئی کہ اگر انسان اپنی غلطیوں کو شمار کرنا سیکھ لے، دل کی گہرائیوں سے ان کا اعتراف کرے، پھر ان کی اصلاح یا تلافی کی کوشش کرے تو یہ چیز اس کے لیے نفس کو اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ کرنے کا (اہم) ذریعہ ثابت ہوگی، جبکہ اس کے برعکس (اپنی غلطیوں کو نظر انداز کرنا، اور اصلاح و تلافی میں غفلت برتنا) اسے اخلاقِ ذمیمہ کا عادی بنا دے گا۔

۴- (مطالعہ و تحقیق سے) مجھ پر واضح ہوا کہ اخلاقِ فاضلہ کو برباد کرنے کے چند اہم اسباب یہ ہیں:

- فراغت و بے کاری۔
- لوگوں سے بہت زیادہ میل جول اور بری صحبت۔
- اخلاقِ فاضلہ سے خالی ماحول۔

- جہالت۔

جو شخص ان اسباب میں سے کسی بھی ایک سبب میں ملوث ہو گا، تو اسے چاہیے کہ وہ بس اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ (اپنی بربادی کا دوسرے کو الزام نہ دے)

۵- (نیز مطالعے سے) مجھ پر نفسیاتی اخلاق کی مختلف اقسام پر توجہ دینے کی اہمیت واضح ہوئی؛ کیونکہ انسان کے تمام تصرفات اور طور طریقوں پر ان ہی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان اخلاق میں سے چند یہ ہیں:

- امانت و دیانت۔
- سچائی۔
- عفت و پاکدامنی۔
- مروّت و انسانیت۔
- سنجیدگی و متانت۔
- شرعی نقطۂ نظر سے معاملات کے انجام پر غور و فکر۔ اور اسی قبیل سے اس زندگی میں ذمے داری کا احساس، اپنے قول و عمل، رائے اور عقیدے کے انجام کا پیشگی ادراک و احساس بھی ہے۔
- بردباری۔
- صبر و تحمل۔
- محسن کی احسان شناسی۔
- دوسروں کے اندر پائی جانے والی نیکی و بھلائی، فضل و کمال اور علم و تجربے کی قدر دانی۔

میں کہہ سکتا ہوں کہ اخلاقِ فاضلہ کے حصول کے لیے یہ لازمی، نفسیاتی بنیادیں ہیں۔ لہذا جو شخص اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہونے کی خواہش رکھتا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اوصاف کو اپنائے، ان کے مطابق نفس کی تہذیب و تربیت کرے اور ان اوصاف کے حوالے سے اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے۔

**۶- (مطالعے و تجربے سے) یہ بات بھی مجھ پر واضح ہوئی کہ محبت اور احترام کا باہمی تبادلہ،**

”مربی کی تربیت“ سے استفادے کی اہم شرط ہے۔ اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو اس کے لیے نہ تربیت مفید ہے اور نہ مربی۔

۷- مجھ پر یہ بات بھی عیاں ہوئی کہ ایسے معاشرے یا انسانوں میں کسی حکیم و دانا مربی کا وجود بالکل مفید نہیں، جو اس کی ان خوبیوں کی قدر نہ کریں یا وہ اسے اس نظریے سے ہی نہ دیکھیں کہ وہ مربی ہے۔ چنانچہ بہت سے علمائے ربانی ایسے (ناقدردان) لوگوں کے درمیان رہے، جنھوں نے ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، بس یہ ہوا کہ وہ ان لوگوں کے خلاف اللہ تعالی کی حجت بن گئے۔ جبکہ دوسری طرف بہت سے علمائے ربانی ایسے (قدردان) لوگوں کے درمیان رہے کہ وہ (قدر دان) لوگ ان علما کے ہاتھوں پر خود بھی علمائے ربانی بن گئے، بلکہ ایسی بھی مثالیں ہیں کہ لوگ دور دراز علاقوں میں رہنے والے علمائے ربانی اور مرشدان حقانی کے پاس سفر کر کے گئے، ان سے استفادہ کیا اور وطنی دوری کے باوجود ان کی سیرت حیات سے روشنی حاصل کی، جبکہ ان (علمائے ربانی) کے پاس رہنے والے (ناقدردان) لوگ محروم ہی رہے۔

۸- مجھے اجمالی اور تفصیلی ہر دو طرح یقین ہے کہ یہ دین اخلاقِ فاضلہ کا دین ہے اور ان اخلاق کا برحق دستور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ چنانچہ جو شخص غور وفکر سے قرآن کریم پڑھے، اس کو معلوم ہو گا کہ یہ اخلاق حمیدہ اور فضائل وکمالات کی کتاب ہے۔ اسی طرح جو آدمی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا مطالعہ کرے، اسے بھی معلوم ہو گا کہ جو خلقِ جمیل اور اچھی عادات کا طالب ہو، اسے نبیِ کریم ﷺ کی حدیث اور سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس طرح کی بہت سی چیزوں کی طرف تجربے نے، افعال میں خوب و ناخوب کی نظر نے، یا وحیِ الٰہی کی کسی نص میں غور وفکر نے رہنمائی کی ہے، جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں، ان میں سے بہت سی چیزیں ان شاءاللہ آئندہ صفحات میں آئیں گی۔ وَاللَّهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ.

* * *

# پہلی فصل

## اخلاق کا تعارف

مضامین:

۱- اخلاق کی تعریف۔

۲- اخلاق کے حصول کے طریقے۔

۳- اصلاح اخلاق کے لیے عام تربیتی بنیادیں اور اصول۔

۴- سلف صالحین کے اقوال وافعال کے ذریعے اخلاق کا تعارف۔

# اخلاق کا تعارف

## ۱-اخلاق کی تعریف:

لوگوں میں اخلاق کے حوالے سے جو متعدد افکار وخیالات اور تعریفیں رائج ہیں، وہ (سب کی سب) درست نہیں ہیں، (ان میں سے) اخلاق کی صحیح تعریف وہ ہے، جو سید شریف علی بن محمد جرجانی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، جس پر قرآن وحدیث کی نصوص شاہد ہیں اور امر واقعہ بھی اس کی تائید کرتا ہے، وہ تعریف یہ ہے:

> ”اخلاق نفس کی اس اندرونی پختہ و مستحکم کیفیت وحالت کا نام ہے، جس کے سبب اعمال وافعال بغیر غور وفکر اور سوچ بچار کے آسانی وسہولت سے صادر ہوں۔ اگر یہ کیفیت وحالت اس طرح کی ہو کہ اس سے عقلاً وشرعاً اچھے کام آسانی سے صادر ہونے لگیں تو اس حالت ومزاج کو ”خلق حسن“ کہا جائے گا اور اگر اس سے برے کام سرزد ہوں تو اس حالت ومزاج کو ”خلق بد“ کہا جائے گا“۔

میں نے نفس کی ایسی حالت وکیفیت کے راسخ وپختہ ہونے کی بات اس لیے کہی ہے کہ -مثال کے طور پر- اگر کسی شخص سے عارضی طور پر کبھی کبھار سخاوت کا صدور ہو جائے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ ”سخاوت“ اس کا اخلاق ہے، جب تک کہ یہ صفت اس کے اندر جاگزیں نہ ہو جائے۔

اسی طرح جو شخص غصے کے وقت زبردستی یا غور وفکر کرکے خاموش رہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ ”حلم وبردباری“ اس کا اخلاق ہے۔

اخلاق (ایک ملکہ اور امتیازی خصوصیت وعادت کا نام ہے) بالفعل کسی عمل کے کرنے کا نام نہیں ہے، مثلاً: سخاوت کسی کا اخلاق ہوتا ہے، مگر وہ مال نہ ہونے یا کسی دوسرے مانع اور رکاوٹ کے سبب خرچ نہیں کرپاتا۔ اسی طرح کبھی بخل کسی کا اخلاق ہوتا ہے، مگر دکھاوے یا کسی اور سبب سے وہ مال خرچ کردیتا ہے(۱۷)۔

---

(۱۷) التعريفات، للجرجانيّ: ص۱۰۱.

یہ تعریف نبیٔ کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ہم آہنگ ہے: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّـيَّاتِ...» (۱۸) -بیشک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

نیز یہ تعریف آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے بھی موافق ہے جو آپ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا تھا جو مسلمانوں کے ساتھ مل کر بڑی جواں مردی سے لڑرہا تھا کہ وہ "جہنمی" ہے؛ کیونکہ جنگ سے اس شخص کا مقصد اللہ کی رضامندی نہیں تھی۔ اسی طرح بہت سی نصوص ہیں جو منافقین اور ریاکاروں کے اعمال کے غیر مقبول ہونے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

اخلاق کی صحیح تعریف سے واقفیت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اخلاق کو سدھارنے میں اس کا لحاظ رکھے؛ اس لیے محض اپنے ظاہری اعمال کی اصلاح پر اکتفانہ کرے؛ بلکہ ان اندرونی اسباب و محرکات کی اصلاح کے تئیں بھی اسے اطمینان ہو جن سے اعمال وجود میں آتے ہیں۔

## ۲- اخلاق کے حصول کے طریقے:

اخلاقِ حمیدہ کے حصول کے طریقوں سے واقفیت کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان ان کو نتیجہ خیز بنا کر ان سے استفادہ کرے اور ان طریقوں کے ذریعے اخلاق حمیدہ کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی امکان بھر کوشش کرے۔

اخلاقِ حمیدہ کے حصول کے لیے درج ذیل طریقے زیادہ اہم ہیں:

۱- معاملات کے شرعی احکام کا علم حاصل کرنا، نیز اخلاق کے احکام کا علم حاصل کرنا، فرض کی فرضیت اور حرام چیزوں کی حرمت کا استحضار رکھنا؛ کیونکہ یہ اخلاق تک پہنچنے کا سب سے اہم ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

۲- عملی مشق اور نفسیاتی ریاضت و مجاہدہ (۱۹)۔

۳- صالح ماحول میں زندگی بسر کرنا۔

۴- اسوۂ حسنہ (قابل اتباع مثالی نمونے) کا سامنے ہونا۔

---

(۱۸) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱، و۵۴، و۲۵۲۹، اور دوسری جگہوں پر، اور مسلم شریف، کتاب الإمارة، حدیث نمبر: ۱۵۵ (۱۹۰۷)، بروایت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ.

(۱۹) ۲ سے ۶ تک کے اصول شیخ عبد الرحمن حَبَنَّکَہ نے اپنی کتاب: «الأخلاق الإسلامية وأسسها»: ۱/۱۹۶-۳۱۰ پر بعنوان "وسائل اكتساب الأخلاق" ذکر کیے ہیں اور مناسب شرح بھی کی ہے۔

۵- مسلم معاشرے کی طرف سے سماجی دباؤ۔

۶- مسلم حکومت کا اقتدار اور اس کا رعب (اور ڈر خوف)۔

۷- اخلاقی اصول و ضوابط، اخلاقِ فاضلہ اور اس کی تحصیل کی اہمیت، اس کے وسائل و اسباب کو جاننا اور ان سب چیزوں سے دوسروں کو روشناس کرانا۔

۸- مربی حضرات کی تربیت میں رہنا، ان کی خوبیوں اور مکارمِ اخلاق کو حاصل کرنا۔

۹- کسی نیک، خیر خواہ اور صاحبِ اخلاقِ حمیدہ شخص کو دوست بنانا، جو اسے عملی و اخلاقی لغزشوں پر متنبہ کرتا رہے اور اصلاحِ نفس میں بھی اس کی مدد کرے۔

## ۳- اصلاحِ اخلاق کے لیے عام تربیتی بنیادیں اور اصول:

درج ذیل تربیتی بنیادیں اور اصول اصلاح اخلاق کے حوالے سے سب سے اہم ہیں(۲۰):

۱- تربیتی عمل میں بتدریج آگے بڑھنا؛ کیونکہ تربیت یک لخت تبدیلیٔ حال کا نام نہیں ہے۔

۲- ہر ایک کی طبیعت و مزاج کے مناسب تربیتی وسائل سے کام لینا، ہر ایک نفسیاتی حالت کے لیے اسی کے مناسب معاملہ کرنا؛ کیونکہ لوگوں کی طبیعت و مزاج اور ان کی نفسیاتی کیفیات مختلف ہوتی ہیں؛ اس لیے طریقۂ تربیت اور اس سے کام لینے میں اس چیز کا لحاظ ضروری ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے "غزوۂ حنین" کے مالِ غنیمت میں سے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ کو نہیں دیا، آپ کا یہ عمل اسی اصول کی بنا پر تھا۔

۳- تربیتی رہنمائی کے لیے مناسب مواقع کی تلاش و جستجو میں رہنا۔

۴- پودے کی طرح اپنی دیکھ بھال کرنا۔ چنانچہ اگر درخت کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ بے ہنگم انداز میں بڑھے گا، جبکہ اس کے بر خلاف اگر اسے مسلسل پانی دیا جائے اور اس کی تراش خراش کی جائے، تو وہ بالکل الگ طرح سے پروان چڑھے گا۔ اسی طرح انسانی طبائع کو بھی اسی قسم کی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ غیر منظم اور بے ہودہ انداز میں پرورش نہ پائیں۔

۵- رہنمائی کرنا اور رخ تبدیل کرنا، اس سے مراد ہے انسانی طبائع کی خیر کی طرف رہنمائی کرنا اور اس کی طرف رخ تبدیل کرنا، نہ کہ ان کا خاتمہ کرنا (کیونکہ ان کی طبیعت و مزاج کو ختم نہیں کیا

---

(۲۰) ملاحظہ ہو کتاب سابق: عبد الرحمن حَبَنَّکہ: ۱/۱۸۴-۱۹۶۔

جاسکتا ہے، ہاں ان کا رخ تبدیل کیا جاسکتا ہے)۔

۶- جذبۂ عمل کو بڑھانا، یہ بھی رہنمائی اور رخ تبدیل کرنے کی ایک قسم ہے، اس کا مقصد ہے انسانی امنگوں کو معمولی اور حقیر چیزوں سے ہٹا کر ان بلند چیزوں کی طرف لے جانا، جن میں اس کے لیے دنیا و آخرت کی سعادت اور خوش حالی پوشیدہ ہو۔

۷- عادت کی مخالفت اور نفس کشی، اس کی صورت یہ ہے کہ مطلوبہ عادت پر نفس کی تربیت کر کے غیر مناسب عادت اور بُری طبیعت کے مخالف و مقابل کسی شے کو اس کی طبیعت و مزاج میں داخل کرنا۔

۸- ذاتی محرک اور رجحان پیدا کرنا، جو انسان کو مکارم اخلاق سے آراستہ ہونے کے لیے آمادہ کرے۔

**ذاتی محرک اور رجحان پیدا کرنے کے متعدد طریقے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں :**

۱- اللہ پر، یوم آخرت پر اور تقدیر الٰہی پر ایمان کو مضبوط کرنا۔

۲- شرعی احکام کو سمجھنا، ان کو اللہ کے احکام تسلیم کرنا اور ان کی اتباع و مخالفت کے انجام یعنی جنت و دوزخ پر نگاہ رکھنا۔

۳- فکری و ذہنی طور پر مطمئن کرنا۔

۴- ترغیب و ترہیب کی راہ اختیار کرنا۔

۵- اخلاقی شعور و وجدان کی تربیت کرنا۔

مذکورہ طریقوں میں سے چند کو اختیار کر لینا حصول مقصود کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ ان سبھی باتوں کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

اب آپ کی خدمت میں اخلاق کے موضوع پر سلف صالحین کے ارشادات کے مختصر اقتباسات اور ان کی زندگی کے نمونے پیش ہیں :

## ۴- سلف صالحین کے اقوال و افعال کے ذریعے اخلاق کا تعارف :

اخلاق کے سلسلے میں سلف صالحین کے اقوال و افعال اور طرزِ زندگی پر لکھنے کا میدان بڑا وسیع ہے، انھوں نے اخلاق حمیدہ کی مدح سرائی کی اور ان کی پابندی کی، اخلاق ذمیمہ کی مذمت بیان کی اور ان سے پرہیز کیا۔ یہاں ان کی بابت سیر حاصل بحث کرنا ممکن نہیں، بس کچھ قیمتی جواہر پارے پیش

ہیں، جو سینے میں دل رکھنے والے اور حضور قلب سے سننے والے کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہیں۔

ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

## الف-اخلاق پر سلف صالحین کے اقوال:

ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«إنْ نُؤَبَّنْ (أي نُتَّهَمْ) بما ليسَ فِيْنَا فَطَالَـمَا زُكِّينَا بِمَا لَيسَ فِيْنَا»(۲۱): اگر ہم پر کسی ایسی برائی کی تہمت لگائی گئی ہے جو ہمارے اندر نہیں ہے تو (کیا مضائقہ ہے)؟ کتنی ہی مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ ہماری ایسی باتوں پر خوب تعریف اور مدح سرائی کی گئی ہے جو ہمارے اندر نہیں ہیں۔

یہ بات انھوں نے اس وقت کہی، جب ان سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے خلیفہ عبد الملک بن مروان کے دربار میں آپ کی بُرائی کی ہے۔

اور محدث یحيی بن ابو کثیر نے فرمایا: ”جو کام چغل خور ایک لمحے میں کر ڈالتا ہے، وہ جادوگر ایک ماہ میں بھی نہیں کر سکتا“(۲۲)۔

زبیر بن عبد الواحد نے فرمایا: میں نے بنان رحمہ اللہ سے سنا کہ ”آزاد آدمی اگر لالچی ہو تو وہ آزاد ہو کر بھی غلام ہے اور غلام اگر قناعت پسند ہو تو وہ غلام رہتے ہوئے بھی آزاد ہے“(۲۳)۔

امام ابن حبَّان رحمہ اللہ نے فرمایا: ”کچھ لوگ اپنے باپ سے زیادہ کریم النفس ہوتے ہیں، جبکہ بسا اوقات باپ بیٹے سے زیادہ شریف ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض دفعہ غلام اپنے آقا سے اور آقا اپنے غلام سے زیادہ کریم و شریف النفس ہوتا ہے“(۲۴)۔

قاضی ابو بکر ابن العربی نے رحلت و سفر کے معانی میں سے ایک معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> ”تم میں سے جس کسی کے لیے جسمانی سفر کرنا دشوار ہو تو وہ اپنے دل کے ساتھ اللہ تعالی کی طرف سفر کرے۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ سفر اپنی ظاہری صورت میں فائدہ دیتا

---

(۲۱) روضۃ العقلاء، حافظ ابن حبان: ص ۱۷۸.

(۲۲) روضۃ العقلاء، حافظ ابن حبان: ص ۱۷۹.

(۲۳) تہذیب سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ص ۱۰۵۶.

(۲۴) روضۃ العقلاء، حافظ ابن حبان: ص ۱۷۵.

ہے، چنانچہ کتنے ہی ایسے ہیں جنھوں نے پڑھنے کے لیے سفر تو کیا، مگر گویا انھوں نے پڑھا نہیں، روایت تو کی، مگر سمجھا نہیں اور انھیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیسا ہے اور کہاں ہے (یعنی گوہر مقصود کیا ہے)؟ اور اس طرح انھوں نے بھاری خسارہ اٹھایا۔

لہٰذا تم خواہشات نفس کی دنیا سے طاعات وعبادات کی دنیا کا سفر کرو اور محسوسات سے معقولات کی دنیا کا گشت کرو، مگر سامانِ سفر دیکھ لینا اس لیے کہ اس کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ سفر کے لیے کوئی رہنما اور رہبر بھی چاہیے اور وہ علم ہے جس کے بغیر گزارا نہیں۔ پس جس کو اچھا معلّم مل جائے تو وہ بڑی نعمت ہے، وہ اسے صحیح راستہ دکھائے گا، دلیل فراہم کرے گا، نیز بدعت وعبث کام سے اس کو بچائے گا،“[٢٥]۔

قاضی ابو بکر ابن العربی نے مزید فرمایا:

”اما بعد: طلب علم کی راہ پر گامزن لوگ بہت ہیں، مگر ان میں گوہر مطلوب سے بہرہ ور اور کامیاب بہت تھوڑے ہیں، کسی بھی معاملے کا حق ادا نہ کرنا بڑی مصیبت اور بڑی تکلیف کی بات ہے، کتنے ہیں جو میدان عرفات میں رہتے ہوئے بھی معرفتِ رب سے خالی ہیں اور کتنے ہیں جو ”مِنٰی“ میں فروکش ہوتے ہیں، مگر ان کی کوئی ”مُنٰی“ یعنی آرزو بر نہیں آتی، کتنے ہی اہل علم نے بغداد کو خیر باد کہا، مگر وہ زادِ علم اور تقوے سے تہی دامن رہے، مرادیں سب ہی پانا چاہتے ہیں، مگر نا مراد رہتے ہیں، منزل مقصود کا ارادہ رکھتے ہیں، مگر وہاں پہنچ نہیں پاتے۔ چنانچہ وطن کو خیر باد کہہ کر حالت سفر میں رہتے اور اقامت گزیں بھی ہوتے ہیں اور اپنے خیال میں وطن بنانے کے لیے محنت بھی کرتے رہتے ہیں، مگر یہ نہیں جان پاتے کہ مقصد کیسے اور کہاں سے حاصل ہوا کرتا ہے؟ یہاں تک کہ وہ مایوس ونامراد خالی ہاتھ بہت کچھ کھو کر اپنی سابقہ جگہ پر لوٹ آتے ہیں“[٢٦]۔

علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ کے اخلاق کے بارے میں چند بے مثال اقوال ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

- اپنی جان نہ کھپاؤ، مگر اس چیز میں جو اس سے بھی گراں بہا ہو اور ظاہر ہے وہ صرف اللہ تعالی کی ذات ہے۔ یعنی:

---

(۲۵) قانون التأویل، ابن العربی مالکیؒ: ص ۶۴۵-۶۴۶.

(۲۶) قانون التأویل، ابن العربي مالكيؒ: ص ۶۴۵-۶۴۶. حاشیہ، (شواهد الجِلَّة، لابن العربيّ) سے منقول۔

- حق کی دعوت میں۔
- ناموس کی حفاظت میں (یعنی اپنی ازواج و محارم کی حفاظت میں)۔
- اس ذلت کو دور کرنے میں جو خالق تعالی نے تمھارے لیے مقدر نہیں کی (یعنی وہ ذلت کسی گناہ کی پاداش میں تم پر نہ آئی ہو)۔
- مظلوم کی نصرت و حمایت میں۔
- سامانِ دنیا کی خاطر اپنے نفس کی بازی لگانے والا ایسا ہے، جیسے کنکر کے بدلے ”یاقوت“ بیچنے والا۔
- جس کے پاس دین نہیں، اس کے اندر انسانیت و مروت بھی نہیں۔
- عقل مند انسان اپنے نفس کی قیمت صرف ”جنت“ کو ہی سمجھتا ہے(۲۷)۔
- فضائل ورذائل اور طاعات و معاصی کا ظہور نفس انسانی کے کسی ایک سے ”انسیت“ اور دوسرے سے ”نفرت“ کے نتیجے میں ہوتا ہے(۲۸)۔
- اگر تم دنیا کے اوقات وازمنہ کی تحقیق کروگے، تو صرف زمانۂ حال کو پاؤگے جو ماضی وحال کے درمیان حد فاصل ہے، ماضی اور مستقبل کا زمانہ معدوم کے درجے میں ہے گویا وہ سرے سے ہے ہی نہیں، تو پھر بھلا اس شخص سے زیادہ گمراہ اور بے وقوف کون ہوگا جو قائم ودائم رہنے والی مدت (آخرت) کو اس مدت (دنیوی) کے عوض فروخت کردے جو آنکھ جھپکنے کی مدت سے بھی کم ہے؟!(۲۹)۔
- ابلیس کے شکار لوگوں کے سب سے بڑے حیلے بہانے اور حماقت وقباحت میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے دو جملے ہیں، جنھیں ابلیس اپنے چیلوں کی زبانوں سے کہلواتا ہے:

۱- برائی کرنے والا یہ عذر پیش کرے کہ اس سے پہلے فلاں نے بھی برائی کی ہے۔

۲- انسان آج برائی کرنے کو اس وجہ سے آسان سمجھے کہ اسے کل بھی کرچکا ہے، یا کسی کے

---

(۲۷) الأخلاق والسير.. : ص۱۶.

(۲۸) الأخلاق والسير.. : ص۱۸.

(۲۹) الأخلاق والسير.. : ص۲۰.

ساتھ اس وجہ سے بد تمیزی کرے؛ کہ وہ بھی دوسرے سے کر چکا ہے۔

یہ دونوں جملے برائی کو جواز فراہم کرتے اور اسے آسان بنا دیتے ہیں، اور اس کو ایسے دائرے میں داخل کر دیتے ہیں، جہاں وہ برائی کے بجائے اچھائی اور خوشگوار عمل بن جاتی ہے(۳۰)۔

- ایک گھنٹے کی غفلت ایک سال کی ریاضت کو برباد کر دیتی ہے(۳۱)۔
- جس نے برائی پر تمھاری سرزنش کی، اس نے تمھیں زندگی بخشی اور تمھاری حفاظت کی اور جو تمھاری برائیوں کو ہلکا سمجھے، اس سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ دوست کی سرزنش "سونے کے قالب" کو ڈھالنے کی مانند ہے یا تو وہ (خالص ہونے کی وجہ سے) صاف ہو جائے گا یا (کھوٹ زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ) اڑ جائے گا(۳۲)۔
- اپنے دوست سے ایسی بات نقل مت کرو، جس سے اس کو تکلیف پہنچے اور جس کے جاننے سے اسے کوئی فائدہ نہ ہو؛ کہ ایسا کرنا رذیل لوگوں کا کام ہے۔
- اسی طرح اس سے ایسی بات نہ چھپاؤ جس کو نہ جاننے سے اس کو نقصان ہو؛ کہ یہ بُروں کا کام ہے۔
- تمھیں اس چیز کی تعریف سے خوشی نہیں ہونی چاہیے جو تمھارے اندر نہ ہو؛ بلکہ اس سے تمھیں رنج و غم ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ وہ تو نقص ہے جس سے لوگ تمھیں متنبہ کر رہے ہیں اور تمھیں سنا رہے ہیں۔ (لوگوں کا تم میں غیر موجود خوبی پر تمھاری تعریف کرنا درحقیقت) تمھارا "مذاق واستہزا" ہے جس سے صرف احمق اور کم عقل شخص ہی راضی اور خوش ہو سکتا ہے(۳۳)۔
- جھوٹ سے زیادہ بُری کوئی چیز نہیں ہے، اس عیب (جھوٹ) کے بارے میں ذرا سوچ کر دیکھو کہ "کفر" (جیسا ناقابل معافی جرم) بھی اس کی ایک قسم ہے؟ معلوم رہے کہ ہر

---

(۳۰) الأخلاق والسير.. : ص۳۱.

(۳۱) الأخلاق والسير.. : ص۳۳.

(۳۲) الأخلاق والسير.. : ص۴۰.

(۳۳) الأخلاق والسير.. : ص۴۷.

کفر کذب و جھوٹ ہے؛ کیونکہ کذب ایک ”جنس“ (اور عام مفہوم) ہے اور کفر اس کے تحت ایک ”نوع“ (اور خاص مفہوم کا نام) ہے(۳۴)۔

- میں نے لوگوں کو ان کی ”گفتگو“ سے جاننا چاہا– اور یہ گفتگو ہی انسانوں، گدھوں، کتّوں اور حشرات الارض کے درمیان حد فاصل (اور بنیادی فرق) ہے– تو میں نے پایا کہ ان کی تین قسمیں ہیں:

۱- ایک وہ شخص جسے کچھ پروا نہ ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ لہٰذا حق کی تائید اور باطل پر نکیر سے گریز کرتے ہوئے اس کی زبان پر جو کچھ آتا ہے اسے کہہ گزرتا ہے، یہی قسم لوگوں میں غالب ہے۔

۲- ایک وہ شخص ہے جو کسی ایسی چیز کی حمایت میں زبان کھولتا ہے جس کے متعلق اس کا گمان ہوتا ہے کہ وہ حق ہے اور ایسی چیز کو رد کرنے کے لیے کلام کرتا ہے جس کے متعلق اس کا خیال ہوتا ہے کہ وہ باطل ہے، لیکن اصل حقیقت کیا ہے وہ اس کی تحقیق و جستجو میں نہیں پڑتا؛ بلکہ وہ اپنے خود ساختہ اصول پر اصرار کی وجہ سے ایسا کرتا ہے، اس طرح کے لوگ بھی بہت ہیں، مگر پہلی قسم کے لوگوں سے کم۔

۳- موقع و محل کے مناسب بات کرنے والے، یہ لوگ ”کبریتِ احمر“ سے زیادہ نایاب ہیں(۳۵)۔

- جو شخص عجب اور خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہو، اسے اپنے عیوب پر غور کرنا چاہیے۔ اگر وہ اپنے محاسن و کمالات کے متعلق خود پسندی میں مبتلا ہو، تو اسے ان رذیل و حقیر اخلاق و عادات کی جستجو کرنی چاہیے جو اس کے اندر ہیں۔

اگر اس کے جملہ عیوب اس پر مخفی رہیں یہاں تک کہ وہ اپنے کو بے عیب سمجھنے لگے، تو اسے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی مصیبت (اور اس کا عیب) دائمی ہے (ختم ہونے والا نہیں ہے) اور یہ کہ وہ انسانوں میں نقص کے اعتبار سے سب سے بڑھا ہوا، عیوب میں سب سے زیادہ مبتلا اور عقل و تمیز میں سب سے گیا گزرا اور کمزور شخصیت کا مالک ہے۔

اس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ کم عقل اور جاہل ہے اور ان دونوں سے زیادہ بڑا کوئی عیب نہیں؛ کیونکہ عقل مند انسان ہی اپنے نفس کے عیوب کو پہچان کر ان پر غلبہ پانے اور ان کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

---

(۳۴) الأخلاق والسير.. : ص٦١.

(۳۵) الأخلاق والسير.. : ص٦١.

وہ شخص احمق ہے جو اپنے نفس کے عیوب سے غافل و جاہل رہتا ہے یا تو کم علمی، قلتِ تمیز وشناخت اور غور وفکر کی کمزوری کے باعث یا اس وجہ سے کہ وہ اپنے عیوب کو قابلِ تعریف صفات باور کرتا ہے۔ اور یہ روئے زمین کا سب سے بڑا عیب ہے۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو زنا، لواطت، چوری اور ظلم وجور (جیسے کرتوتوں) پر فخر کرتے ہیں اور ان ناپاک حرکتوں کو اپنا کارنامہ تصور کرتے ہیں (٣٦) اور ان رسوا کن کرتوتوں کو کر گزرنے کی طاقت پر اتراتے ہیں۔

- خلاصہ یہ کہ انسان جتنا ”کم عقل“ ہوتا ہے اپنے آپ کو وہ اتنا ہی ”زیادہ عقل مند“ سمجھتا ہے...! (٣٧)۔
- جو شخص عدل وانصاف سے کام لینا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ خود کو اپنے مخالف کی جگہ رکھ کر اپنا جائزہ لے، ایسی صورت میں اسے اپنے مخالف کے تئیں غیر منصفانہ رویہ اختیار کرنے کی وجہ سمجھ میں آجائے گی۔
- نفاق اور دوغلاپن لوگوں پر چھایا ہوا ہے، مگر حیرت اس پر ہے کہ لوگوں کے یہاں وہی شخص شہرت وترقی پاتا ہے جو منافقت سے کام لیتا ہو...! (٣٨)۔
- (مخاطب کے بارے میں) زیادہ شک وشبہ میں مبتلا رہنا انسان کو جھوٹ سکھاتا ہے؛ تاکہ وہ ضرورت پڑنے پر معذرت کے لیے اس کا سہارا لے سکے۔ ایسی صورت میں وہ دروغ گوئی کا عادی ہوجاتا ہے اور اسے یہ بہت آسان لگنے لگتا ہے (٣٩)۔

## ب- اخلاق کے متعلق سلف صالحین کا طرز عمل :

- اخلاق کے متعلق اسلاف کا طرزِ عمل اور رویّہ مختلف رہا ہے، ان رویّوں میں ہمارے لیے بہت سے لطائف، نصیحتیں اور عبرتیں ہیں جن میں سے کچھ کا ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے :
- امام علی بن مدینی کا بیان ہے کہ ”میں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے سنا، وہ فرمارہے تھے کہ ابن عیاش منتوف، ”عمر بن ذر“ کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ چنانچہ عمر بن ذر نے ان سے

---

(٣٦) الأخلاق والسير.. : ص٦٦.

(٣٧) الأخلاق والسير.. : ص٧٧.

(٣٨) الأخلاق والسير.. : ص٨٢.

(٣٩) الأخلاق والسير.. : ص٨٣.

ملاقات کی اور فرمایا بھائی! مجھے سبّ و شتم کرنے میں غلو نہ کرو اور صلح کی گنجائش باقی رکھو، اس لیے کہ جو شخص ہمارے معاملے میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو ہم اس کو اس سے زیادہ صلہ نہیں دیتے کہ اس کے معاملے میں اللہ کی فرماں برداری کریں"(۴۰)۔

- ایک شخص نے مشہور فقیہ و محدث سفیان ثوری رحمہ اللہ سے "پہلی صف" میں نماز کی فضیلت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ سوچو کہ روٹی کا یہ ٹکڑا جسے تم کھا رہے ہو، کہاں سے آیا؟ پھر چاہے آخری صف میں نماز پڑھ لو(۴۱)۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دیکھو تمھارا رزق حرام ہے یا حلال؟۔
- ایک رات سفیان ثوری رحمہ اللہ نے شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیا تو کہنے لگے: گدھے کو جب چارہ زیادہ دیا جاتا ہے تو اس سے کام بھی زیادہ لیا جاتا ہے، چنانچہ وہ اُس رات صبح تک نماز پڑھتے رہے!(۴۲)۔
- (عباسی خلیفہ) منتصر باللہ نے اَبُو الْعَمَرَّدْ الشَّارِي کو معاف کرتے ہوئے کہا:
- دوسرے کو معاف کرنے کی لذت انتقام لے کر دل ٹھنڈا کرنے کی لذت سے زیادہ ہے اور قوی کا کمزور پر قابو پانے کے بعد انتقام لینا انتہائی برا فعل ہے(۴۳)۔
- عبد الجلیل بن حسن سے منقول ہے کہ ابو عاصم کی مجلس میں احمد بن معذّل بھی تھے۔ ابو عاصم، احمد بن معذّل کو شرمندہ کرنے کے مقصد سے مذاق کرنے لگے، اس پر احمد بن معذّل نے کہا ابو عاصم! اللہ نے آپ کو سنجیدہ پیدا کیا ہے، اس لیے آپ مذاق نہ کریں کہ مذاق کرنے والا جاہل گنوار ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿قَالُوٓاْ أَتَتَّخِذُنَا هُزُوٗاۖ قَالَ أَعُوذُ بِٱللَّهِ أَنۡ أَكُونَ مِنَ ٱلۡجَٰهِلِينَ﴾(۴۴):

---

(۴۰) تہذیب سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ص ۵۴۹.

(۴۱) سنن بیہقی، شعب الایمان، ۵/ ۶۱، حدیث نمبر: ۵۷۷۷، نیز حلیۃ الاولیاء ۷/ ۶۸۔ اس بات سے ان کی مراد پہلی صف سے بیزار کرنا اور اس کی اہمیت کم کرنا نہیں ہے، بلکہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ: سب سے پہلے انسان اپنی کمائی اور کھانے پینے میں حلال و حرام کی فکر کرے۔

(۴۲) مقدمۃ الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم: ص ۸۵-۸۶، اور ۹۶.

(۴۳) تہذیب سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ص ۸۶۷.

(۴۴) ٦٧ : البقرة : ٢.

”انھوں (بنی اسرائیل) نے کہا : کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ تعالی کی پناہ پکڑتا ہوں“۔

اس پر ابو عاصم شرمندہ ہوگئے اور اس کے بعد سے احمد بن معذل کو اپنے پہلو میں بٹھانے لگے(۴۵)۔

- حسن بن حسن اور ان کے چچازاد بھائی علی بن حسین کے درمیان کچھ اَن بن ہوگئی، تو حسن نے علی کو بہت کچھ کہہ ڈالا، جبکہ علی بن حسین بالکل خاموش رہے، پھر حسن اپنے گھر چلے گئے۔ جب رات ہوئی تو علی بن حسین ان کے گھر گئے، حسن نکل کر باہر آئے تو اُن سے علی بن حسین نے کہا : بھائی! اگر تم نے سچ کہا ہو تو اللہ تعالی میری مغفرت کرے اور اگر تم نے جھوٹ کہا تو اللہ تعالی تمھاری مغفرت کرے۔ اتنا کہا اور السلام علیک کہہ کر لوٹنے لگے، تو ”حسن بن حسن“ ان سے چمٹ کر رونے لگے یہاں تک کہ علی بن حسین کو رحم آنے لگا(۴۶)۔

ابو الملیح کا بیان ہے کہ ایک شخص ”میمون بن مہران“ کی خدمت میں ان کی صاحبزادی کا پیغام نکاح لے کر آیا۔ انھوں نے فرمایا : میں اس کو تمھارے لیے پسند نہیں کرتا، اس نے پوچھا کیوں؟ فرمایا : اس لیے کہ اسے زیورات اور جوڑے پسند ہیں۔ اس نے کہا : میرے پاس اس کی پسند کی ہر چیز ہے، فرمایا : اب مجھے تم اس کے لیے پسند نہیں(۴۷)۔

اخلاق کے متعلق اسلاف کی زندگی کے بہت سے واقعات ہیں : اخلاقِ حمیدہ کے تعلق سے بھی اور اخلاقِ ذمیمہ کے تعلق سے بھی، قول کے لحاظ سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی، مگر ان سب کو یہاں نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے؟۔

فللهِ الحمد أوَّلًا وآخرًا-

* * *

---

(۴۵) تہذیب سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ص ۸۵۲.

(۴۶) تہذیب سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ص ۴۰۷-۴۰۸.

(۴۷) تہذیب سیر اعلام النبلاء، ذہبی: ص ۴۷۰.

# دوسری فصل

## کتاب وسنت میں اخلاق کے اصول وقواعد

تمہید۔

**پہلی بحث:** اخلاقی اصول وقواعد کی ترجمان آیات۔

**دوسری بحث:** اخلاقی اصول وقواعد کی ترجمان احادیث۔

# تمہید

قرآن کریم کی تمام تر آیات اور نبیٔ اکرم ﷺ کی جملہ احادیث اخلاق ہی سے تعلق رکھتی ہیں، خواہ ان کا تعلق اصول وکلیات سے ہو یا فروع وجزئیات سے، عقیدے سے ہو یا شریعت سے اور خواہ وہ خالق کے ساتھ معاملے سے تعلق رکھتی ہوں یا مخلوق کے معاملے سے، یا پھر انسان کی اپنی ذات سے، یہاں تک کہ شرعی حدود کے نفاذ میں بھی اخلاق حمیدہ کی رعایت ملحوظ ہے، حد یہ ہے کہ قتل اور ذبح میں بھی۔ چنانچہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ؛ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ» (۴۸): اللہ تعالی نے ہر عمل اچھی طرح کرنے کو فرض قرار دیا ہے۔ لہٰذا جب تم (قصاص وغیرہ میں) قتل کرو تو بہتر طریقے سے کرو اور جب ذبح کرو تو بہتر طریقے سے کرو اور تمھیں اپنی چھری تیز کرلینی چاہیے اور اپنے ذبیحے کو راحت دینی چاہیے۔

بنابریں کوئی شخص خواہ کتنی ہی محنت کرلے، وہ اخلاق کے سلسلے میں وارد کتاب وسنت کی نصوص کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ خود میں نے ایک مرتبہ اخلاق سے متعلق احادیث کو یکجا کرنے کی کوشش کی، لیکن چند قدم چلنے کے بعد طے کیا کہ اس کو روک دینا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ مجھے بخوبی معلوم ہو گیا کہ یہ صرف تفقہ، تفکر وتدبر کا موضوع ہے۔ بسا اوقات ایک حدیث کسی کی نگاہ سے گزرتی ہے، مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا بھی اخلاق سے کوئی تعلق ہے، جبکہ اس کا اخلاق سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔

ہمیں بھی اس قسم کے تفقہ کی ضرورت ہے جس قسم کے تفقہ کا ثبوت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب جامع "صحیح بخاری" میں دیا ہے۔ اس کی روشنی میں ہم کتاب وسنت کی نصوص پر غور وفکر کریں، انھیں کماحقہ سمجھیں، پھر ان کا اتباع کریں۔

---

(۴۸) مسلم شريف، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، حديث نمبر: ۵۷ (۱۹۵۵)، بروایت: ابو یعلی شداد بن اوس ؓ، ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔

اخلاق کے سلسلے میں آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی نورِ ہدایت کے اصول و قواعد کے درجے میں ہیں، انتظار ایسے باتوفیق انسان کا ہے جو صحیح تفقہ کے ساتھ ان کا استخراج کرے، ان کی درجہ بندی کرے اور ان میں پوشیدہ ہدایت کو اجاگر کرے؛ تاکہ لوگوں کو ان سے بصیرت حاصل ہو۔

ان صفحات میں احقر نے اخلاق کے اصول و قواعد سے براہ راست تعلق رکھنے والی آیات واحادیث میں سے چند ایک کا ذکر کیا ہے، جن سے کسی کو مفر نہیں، ان میں بھی صرف اسی حصے پر اکتفا کیا ہے، جس کا زیر بحث موضوع سے تعلق ہے۔

* * *

# پہلی بحث

## اخلاقی اصول و قواعد کی ترجمان آیات

چونکہ قرآن کی تمام تر نصوص کا تعلق قابلِ تعریف اخلاق کی تحسین اور قابل مذمت اخلاق کی بُرائی سے ہے، اس لیے زیر نظر موضوع سے متعلق ان آیات کا احاطہ کرنا ممکن نہیں، بنابریں ذیل میں بطور نمونہ چند آیات پیش کی جارہی ہیں:

❀ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿ هَلْ جَزَآءُ ٱلْإِحْسَٰنِ إِلَّا ٱلْإِحْسَٰنُ ﴾(۴۹)؟!: اچھائی کا بدلہ اچھائی کے سوا اور کیا ہے؟!۔

یہ باہمی معاملے کے متعلق نہایت اہم، عمومی، ٹھوس اور شرعی ضابطہ اور بنیاد ہے جس پر اللہ اور مخلوق کے مابین معاملے کا مدار ہے۔ اور یہ خود مخلوق کے درمیان بھی باہمی معاملے کی بنیاد ہے بلکہ یہ ہر ایک چیز کے متعلق ایک عام ضابطے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر لوگ اس کی پابندی کریں تو خود بھی راحت میں رہیں گے اور دوسروں کو بھی راحت پہنچائیں گے، مگر افسوس کہ اس ضابطۂ اخلاق کی پاس داری کرنے والے بیشتر افراد دنیا سے جاچکے!۔

❀ نیز ارشاد ہے: ﴿وَقُولُوا۟ لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾(۵۰): ”اور لوگوں سے اچھی باتیں کہو“۔

لوگوں کی بات چیت کے حوالے سے یہ ایک عمومی شرعی بنیاد اور ضابطہ ہے۔ لفظاً بھی اور معناً بھی، اسلوب میں بھی اور مضمون میں بھی۔ اگر لوگ اس ضابطے کی اتباع کرلیں تو دنیا و آخرت: دونوں جگہ اس کی برکتیں ان کے لیے سامانِ راحت بن جائیں گی۔ آپ جتنی مرتبہ آیتِ کریمہ کے اس لفظ پر (اس کے مختصر ہونے کے باوجود) غور کریں گے، اتنی ہی مرتبہ اس کے لطائف و معانی کے

---

(۴۹) ٦٠ : الرحمن : ۵۵.

(۵۰) ۸۳ : البقرۃ : ۲.

ایک یا ایک سے زیادہ پہلو اُجاگر ہوں گے۔ مثلاً: اس کے عموم و شمول پر، اس کے حسن و جمال پر، اس کی بابت عدل وانصاف کے ساتھ معاملہ کرنے پر، فضل و کرم کے ساتھ معاملہ کرنے پر اور اس قاعدے کے نفاذ کے نتائج وغیرہ پر غور کیجیے۔

❊ اور مزید ارشاد ربانی ہے: ﴿ وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُواْ ٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ إِنَّ ٱلشَّيۡطَٰنَ يَنزَغُ بَيۡنَهُمۡۚ ﴾ (۵۱): ”اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں؛ کیونکہ شیطان آپس میں فساد کرواتا ہے“۔

آیت کریمہ کا یہ حصہ لوگوں کے باہمی معاملے کے بارے میں ایک دوسرے قاعدے کی وضاحت کرتا ہے، جو ”حسن“ میں سابقہ قاعدے سے بھی بڑھا ہوا ہے کہ صرف اچھی بات نہیں؛ بلکہ سب سے اچھی بات کہی جائے۔ اگر ہم اپنے رویّوں اور اقوال پر غور کریں اور انھیں ”حسن“ (اچھے) پر نہیں؛ بلکہ ”احسن“ (زیادہ اچھے) کے معیار پر لائیں، تو ہماری زندگی بھی دنیا و آخرت میں احسن (زیادہ بہتر اور اچھی) بن جائے گی۔

ایک مرتبہ میں نے اپنے لڑکے سے کہا: اس سے زیادہ اچھا کچھ نہیں کہ تم سب سے اچھے بن جاؤ اور اس سے زیادہ بُرا کچھ نہیں کہ تم سب سے زیادہ بُرے بن جاؤ۔

❊ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے: ﴿وَأَن تَعۡفُوٓاْ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰۚ وَلَا تَنسَوُاْ ٱلۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡۚ ﴾ (۵۲): ”اور تمھارا معاف کر دینا تقوے کے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کرنا نہ بھولو“۔

آیتِ کریمہ کا یہ حصہ آپسی معاملے میں عفو و درگذر کے ضابطۂ (اخلاق) کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور یہ کہ ہم باہمی حسن سلوک اور احسان و کرم کے روابط و تعلقات کی حفاظت کریں، وقتی اختلاف کے باعث ہم انھیں فراموش نہ کریں۔ اپنے حق کو وصول کرنے، اپنے اور دوسرے کے درمیان تنازع کے نمٹانے کے دو طریقے ہیں: عدل وانصاف کے ساتھ اپنا حق لینے کا طریقہ، اور دوسرا عفو و درگذر کا طریقہ۔ آیتِ بالا کا یہ مختصر سا حصہ ہمیں بتاتا ہے کہ عفو و درگذر کا راستہ تقوے

---

(۵۱) ۵۳ : الاسراء : ۱۷.

(۵۲) ۲۳۷ : البقرة : ۲.

سے زیادہ قریب ہے، اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ انسان کے لیے اپنا حق حاصل کرنے سے بھی زیادہ اہم چیز ہے ”تقویٰ“ جو ہر مومن کے احساس وشعور اور مقصد وارادے میں، حقوق سے مقدم رہنا چاہیے۔ ہمیں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ دوسروں کے ساتھ اختلافات کی صورت میں اپنے مکمل حقوق کی حصولیابی کے تعلق سے اپنے جارحانہ رجحانات کو ضبط اور کنٹرول کریں ایسا نہ ہونا چاہیے کہ ہم ان نام نہاد حقوق کو اپنے دین اور اخلاق واقدار کی قیمت پر حاصل کریں۔ ہمیں ان نعمتوں کا استحضار رکھنا چاہیے جنھیں اللہ تعالی نے اپنے ان بندوں کے لیے تیار کر رکھا ہے، جن کے بارے میں اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَٱلۡكَـٰظِمِينَ ٱلۡغَيۡظَ وَٱلۡعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِۗ﴾ (۵۳): ”اور غصّہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں“۔

❊ اور یہ ارشاد فرمایا: ﴿وَعِبَادُ ٱلرَّحۡمَـٰنِ ٱلَّذِينَ يَمۡشُونَ عَلَى ٱلۡأَرۡضِ هَوۡنٗا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ ٱلۡجَـٰهِلُونَ قَالُواْ سَلَـٰمٗا﴾ (۵۴): ”اور رحمان کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر عجز وانکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) خطاب کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ (تم پر) سلام ہو“ (اور سلامتی کی بات کہتے ہوئے شریفانہ انداز اپناتے ہیں)۔

یہ آیت اخلاق اور درست کردار وعمل کے ایک بڑے قاعدے کی جانب رہنمائی کرتی ہے اور وہ ہے زمین پر چلنے کا طریقہ۔ یہ طریقہ انسان کو زمین پر کبر وغرور اور گھمنڈ کے ساتھ چلنے سے دور رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اکڑ کر چلنا بالکل بیجا اور ناحق ہے۔ عاجزی کے ساتھ چلنا کبر وغرور سے دور کرنے والا طریقہ ہے۔ اسی کے ساتھ ایک دوسرا ضابطہ بھی ہے: ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ ٱلۡجَـٰهِلُونَ قَالُواْ سَلَـٰمٗا﴾ یہ قاعدہ بھی دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں حفاظت وسلامتی اور امن وامان کے نقطۂ نظر سے بے حد اہم ہے۔ اجڈ لوگوں کے اجڈ پن اور احمقوں کی حماقت کے خاتمے کا یہ سب سے مختصر اور محفوظ طریقہ ہے۔ ﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ ٱلۡجَـٰهِلُونَ قَالُواْ سَلَـٰمٗا﴾، اس کے برعکس ان دونوں قواعد وضوابط کی خلاف ورزی عدم تحفظ کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدی کا سب سے وسیع دروازہ لوگوں پر اظہارِ غرور، بے ہودہ لوگوں کی ہم نوائی، ان سے بے جا بحث

---

(۵۳) ۱۳۴ : آل عمران : ۳.

(۵۴) ۶۳ : الفرقان : ۲۵. ایسے بندگانِ رحمان کی جو صفات یہاں سے آخر سورت تک بیان کی گئی ہیں، ان کو پڑھا جائے.

و تکرار، اور ان کے ساتھ ان ہی کے انداز کا معاملہ کرنا ہے۔ ذرا غور کرو کہ ان دونوں قواعد پر عمل میں کتنی خیر ہے اور ان قواعد سے اعراض و گریز میں کتنا شر و فساد بھرا ہوا ہے؟

❋ اللہ تعالی کا یہ ارشاد بھی اسی قبیل سے ہے: ﴿وَإِنَّ ٱلسَّاعَةَ لَأٓتِيَةٌۖ فَٱصۡفَحِ ٱلصَّفۡحَ ٱلۡجَمِيلَ﴾(٥٥): ”اور قیامت ضرور ضرور آنے والی ہے، تو آپ خوش دلی سے درگذر کیجیے“۔

یہ دل کش حسین و جمیل کلام علیم و خبیر ذات کا کلام ہے۔ اس میں ہمیں باہمی معاملے کے ایک اہم قاعدے کی رہنمائی کی گئی ہے اور وہ ہے صفحِ جمیل (دل کی خوشی اور گہرائی سے درگذر کرنے) کے اصول کی اتباع کرنا آپس کے معاملات یقینی طور پر آنے والی آخرت کو مد نظر رکھتے ہوئے طے کیے جائیں۔ پھر جب قیامت آ کر ہی رہے گی تو آپ بہتر سے بہتر درگذر کا رویہ اپنائیں اور اپنے حقوق کی حصولیابی میں اصرار و ضد نہ کریں، اور جب قیامت برپا ہو کر ہی رہے گی۔ تو اے انسان، اسے اپنے حساب و شمار میں رکھ۔ آپ تصور کیجیے کہ اگر ہم اپنی زندگی میں صفحِ جمیل کے اصول، دارِ آخرت کے استحضار اور قیامت برپا ہونے کے یقین کو ملحوظ رکھیں تو ہماری زندگی کتنی حسین اور خوب صورت ہو جائے گی۔ اس کے برعکس اگر صفحِ جمیل اور آنے والی قیامت کا منظر نامہ ہماری نظروں سے اوجھل رہے، تو زندگی کتنی بُری اور اذیت ناک بن جائے گی؟

❋ اسی سے متعلق یہ ارشاد ربّانی ہے: ﴿خُذِ ٱلۡعَفۡوَ وَأۡمُرۡ بِٱلۡعُرۡفِ وَأَعۡرِضۡ عَنِ ٱلۡجَٰهِلِينَ ١٩٩ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ نَزۡغٞ فَٱسۡتَعِذۡ بِٱللَّهِۚ إِنَّهُۥ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ٢٠٠﴾(٥٦): ”آپ درگذر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں، اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اور اگر آپ کو کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے، بلا شبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے“۔

یہ آیت باہمی معاملے کے تعلق سے درج ذیل چار قواعد و ضوابط پر مشتمل ہے:

١- عفو و درگذر کو اپنانا۔

٢- بھلائی کا حکم دینا۔

---

(٥٥) ٨٥: الحجر: ١٥.

(٥٦) ١٩٩-٢٠٠: الاعراف: ٧.

۳- جاہلوں اور اجڈ لوگوں سے بچنا۔

۴- شیاطین کے کچوکوں اور وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کرنا۔ یہ سارے کے سارے قواعد زندگی کو استوار رکھنے اور اس کی سعادت وخوش بختی کے لیے ضروری ہیں، جبکہ ان کے برعکس روش اختیار کرنے سے نتائج بھی برعکس ہوں گے۔ جعفر صادق رحمہ اللہ کی بابت منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: قرآن کریم میں مکارم اخلاق کی اس سے زیادہ جامع کوئی دوسری آیت نہیں ہے (۵۷)۔

❊ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنفُسِهِمۡۗ﴾ (۵۸): ”اللہ تعالی کسی قوم کا حال یقیناً اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی نہ لے آئے“۔

یہ آیت کریمہ استقامت وعدم استقامت، نیز سعادت وشقاوت کے باب میں ایک ٹھوس سنتِ الٰہی اور عام قاعدے کو بیان کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تبدیلی کا آغاز خود انسان کی ذات سے اور اس کے اندرون سے ہوتا ہے۔ اس قاعدے کے محتاج تمام انسان ہیں، اپنے نفس کے معاملے میں بھی اور دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی۔ اسی طرح اصلاح وتربیت کے ذمے داروں کو بھی اس کی ضرورت ہے؛ تاکہ وہ اپنے طریقۂ اصلاح اور اسلوبِ تربیت میں اس قاعدے پر عمل کریں اور ہر معاملے کو اس کے مناسب طریقے سے طے کریں۔

❊ نیز ارشاد باری تعالی ہے: ﴿لَّقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسۡوَةٌ حَسَنَةٞ لِّمَن كَانَ يَرۡجُواْ ٱللَّهَ وَٱلۡيَوۡمَ ٱلۡأٓخِرَ وَذَكَرَ ٱللَّهَ كَثِيرٗا﴾ (۵۹): ”یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالی (سے اجر وثواب) اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالی کی یاد کرتا ہے“۔

یہ آیت ایک عملی قاعدہ بیان کر رہی ہے جس پر اچھے اخلاق اور عمومی نیکی کے خواہش

---

(۵۷) فتح الباری، حافظ ابن حجر : ۳۰۶/۸.

(۵۸) ۱۱ : الرعد : ۱۳. اور ملاحظہ ہو : ۵۳ : الانفال : ۸.

(۵۹) ۲۱ : الاحزاب : ۳۳.

مندوں کو چلنا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر ایک چیز میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کریں اور آپ ﷺ کے اسوے کو اختیار کریں؛ کیونکہ آپ ﷺ ہی کامل مربی، نیز اخلاق و دین کے معلّم ہیں۔ آپ ﷺ کے اسوے پر ہر شخص عمل کر سکتا ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، عالم ہو یا متعلّم یا جاہل۔ ﴿لَكُمْ﴾ کا لفظ ان سبھی کو شامل ہے اور تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔

❋ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِۦ وَنَهَى ٱلنَّفْسَ عَنِ ٱلْهَوَىٰ (٤٠) فَإِنَّ ٱلْجَنَّةَ هِىَ ٱلْمَأْوَىٰ (٤١)﴾ (٦٠): ”ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور اپنے نفس کو ناجائز خواہش سے روکتا رہا، تو اس کا ٹھکانا جنّت ہی ہے“۔

یہ ایک عمومی اصلاحی اور اخلاقی قاعدہ ہے، یہ بنیاد ہے اس شخص کے لیے جو صلاح و اصلاح کے نہج و انداز کا طالب اور چھوٹے بڑے ہر عمل میں مکارم اخلاق کے حصول کا خواہش مند ہو۔ ”ہوا وہوس“ سے اجتناب، جنت المأوی میں جانے کا راستہ ہے، جبکہ ہوا وہوس کی اتباع جہنم کا راستہ اور خدائے جبار و قہار کے غضب کا باعث ہے۔ پس جس کو اچھے اخلاق، خیر و فلاح، اللہ کی جنت اور اس کی رضا کی طلب ہو وہ صرف یہ کرے کہ اپنی اور دوسروں کی حرص و طمع اور خواہشات نفسانی کے متعلق اس طرز و انداز کو اپنا لے۔ ہم اللہ سے حسنِ توفیق کی دعا کرتے ہیں۔

❋ یہ ارشاد باری بھی: ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ (١) ٱلَّذِينَ إِذَا ٱكْتَالُوا۟ عَلَى ٱلنَّاسِ يَسْتَوْفُونَ (٢) وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ (٣)﴾ (٦١): ”ہلاکت ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے، جب وہ لوگوں سے کوئی چیز ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں“۔

یہ آیت اخلاق کے ایک ایسے قاعدے پر مشتمل ہے جس کا تعلق انسان کے اخلاق و کردار، نیز انفرادی و اجتماعی محرک سے ہے۔ اس آیت میں بڑی وضاحت سے رب العالمین کی جانب سے ہر اس شخص کے لیے شدید وعید کا بیان ہے جو اخلاق کے سلسلے میں ذاتی مفاد کی ترجیح کے وبال میں مبتلا ہو؛ کہ اسے صرف اپنی فکر ہو اور دوسروں کے بارے میں سوچنے کا اس کے اندر کوئی داعیہ نہ ہو؛ اسی وجہ سے

---

(٦٠) ٤٠-٤١ : النازعات : ٧٩.

(٦١) ١-٣ : المطففين : ٨٣.

اس قسم کے گھٹیا لوگوں کے نزدیک اس روش پر چلنے میں کوئی حرج اور عیب نہیں، جس پر اس آیت میں وعید ہے۔ واضح رہے کہ آیت میں مذکور "کیل ووزن" یعنی ناپ اور تول یہ محض بطور مثال مذکور ہے، ورنہ ہر غلط کام اس میں داخل ہے، شر وفساد اور انحراف وکج روی کے کام بہت سے ہیں اور منحرف لوگ نت نئے طرز وانداز اور طور وطریق کے ذریعے اپنے ذاتی ناپسندیدہ رجحانات کا اظہار کرتے رہتے ہیں، واللہ المستعان!.

❊ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِٱلْوَٰلِدَيْنِ إِحْسَٰنًا ۚ﴾(۶۲) : "اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا"۔

اس میں عقیدہ وایمان سے مربوط سلوک واخلاق کے ایک عمومی طرز وطریقے کی وضاحت کی گئی ہے اور وہ ہے اللہ تعالی کی عبادت بہتر طریقے سے انجام دینا اور حسن سلوک کے سب سے زیادہ مستحق لوگوں یعنی والدین کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا۔ ایسا تبھی ہو سکتا ہے جب انسان صرف اللہ کی عبادت کرے، اس کا حق بخوبی ادا کرے، اللہ کی اطاعت کے ساتھ والدین کی اطاعت کرے، ان سے اچھا برتاؤ کرے اور ان کا اس طرح اکرام واحترام کرے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد، کسی بھی انسان کو ان پر فوقیت نہ دے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے حق کی ادائیگی کی وجہ سے دوسروں کے حقوق پامال کرے، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں؛ بلکہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی تو محسن کی احسان شناسی کی عادت وخصلت ہی سے مربوط ہے۔

❊ نیز یہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَٰنُ لِٱبْنِهِۦ وَهُوَ يَعِظُهُۥ يَٰبُنَىَّ لَا تُشْرِكْ بِٱللَّهِ ۖ إِنَّ ٱلشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾(۶۳): "اور جبکہ لقمان نے نصیحت کرتے ہوئے اپنے بیٹے سے کہا: پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، بیشک شرک بڑا بھاری ظلم ہے"۔

اس میں انسان کو اپنی زندگی میں مسلک توحید کو حرز جاں بنانے کی تاکید کی گئی ہے کہ یہی حق وصواب اور عدل وانصاف ہے، جبکہ شرک سب سے بڑا ظلم اور ناانصافی ہے۔ بلا شبہ انسان کی زندگی

---

(۶۲) ۲۳ : الاسراء : ۱۷.

(۶۳) ۱۳ : لقمان : ۳۱. اس کے بعد کی آیات پر بھی غور کیا جائے اور ان میں مذکور اخلاق وآداب کو سمجھا جائے۔

میں عمومی اصلاح کا مدار ''توحید'' پر ہے، جبکہ اس کی زندگی میں عمومی فساد اور بگاڑ کی بنیاد ''شرک'' ہے اور ان سب کا تعلق انسانی زندگی کے اصول وکلیات سے بھی ہے اور اس کی زندگی کے فروع وجزئیات سے بھی۔ اگر آپ اس سورت میں آیت مذکورہ کے بعد لقمان علیہ السلام کی اپنے فرزند کو کی ہوئی نصیحتوں پر غور کریں، تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں ہر اچھے اخلاق پر زور دیا گیا ہے اور ہر نامناسب اخلاق سے منع کیا گیا ہے، مگر یہاں اس سے زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں۔

ضرورت ہے کہ جو شخص سعادت مند زندگی کا طالب ہو، وہ قرآن کی طرف، یا قرآن کے ساتھ زندگی کی طرف لوٹنے کو اپنا فریضہ جانے۔ یہ چند باتیں اس موضوع کی جانب محض سرسری اشارے ہیں، امید ہے کہ یہ باتیں مفید اور نافع ثابت ہوں گی۔

یہاں یہ فراموش نہ کیا جائے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ نے ہماری ضرورت کے مطابق اخلاق کی مکمل وضاحت کر دی ہے، وہ بھی نہایت باریک بینی، لطیف و سہل، معجزانہ اور خوب صورت انداز میں۔ ہمیں چاہیے کہ ان چشمہ ہائے صافی کا رخ کریں، انھیں کماحقہ سمجھیں اور ان سے سیرابی حاصل کریں۔

* * *

# دوسری بحث

## اخلاقی اصول و قواعد کی ترجمان احادیث

❊ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: «...وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ؛ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ؛ يُغْنِهِ اللّٰهُ، وَمَنْ يَتَصَبَّرْ؛ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ...» (٦٤): جو شخص پاک دامن رہنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالی اسے پاک دامن رکھتے ہیں، جو دنیا سے بے نیازی اختیار کرنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالی اسے حقیقی معنوں میں بے نیاز کر دیتے ہیں اور جو صبر کرنا چاہے اللہ تعالی اسے صبر عطا کر دیتے ہیں۔

یہ حدیث لوگوں کے اخلاق و عادات اور سلوک و طرز عمل میں تبدیلی کے حوالے سے اللہ تعالی کی عادت مستمرہ کے ایک اہم قاعدے سے آگاہ کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا خود انسان کی ذات، اس کی دلچسپی و ارادے، پھر اس کے پہلا قدم اٹھانے سے ہوگی، یعنی نفس کو بے جا خواہشات سے دور رکھنا، شہوات میں بڑھے چلے جانے سے روکنا، نفس امارہ اور عجلت پسند نفس کے مطالبات کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے باز رہنا۔

حدیث میں تین مثالیں دی گئی ہیں، ان تینوں کے تعلق سے اصلاحِ نفس کا طریقہ، نیز ان سب میں حصولِ مقصد کا بس ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے نفس کو ہر اس چیز سے روکنا جو مطالبۂ شریعت کے خلاف ہو۔ الغرض! عفت حاصل ہوگی عفت طلب کرنے سے، غنا حاصل ہوگی غنا کی کوشش کرنے سے اور صبر حاصل ہوگا صبر اختیار کرنے سے۔

❊ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد: «لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ» (٦٥): غنا اور دولت مندی سامان کی کثرت کا نام نہیں؛ بلکہ غنا تو نفس اور طبیعت کا غنا ہے۔

---

(٦٤) بخاری شریف، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر: ١٤٦٩۔ اور مسلم شریف، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر: ١٢٤ (١٠٥٣) بروایت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ.

(٦٥) بخاری شریف، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ٦٤٤٦۔ اور مسلم شریف، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر: ١٢٠ (١٠٥١) بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ.

یہ حدیث نظریۂ غنا کے درست مفہوم اور پیمانے کی وضاحت پر مشتمل ہے، اسی پر نفوس وطبائع کو دوام و قرار اختیار کرنا چاہیے اور انسانی ضمیر کی اسی پر تربیت کرنی چاہیے۔ اس پیمانے کی خود اپنی اہمیت ہے، اس کے مطابق نفوس کی تربیت کرنے پر اس کے اثرات ظہور پذیر ہوتے ہیں؛ وجہ یہ ہے کہ خوش حالی و مال داری کی محبت انسانی طبیعت کا ایک پیدائشی رجحان ہے، اسی بنا پر انسانی طبیعت کی اصلاح اور اس کو درست رُخ دینے کے لیے اس حدیث شریف میں اس انسانی فطرت سے فائدہ اٹھانے کی بات ہے اور یہ حدیث نفس انسانی کے رجحانات کو درست کر کے اس کی اصلاح بھی کرتی ہے۔ مثلاً غنا کے معنی و مفہوم کی تصحیح کہ وہ انسان کے ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے؛ بلکہ اصل غنا نفس اور طبیعت کا غنا ہے، اور یہی واقعہ اور حقیقت بھی ہے۔

❋ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَايِعٌ نَفْسَهُ، فَمُعْتِقُهَا، أَوْ مُوبِقُهَا» (٦٦): ہر انسان صبح کو نکلتا ہے تو کوئی اپنے نفس کو فروخت کر کے اسے آزاد کرنے والا ہوتا ہے اور کوئی اسے ہلاکت میں ڈالنے والا۔

اس میں دو کلی و عمومی قاعدوں سے آگاہ کیا گیا ہے، ان کی واقعیت ایسی ہی ہے جیسے انسان کی نقل و حرکت، تگ و دو، ان میں کبھی تخلف نہیں ہوتا خواہ لوگ کتنی ہی غفلت میں رہیں۔ پہلا قاعدہ ہے «كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو» چنانچہ تمام لوگ نقل و حرکت کرتے ہیں، مصروف کار رہتے ہیں اور صبح و شام کہیں نہ کہیں آتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بیٹھے ہوئے اور سوتے ہوئے لوگ بھی۔ دوسرا قاعدہ ہے «فَبَائِعٌ نَفْسَهُ، فَمُعْتِقُهَا، أَوْ مُوبِقُهَا» پہلے قاعدے کا لازمی ثمرہ اور دوڑ دھوپ کا لابدی نتیجہ خرید و فروخت ہے، مگر یہ خرید و فروخت انسان کے نفس کی ہے، کسی سامان کی نہیں ہے، تاہم انسان اپنی دوڑ دھوپ سے بہر حال بیچنے والا ہی ہوتا ہے۔ یہاں انسان خود اپنے نفس کو بیچتا ہے۔ اس بیع میں یا تو اللہ کے عذاب اور اس کی ناراضگی سے اپنے نفس کو چھڑانے والا اور اس کو ان دونوں سے آزادی دلانے والا ہوتا ہے اور یا اپنے نفس کو عذابِ الٰہی کے حوالے کر دینے اور اس کی ناراضگی کی قید میں ڈالنے والا ہوتا ہے۔ والعياذ بالله من ذلك۔

امام نووی رحمہ اللہ اس جملے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ہر انسان اپنے نفس کو لے کر دوڑ دھوپ کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس کو اللہ کی اطاعت کے بدلے بیچ کر عذاب سے آزادی دلاتے ہیں، جبکہ بعض لوگ

---

(٦٦) مسلم شریف، کتاب الطهارة، حدیث نمبر: ۱(۲۲۳) بروایت ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ.

خواہش نفس اور شیطان کے ہاتھوں ان کی اتباع کے بدلے بیچ کر اس کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ واللہ اعلم(۶۷)۔

انسان کی زندگی اور اس کے اعمال کے نتائج کے تعلق سے ان علامات و قواعد کے جاننے کی بڑی اہمیت ہے؛ تاکہ انسان کی سیرت و کردار کی حقیقت وماہیت، اس کی غلطیوں کے علاج و تدارک اور اس کی تربیت کے طریقۂ کار کو سمجھا جاسکے۔

❁ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ: اَلَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»(۶۸): طاقتور وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے؛ بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر کنٹرول رکھے۔

یہ حدیث انسانی نفس کی اصلاح کے بلند وبالا معیار کے قاعدے کی بنیاد ہے۔ یہ معیار و قاعدہ بتاتا ہے کہ حکم کسی معاملے کے ظاہر کی بنیاد پر نہیں لگایا جائے گا؛ بلکہ اس کا مدار حقیقت پر ہوگا۔ اسی طرح انسان پر کوئی حکم لگانے میں اس کے اعمال کے اعلیٰ وافضل مصداق کو معیار بنایا جائے گا۔

لوگوں کے دلوں میں شجاعت وبہادری اور قوت وطاقت کی محبت جاگزیں ہے اور اس کے نتیجے میں طاقتور اور پہلوان انسان سے محبت ہوتی ہے۔ حدیث شریف نے بتایا کہ محبت کے زیادہ لائق دوسرے کو پچھاڑ دینے والا انسان نہیں؛ بلکہ وہ انسان ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ یا یوں کہا جائے کہ حدیث میں شکست دینے یا پچھاڑ دینے والے کو طاقتور اور شہ زور نہیں مانا گیا ہے، بلکہ غصے کے وقت اپنے اوپر کنٹرول رکھنے والے کو طاقتور تسلیم کیا گیا ہے۔

الغرض! مطلب جو بھی ہو، اس حدیث نبوی نے ایک اخلاقی قاعدے کی بنیاد رکھی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس کے مطابق اپنے فیصلے کریں اور اپنے کردار و عمل اور تصرفات کو اس کے تناظر میں دیکھیں۔

بلاشبہ اس قسم کی تربیتی رہنمائی نفس انسانی میں اس درست قاعدے کو جاگزیں کرنے کے لیے ہے، جس سے دوسرے اصلاحی طریقے اور تربیتی مناہج مستغنی نہیں کرسکتے اور نہ وہ شخص اس سے استغنا برت سکتا ہے جو اپنی یا دوسرے کی اصلاح کرنا چاہے۔

---

(۶۷) شرح مسلم شریف: ۱۰۲/۳۔

(۶۸) بخاری شریف، کتاب الأدب، حدیث نمبر: ۶۱۱۴۔ اور مسلم شریف، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۱۰۷(۲۶۰۹) بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

✽ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللهَ تَعَالَى» اور دوسری روایت میں ہے: «لا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لا يَشْكُرُ النَّاسَ»(۶۹): جو آدمی لوگوں کا شکر گزار نہیں ہوتا، وہ اللہ تعالی کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔

یہ حدیث نفس انسانی کی اصلاح کے لیے ضروری اخلاقی تربیتی قاعدے کی ترجمانی کرتی ہے، اور وہ ہے ہر محسن کی شکر گزاری کی عادت۔ نبیٔ پاک ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے اور اللہ تعالی، اور انسانوں کی شکر گزاری کو باہم جوڑ کر اس کی ترغیب و تشویق کو مؤکد کیا ہے۔ پھر اللہ تعالی اور انسانوں کی شکر گزاری میں ربط و تعلق بہت واضح ہے؛ اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کا مرجع ایک اخلاقی اصل و قاعدہ ہے اور وہ ہے ادائے حق سے محبت اور اس کی ترجیح و اہمیت۔ پس جس شخص کے اندر یہ اخلاقی اصل پائی جائے گی وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ادائے حق ضرور کرے گا، قلیل احسان پر بھی اور کثیر پر بھی، اصول میں بھی اور فروع میں بھی، خالق کا بھی اور مخلوق کا بھی، چھوٹے کا بھی اور بڑے کا بھی۔ اس طرح یہ حدیث اس دین کی اخلاقی جمالیات کے ایک نہایت شوق انگیز اور حسین و جمیل پہلو کی گواہ ہے جس کے اختیار و انتخاب اور خوب تر و بہتر ہونے پر تمام انسانی فطرت سلیمہ متفق ہیں، اسے اپنی قبولیت و رضا مندی کی سند دیتی ہیں، لیکن لوگوں کی بڑی تعداد ان اخلاقِ جمیلہ کو ان کے حقیقی سرچشمے (اقوال و سیرت پاک) سے لینے سے گریزاں ہیں اور وہ انھیں دوسری جگہوں میں تلاش کرتے ہیں۔

✽ کسی نے آپ ﷺ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی، تو اس سے آپ ﷺ کا یہ فرمانا: «لَا تَغْضَبْ»(۷۰): تم غصہ مت کرو۔

یہ انسان کی عادت و خصلت کی اصلاح کے باب میں نہایت عظیم الشان قاعدہ ہے، جس کا خلاصہ ہے «لا تَغْضَبْ» ”تم غصہ مت کرو“۔ اس میں مکارمِ اخلاق کی تحصیل کے ایک اساسی دروازے کی نشان دہی ہے۔ کیونکہ غیظ و غضب، شر و فساد، بد خلقی و غنڈہ گردی کے دروازوں اور

---

(۶۹) یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی مسند احمد بن حنبل میں متعدد جگہ پر ہے ۲/ ۲۵۸، ۲۹۵، ۳۰۳۔ ابو داود شریف، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۸۱۱، ترمذی شریف، أبواب البر، حدیث نمبر: ۱۹۵۵ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور کہا: یہ حدیث ”حسن صحیح“ ہے.

(۷۰) بخاری شریف، کتاب الأدب، حدیث نمبر: ۶۱۱۶ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ.

بُرے اخلاق کے ارتکاب کا ایک وسیع دروازہ ہے۔ اس لیے کہ شدید غصہ انسان اور اس کی صحیح غور وفکر کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، غصہ انسان کے سکون واطمینان، حلم وبردباری، سنجیدگی اور صبر کے درمیان آڑ بن جاتا ہے اور اسے کئی مکارمِ اخلاق پر عمل سے روک دیتا ہے، وہ اسے کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچاتا؛ اسی لیے غصے کو معاصی کی بنیاد بتایا گیا ہے؛ کیونکہ ایک غصے سے کئی قسم کے گناہ جنم لیتے ہیں۔

ہم بسا اوقات دیکھتے ہیں کہ غصہ انسان کو دائرۂ عقل سے بھی نکال دیتا ہے، حتی کہ ہمیں اس سلسلے میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ یہ پاگل پن کا ایک شعبہ ہے۔ یہ حدیث نبوی انسان کو اس خطرناک بیماری سے بچاتی ہے جو اس کے جسم وجان اور دین وایمان کو نشانہ بناتی اور نقصان پہنچاتی ہے۔

نبیِ پاک ﷺ کے ارشاد «لَا تَغْضَبْ» میں ممانعت دو قسم کی ہے:

۱- غصے سے بے قابو ہو جانے کی عادت سے ممانعت، حدیث شریف میں اس عادت سے روکا گیا ہے، جبکہ اس کی ضد یعنی حلم وتحمل اور وقار وسنجیدگی کا حکم دیا گیا ہے۔

۲- اسبابِ غضب سے قریب ہونے، ان سے چھیڑ چھاڑ کی ممانعت؛ اس لیے کہ کسی چیز کے امر و نہی کا حکم اس چیز کے وسائل وذرائع تک نافذ وکارآمد ہوتا ہے۔

اگر غصہ آجائے تو اس کا ایک علاج ہے وضو کرنا، اور کھڑا ہو تو بیٹھ جانا۔ اللہ پاک لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے نبیِ اکرم ﷺ پر رحمتیں نازل فرمائے۔

✻ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلْبِرُّ: حُسْنُ الْخُلُقِ. وَالإِثْمُ: مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ»(۷۱)- نیکی حسنِ اخلاق ہے اور گناہ وہ ہے جو تمھارے دل میں کھٹکے اور جس پر لوگوں کا مطلع ہونا تمھیں ناگوار اور برا لگے۔

اس میں انسانی طبیعت کے اندر ودیعت عقل وفطرت کی آواز پر لبیک کہنے کی ترغیب ہے۔ اندرونِ نفس موجود عقل وفطرت؛ بُرائی اور غلطی کو بہت برا سمجھتی ہیں۔ چنانچہ غلطی کرنے اور کرانے والوں کی اکثریت اسی لیے لغزشوں میں مبتلا ہوتی ہے کہ وہ اپنے اندر سے ابھرنے والی عقل اور فطرت کی آواز کو نظر انداز کر دیتی ہے، جب وہ لذات وشہوات کے جال میں پھنس جاتی ہے۔

---

(۷۱) مسلم شریف، كتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۱۵(۲۵۵۳) بروایت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ۔

❊ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ، وَالْخَلْقِ؛ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ»(۷۲): جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسم و صورت میں اس سے فائق ہو تو اسے چاہیے کہ ایسے آدمی پر نظر ڈال لے جو اس سے کم تر ہے۔

یہ حدیث انسانی فطرت میں جاگزیں ایک قاعدے پر مشتمل ہے اور وہ ہے صحیح اخلاق پر نفسِ انسانی کی تربیت اور اس کی رہنمائی میں انسانی طبیعت کے ساتھ معاملہ کرنا۔

دوسروں کی ہم سری، ان کی نقل اور ان کی تقلید انسان کی فطرت میں ہے، نیز ایک اور خصلت انسان کی فطرت میں ہے جو اس سے جدا نہیں ہو سکتی، وہ ہے املاک و اموال کی محبت۔ اسی طرح ان چیزوں میں دوسروں پر تفوق و امتیاز کی خواہش جنھیں وہ بہت پسند کرتے ہوں، مثلاً مال و دولت اور حسنِ صورت و ہیئت وغیرہ۔

اس حدیث میں مکارم اخلاق اور حسنِ عمل کی طرف رہنمائی میں اسی انسانی فطرت سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے اخلاقِ فاضلہ کی تحصیل اور اخلاق سیئہ سے اجتناب کے ایک فطری راستے اور اس باب میں ایک عظیم قاعدے کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور غالباً یہ راستہ ہر اس آدمی کے لیے آسان ہے جو اپنے نفس کو اس کا عادی بنادے اور وہ (قاعدہ اور طریقہ) ہے: «إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ، وَالْخَلْقِ؛ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ»:

ہر انسان اپنی طبیعت و فطرت کے لحاظ سے دوسرے لوگوں سے اور ان کے احوال سے اپنا، اور اپنے حالات کا تقابل کرتا ہے۔ اگر وہ اپنی اس طبیعت کو اس آدمی پر نظر کرنے میں استعمال کرے جو اس سے مال و دولت اور شکل و صورت میں فائق ہو تو اس سے اسے نقصان پہنچے گا۔ یہ چیز اسے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری تک پہنچا دے گی، کوئی بعید نہیں کہ وہ اپنے سے بہتر حالت میں نظر آنے والے شخص سے حسد کرنے لگے، اس کے خلاف بغض و کینے میں مبتلا ہو جائے اور ایسی ہی ذلیل حرکتیں کرنے لگے۔

اس بیماری اور اس جیسی بیماریوں سے چھٹکارا پانے کا راستہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کی اتباع ہے کہ انسان اپنے سے کم تر پر نظر رکھے۔ بلاشبہ یہ ایک مرض ہے اور فرمان رسول

---

(۷۲) بخاری شریف، کتاب الرقاق، حدیث نمبر: ۶۴۹۰۔ مسلم شریف، کتاب الزھد والرقاق، حدیث نمبر: ۸ (۲۹۶۳) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

اس کی دوا ہے یعنی ایک غلط اندازِ نگاہ، کا علاج درست اندازِ نگاہ۔

خیال رہے کہ اس قاعدے کے نفاذ کا میدان وہی ہے جس کو حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے یعنی مال ودولت اور پیدائشی شکل وصورت۔ جہاں تک دین اور اخلاق کی بات ہے تو اس کے لیے قاعدہ بالکل جداگانہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس پر نظر کرو جو تم سے فائق اور برتر ہو؛ تاکہ اس کو اپنا نمونہ بناؤ اور اس خیر وکمال میں اس سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ اسی بنا پر اچھے نمونے کی اہمیت وعظمت ہے اور اسی وجہ سے انبیا ورسل، اصحابِ فضل وکمال اور اہلِ تقوی کو نمونہ بنانے کا حکم ہے، کتاب وسنت کی نصوص میں اس کی تاکید کی گئی ہے، جبکہ دنیوی امور اور شخصی وانفرادی نصیب وقسمت کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث خیر کی تمام انواع واقسام کو جامع ہے؛ اس لیے کہ انسان جب کسی دوسرے کو دیکھتا ہے کہ وہ دنیوی اعتبار سے اس پر فائق ہے تو اس کا جی اسی جیسے کی طلب کرتا ہے، اور وہ اپنے پاس موجود خدا کی نعمتوں کو معمولی سمجھنے لگتا ہے، زیادہ کا لالچ کرتا ہے؛ تاکہ اس کو پالے یا اس کے قریب پہنچ جائے، یہی اکثر لوگوں کی فطرت ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس آدمی پر نظر کرے جو دنیا میں اس سے کم تر ہو تو اس پر اللہ کی نعمتوں کی عظمت آشکارا ہوگی، وہ ان پر شکر گزاری کرے گا، تواضع اختیار کرے گا اور خیر وفلاح کے کام کرے گا“(۷۳)۔

مال ودولت میں اپنے سے کم تر پر نظر کرنے سے تمھارے اندر اللہ تعالی کی نعمتوں پر غور کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور یہ جذبہ تمھیں اللہ سے حیا پر آمادہ کرے گا، اس کے سامنے تواضع اختیار کرنے اور اس کی شکر گزاری، نیز حمد وثنا کا سبب بنے گا۔ تو کیا ہم لوگ اس کے لیے تیار ہیں؟!

بھائیو! تم دوسرے بندوں پر اللہ کی نعمتوں کے مراقب (جانچ کرنے اور نظر رکھنے والے) نہ بنو؛ بلکہ اپنے اوپر اس کی نعمتوں کے محاسب بنو، اپنے بھائیوں سے محبت کرنے والے بنو، حسد کرنے اور کینہ رکھنے والے نہ بنو، اسی طرح اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار بنو، ناشکرے نہ بنو۔

✻ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «مَنْ سَمَّعَ؛ سَمَّعَ اللهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ: وَمَنْ يُشَاقِقْ؛ يَشْقُقِ اللهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»، فَقَالُوا: أَوْصِنَا. فَقَالَ: «إِنَّ أَوَّلَ مَا يُنْتِنُ مِنَ

---

(۷۳) شرح مسلم شریف، امام نووی، ۱۸/ ۹۷۔

الإِنْسَانِ بَطْنُهُ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَأْكُلَ إِلَّا طَيِّبًا، فَلْيَفْعَلْ، وَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يُحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ بِمِلْءِ كَفِّهِ مِنْ دَمٍ أَهْرَاقَهُ، فَلْيَفْعَلْ»(۷۴):

جو شخص شہرت کا طالب ہو گا، اللہ تعالی روزِ قیامت اس کو رسوا کریں گے۔ جو امت میں اختلافات پیدا کرے گا اللہ تعالی روزِ قیامت اس کو پریشانی میں ڈال دیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! ہمیں کوئی نصیحت فرمایئے تو آپ نے فرمایا: انسان کے جسم کا وہ حصہ جو سب سے پہلے سڑتا ہے، اس کا پیٹ ہے تو جس سے یہ ہو سکے کہ وہ صرف پاکیزہ رزق ہی کھائے تو وہ ایسا ضرور کرے اور جس سے ہو سکے کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہتھیلی کے برابر بھی خون حائل نہ ہو جس کو اس نے بہایا ہو تو وہ ضرور کرے- اس حدیث میں تین بنیادی امور کی وضاحت کی گئی ہے جن کو یاد رکھنا اور اپنی زندگی میں ان پر عمل کرنا ہر آدمی کے لیے ضروری ہے؛ تاکہ اس کی زندگی دنیا میں بھی ٹھیک رہے اور آخرت میں بھی۔ وہ تین امور یہ ہیں:

**پہلا**: اللہ تعالی کے یہاں بدلہ عمل کی جنس سے ہو گا؛ لہٰذا جو آدمی طالب شہرت ہو، اسے اللہ تعالی روزِ قیامت رسوا کر دیں گے اور جو امت میں اختلاف وانتشار پیدا کرے گا اللہ تعالی روزِ قیامت اس کو پریشانی میں مبتلا کر دیں گے۔ پس جس کو روزِ قیامت یہ بدلہ ناگوار ہو، اسے اس چیز کو بھی ناگوار سمجھنا چاہیے جو اس بدلے تک پہنچاتی ہے؛ بلکہ اس کے سبب سے دور ہی رہے۔

**دوسرا**: انسان کے جسم کا سب سے پہلے سڑنے والا حصہ اس کا پیٹ ہے، لہٰذا یہ سوچ کر انسان کو حرام کھانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ پیٹ سب سے جلدی سڑنے والا ہے، پھر اس سے اس کا حساب کتاب ہو گا تو یوں بے سوچے سمجھے اندھا دھند حرام پر گرنے اور مبتلا رہنے کا کیا فائدہ؟

**تیسرا**: ناحق کسی انسان کا خون انسان کے اور جنت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے؛ لہٰذا جس کو یہ حائل ہونا گوارا نہ ہو اس کو ان اسباب سے دور رہنا چاہیے، جن میں سے ایک اہم سبب کسی انسان کا ناحق خون بہانا ہے۔

اس حدیث نے دنیا و آخرت میں انسان کی سعادت کے اسباب کی تحدید کر دی ہے اور ان کا خلاصہ دو چیزوں میں کر دیا ہے:

۱- اپنے رب کی اچھی طرح عبادت کرنا؛ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ رب کی مخلصانہ عبادت کرے اور

---

(۷۴) بخاری شریف، کتاب الأحکام، حدیث نمبر: ۷۱۵۲، اور مسلم شریف، حدیث کا جملۂ اولی، کتاب الزهد والرقاق، حدیث نمبر: ۴۸ (۲۹۸۷) بروایت جندب رضی اللہ عنہ.

اس کی حرام کردہ اشیا سے دور رہے۔

۲- اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا؛ لہٰذا نہ کسی کا مال ظلماً کھائے اور نہ ناحق کسی کا خون بہائے۔

پس جس کے پاس حدیث میں متعین کیے گئے یہ تین امور مکمل طور پر پائے جائیں:

(اخلاص، اکلِ حلال، قتلِ ناحق سے اجتناب)

تو اس کے لیے اچھی طرح اللہ کی عبادت اور بندوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کے ابواب مکمل ہو گئے، وہ خیر اور استقامتِ اخلاق کی راہ پر چلنے والا بن گیا۔

❋ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ...»(۷۵):

تم میں سے ہر ایک راعی و نگراں ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

یہ حدیث اس زندگی میں ہر انسان کی ذمے داری طے کرتی ہے۔ اس ذمے داری کا خلاصہ دو باتیں ہیں:

۱- ہر انسان حاکم و نگراں ہے۔

۲- اس سے اس کی رعیت اور ماتحت افراد کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اس حدیث میں دل ودماغ: دونوں کو متأثر کرنے والا اعجاز (وکمال) دو باتوں میں نمایاں ہوتا ہے:

۱- یہ ذمے داری یعنی راعی و نگراں ہونا تمام انسانوں کو شامل ہے خواہ ان کے تعلقات، روابط اور ذمے داریاں کچھ بھی ہوں۔ چنانچہ اس ذمے داری سے کبھی بھی کوئی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ سے لے کر) جنھوں نے ہمیں یہ بات بتائی ہے (، انسانی سماج کے مکلف عام انسانوں تک سبھی پر یہ بات صادق آتی ہے۔

پھر انسان جو بھی مشن انجام دیتا ہے یا ان فرائض میں سے کسی بھی فریضے کی ادائیگی کا اسے مکلَّف بنایا جاتا ہے، ہر ایک جگہ نگرانی کی یہ صفت پائی جاتی ہے۔ ہر ایک کو اپنی ذمے داری ادا کرتے ہوئے یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ نگراں اور ذمے دار ہے اور یہ کہ ایک نگراں وحاکم سے کیا توقع وابستہ کی جاتی ہے؟ اور کیا اس سے مہربانی، تحفظ، اخلاص اور امانت ودیانت کے سوا کسی اور بات کی امید کی جاتی ہے؟

لوگوں کی زندگی سے امانت اس روز رخصت وبرباد ہو جاتی ہے جب اپنے فرائض کی ادائیگی کے

---

(۷۵) بخاری شریف، کتاب الجمعة، حدیث نمبر: ۸۹۳۔ اور مسلم شریف، کتاب الإمارة، حدیث نمبر: ۲۰ (۱۸۲۹) بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما.

سلسلے میں اس کی اہمیت کا شعور ان کے اندر سے غائب ہو جائے۔

لوگوں کے اخلاق و عادات اور ان کے حالات اس وقت بگاڑ کا شکار ہو جاتے ہیں جب ان میں ذمے داری کا احساس ختم ہو جائے۔

۲- فریضے اور امانت کی ادائیگی کے بارے میں باز پرس سے کوئی بھی مکلّف انسان مستثنیٰ نہیں ہے؛ یہ بھی فریضے اور ڈیوٹی کے عموم کی طرح عام ہے۔

اس سوال اور باز پرس کے عموم میں انسان سے اللہ کا سوال کرنا بھی داخل ہے اور لوگوں کا سوال کرنا بھی، یعنی دنیا کا سوال بھی اور آخرت کا سوال بھی، اگرچہ آخرت کا سوال زیادہ اہم اور سنگین ہے۔

انسانی اخلاق اور سلوک و کردار کی اصلاح کے لیے یہ ایک بنیادی، مؤثر، اخلاقی قاعدہ ہے اور مکارم اخلاق کی تحصیل اور بُرے اخلاق سے حفاظت و بچاؤ اس قاعدے پر یقین و اطمینان پر موقوف ہے۔

❋ رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: «إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ...»(۷۶): اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان (بہتر طور پر کرنے) کو فرض کیا ہے۔

یہ ایک درست تربیتی اخلاقی ضابطہ ہے، اور یہ ایسا بنیادی ضابطہ ہے جس سے کوئی دوسرا قاعدہ بے نیاز نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے یہ بالکل عام وارد ہوا ہے؛ تاکہ یہ انسان کے ہر اخلاقی عمل و تصرف کو شامل ہو جائے اور یہ اس قدر عام ہے کہ اس سے کوئی بھی حالت مستثنیٰ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے سلسلے میں احسان (بہتر طریقے پر انجام دینے) کو لازم قرار دیا ہے۔

اگر انسان تازندگی عمل سے جدا اور فارغ نہیں ہو سکتا تو ضروری ہے کہ اس کا عمل احسان سے جدا اور خالی نہ رہے (گویا عمل و احسان لازم و ملزوم ہیں)۔ جب انسان اس صفت کا حامل بن جائے تو وہ صحیح اور اچھے اخلاق کا مالک ہو گا۔

آپ نے دیکھا کہ کس طرح اتقانِ عمل (کام کو اچھی طرح کرنا) حسنِ خلق بن جاتا ہے!

آپ نے دیکھا کہ احسانِ عمل بھی حسنِ خلق کا حصہ ہے!

آپ نے دیکھا کہ ہر چیز میں حسن کارکردگی کس طرح اعلیٰ اور عمدہ اخلاق بن جاتا ہے!

بلاشبہ انسان کی زندگی میں حسنِ خلق دراصل ہر چیز میں احسان کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے۔

---

(۷۶) مسلم شریف، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، حدیث نمبر: ۵۷ (۱۹۵۵) بروایت ابو یعلی شداد بن آوس رضی اللہ عنہ، اور اس کو دوسرے راویوں نے بھی روایت کیا ہے.

❁ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: «اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْـمَرْءِ المُسْلِمِ، فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ؛ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ»(۷۷): مسلمان شخص پر "سمع وطاعت" لازم ہے، پسندیدہ اور ناپسندیدہ ہر بات میں جب تک اسے کسی معصیت کا حکم نہ دیا جائے۔

جب کسی معصیت کا حکم دیا جائے تو نہ اب سمع ہے نہ طاعت- زندگی کی درستگی اور حسنِ اخلاق کے لیے یہ ایک لازمی قاعدہ ہے۔ اس قاعدے کے دو حصے ہیں اور دونوں ہی ضروری ہیں:

۱- اللہ کی طاعت و فرماں برداری میں دوسرے کی بات ذاتی محبت و نفرت اور پسند و ناپسند کا لحاظ واعتبار کیے بغیر سنی اور مانی ہے۔

۲- خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی بات نہ سنی جائیگی اور نہ مانی جائے گی۔

ان دونوں باتوں کی اہمیت کا تصور کریں اور خود سوچیں کہ آپس میں طاعت کی جگہ معصیت کو دینے سے سماج، نیز لوگوں کو کتنی تباہی وبربادی کا سامنا کرنا پڑا، نیز خالق کی معصیت میں مخلوق کی طاعت نے بھی کس قدر تباہی مچائی؟

اس شرعی اخلاقی ضابطے کی اہمیت اس صورت میں اُجاگر ہوتی ہے جب انسان حاکم ہو یا محکوم، بلکہ اکثر وبیشتر تو وہ بیک وقت حاکم بھی ہوتا ہے اور محکوم بھی۔ انسان ان دونوں حالتوں، بلکہ اپنی تمام حالتوں میں اس ضابطے کو روبہ عمل لانے اور اس کی پابندی کا مکلّف ہے؛ تاکہ دنیا وآخرت میں نجات وسلامتی اور سعادت وخوش بختی اس کی رفیق ہو۔

❁ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ: أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا»(۷۸): تم میں سب سے بہتر سب سے اچھے اخلاق والا ہے۔

لوگوں کے اخلاق وعادات پر حکم لگانے کے لیے یہ حدیث ایک قاعدہ ہے کہ جو ہم میں اخلاقی اعتبار سے سب سے اچھا ہوگا، وہی ہم میں سب سے بہتر اور افضل ہوگا۔ اس طرح اخلاق کے عموم کے ساتھ اس کے حسن کا بھی عموم وشمول ہے۔

---

(۷۷) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۲۹۵۵، ۷۱۴۴۔ ومسلم شریف، کتاب الإمارة، حدیث: ۳۸(۱۸۳۹) بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما.

(۷۸) بخاری شریف، کتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حدیث نمبر: ۳۵۵۹، اور مسلم شریف، کتاب الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ، حدیث نمبر: ۶۸(۲۳۲۱) بروایت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما.

رسول اکرم ﷺ یہ وضاحت فرما رہے ہیں کہ انسان کے بہتر اور افضل ہونے کا عنوان اس کے اخلاق ہیں، اسی طرح اس کے بدتر ہونے کا عنوان بھی اخلاق ہی ہیں۔ اس لیے آپ اپنے لیے دنیا و آخرت میں جو عنوان اور شناخت پسند کریں، اسے اپنا لیجیے۔

❋ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ؛حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(۷۹): تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اخلاقی تربیتی قاعدہ اور اخلاق و عمل کا اتنا اہم معیار ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اسے ایمان کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا۔ لہٰذا کسی آدمی کا ایمان اسی وقت مکمل ہو گا جب وہ اس قاعدے اور معیار کے مطابق عمل کرے۔ یعنی اپنے بھائی کے لیے وہ خیر کا خواہاں ہو۔ یہ معیار فطری اور پیدائشی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو خود اپنے لیے جس خیر پسندی کی فطرت پر پیدا کیا ہے، اسی کو اپنے بھائی کے لیے بھی پسند کرے۔

❋ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «...وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ»(۸۰): اور وہ لوگوں کے پاس اس انداز سے آئے جس انداز سے وہ دوسروں کے آنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ لوگوں کے ساتھ معاملے کے سلسلے میں یہ ایک اہم منصفانہ ضابطہ ہے اور جو آدمی دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اپنی عقل اور ضمیر سے کام لے، اس کے لیے اس پر عمل کرنا آسان بھی ہے۔ اسے صرف یہ دیکھنا ہے کہ دوسروں کی طرف سے اسے اپنے لیے کس طرح کے اچھے معاملے اور سلوک کی خواہش ہے، پھر وہ خود کو دوسروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں، اسی خلقِ حسن کا پابند بنا لے جس کی وہ لوگوں سے امید رکھتا ہے۔

حدیث رسول اللہ ﷺ میں وارد ان اخلاقی اصول و ضوابط کی جانب یہ اشارے ہمارے لیے کافی وافی ہیں، ان سے نفسِ سلیم کبھی سیر نہیں ہو سکتا۔

❋ ❋ ❋

---

(۷۹) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۳۔ و مسلم شریف، حدیث نمبر: ۷۱-۷۲(۴۵)، الایمان، بروایت انس رضی اللہ عنہ.

(۸۰) مسلم شریف، کتاب الإمارة، حدیث نمبر: ۱۸۴۴، یہ ایک طویل حدیث شریف کا حصہ ہے۔ اس میں فتنوں کے تذکرے کے بعد یہ ہے: «فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ، وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ؛ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يُؤْمِنُ بِاللهِ، وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ...». جو یہ چاہے کہ اسے جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیا جائے تو اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے پاس اس انداز سے آئے جس انداز سے وہ دوسروں کے آنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

# تیسری فصل

## تحصیل اخلاق کے بنیادی اصول وضوابط

- مقدمہ۔
- اخلاقی اصول وضوابط۔

# مقدمہ

یہ چند باتیں، میں ”اخلاق حسنہ“ کے باب میں ”اصول وضوابط“ کے طور پر تحریر کر رہا ہوں، ان کی کوئی موضوعاتی ترتیب نہیں ہے، بلکہ (اچھے بُرے) اخلاق کے تعلق سے میں نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ در حقیقت اپنی یا دوسروں کی زندگیوں میں موجود خطا وصواب کے مظاہر پر مشاہداتی تبصرے کے طور پر لکھا ہے۔ ان حالات کے مشاہدات وتجربات سے جو کچھ میری سمجھ میں آیا، میں نے اسے لکھ دیا، اس سے قطع نظر کہ یہ بات، میرے کسی پیش رو کی بات کے موافق ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ کسی اور نے بھی ایسی بات لکھی ہے یا نہیں؟

اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ حسنِ اخلاق کے اصول وضوابط کو صرف نظریاتی طور پر نہیں بلکہ عملی طور پر زندگی کے مختلف احوال میں اختیار کیا جائے اور ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔

یہاں کسی بھی ذی ہوش مسلمان پر یہ بات مخفی نہ رہے کہ ان قواعد وضوابط کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی ہدایات وتعلیمات ہی کی روشنی میں اختیار کیا جائے گا؛ ان دونوں کو مضبوطی سے تھامنے اور عمل کرنے والا کوئی بھی انسان راہِ راست سے نہیں بھٹک سکتا، جبکہ اس کی خلاف ورزی کرنے والا غلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

## اخلاقی اصول وضوابط

۱- آپ لوگوں سے ویسا ہی معاملہ کیجیے جیسا آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ سے معاملہ کریں، جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے «...وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ»(۸۱): اور وہ لوگوں کے پاس اس انداز سے آئے جس انداز سے وہ دوسروں کے (اپنے پاس) آنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔

---

(۸۱) اس حدیث کی تخریج حاشیۂ سابقہ میں گزر چکی ہے۔

۲- آپ لوگوں کے لیے وہ چیز پسند کریں جو آپ اپنے لیے پسند کرتے ہیں، اور ان کے لیے بھی اس چیز کو ناپسند کریں جو آپ اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں۔

۳- آپ کے لیے یہ ہرگز درست نہیں کہ آپ اپنے حالات کو دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کے لیے سبب یا عذر بنائیں، خواہ آپ اپنی نظر میں کتنے ہی معذور کیوں نہ ہوں۔

۴- اگر آپ کا مقصد اپنے نفس کی تہذیب وتربیت ہے تو لوگوں کے ساتھ میل جول میں کوئی حرج نہیں، ان کے جن اخلاق وعادات کو آپ ناگوار سمجھیں ان سے آپ پرہیز کریں؛ کیونکہ جس طرح آپ ان کی کچھ باتوں کو ناپسند کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی آپ کی کچھ باتوں کو ناپسند کرتے ہوں گے۔

۵- خود کو نظرانداز کرتے ہوئے محض دوسروں کے اخلاق وعادات پر تنقید مت کیجیے؛ بلکہ پہلے اپنے آپ پر تنقیدی نظر ڈالیے کہ سب سے پہلے آپ اس کے مکلّف ہیں، اس کے بعد دوسروں کی اصلاح کی فکر کیجیے۔

۶- اپنے نفس کی طرف سے کسی ایسی چیز کو قبول اور برداشت مت کیجیے جس پر آپ دوسروں کی مذمت کرتے ہیں کہ یہ بات اللہ تعالی کے نزدیک اور لوگوں کی نظر میں بھی انتہائی بری اور گندی حرکت ہے۔

۷- آپ کی توجہ صرف ظاہری اعمال کی اصلاح پر منحصر نہیں رہنی چاہیے؛ بلکہ اپنے نفس کی اصلاح اور اعمالِ صالحہ کے محرکات کی اصلاح پر بھی توجہ دی جانی چاہیے۔

۸- اگر اللہ تعالی کے لیے عمل کرتے ہیں تو اس راہ میں لوگوں کی مدح وستائش سے دھوکا نہ کھائیں؛ کتنے ہی لوگ ہیں جو اس سے دھوکے میں پڑ گئے اور کتنے ہی لوگ ہیں جن کو وسائل نے مقصد سے غافل کر دیا، یا بالکل ہی ہٹا دیا۔

۹- ان پُر فریب راستوں سے دھوکا مت کھائیے جن کے بارے میں آپ کا گمان ہو کہ وہ نفس کی تربیت واصلاح کے راستے ہیں؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ آپ کے صحابہ اور آپ کے متبعین اور محقق علما کے راستے کی پیروی کیجیے۔ چنانچہ علامہ محمد بن سلام بیکندی نے لکھا ہے ”جس راستے پر رسول اللہ ﷺ نہ چلے ہوں وہ تاریک ہے اور اس پر چلنے والا ہلاکت سے محفوظ نہیں“۔

۱۰- آپ کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آپ کے اوپر کچھ فرائض ہیں، جیسے دوسروں پر آپ کے کچھ حقوق ہیں۔ آپ کو یہ فکر ہونی چاہیے کہ اپنے فرائض معلوم کر کے ان کو ادا کریں، اس لیے کہ ایسا کرنا اپنے حقوق کے حصول کی (ایک اخلاقی) شرط ہے۔

۱۱- اگر کوئی شخص آپ کے ساتھ بدسلوکی و بدتمیزی کرے تو آپ اس بات کو اس کے ساتھ بدسلوکی کا سبب نہ بنائیں، اسی طرح اگر کوئی آپ کے حق میں غلطی کرے تو آپ اس کے غلط طرز عمل کو اس کے حق میں غلطی کرنے کا سبب نہ بنائیں۔

۱۲- اولاد کو ادب سکھانے کی خاطر اپنا ادب قربان نہ کریں اور نہ ہی اولاد کی تادیب میں خود بے ادبی کریں (یعنی شرعی حدود سے تجاوز نہ کریں)۔ ایسا عام طور پر اخلاص کی بنا پر اور اصلاح کی خاطر شدتِ جوش کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس مبالغہ آمیز تصرف کے عملی مظاہر دو باتوں کی وجہ سے ہوتے ہیں: تادیب میں غیر شرعی انداز یا ذریعہ استعمال کرنے کی وجہ سے، یا پھر شرعی انداز کے استعمال میں حد سے تجاوز کرنے کے باعث، خواہ یہ تجاوز مقدار میں ہو یا شرعی اسلوب کو بے موقع استعمال کرنے کے ذریعے۔

۱۳- جاننا چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ معاملے میں آپ کے اوپر کم از کم اتنا لازم ہے کہ آپ اپنی طرف سے عدل و انصاف کریں۔ اگر لوگوں کو آپ سے اپنا حق لینے کے لیے کسی جج اور فیصل کے پاس جانا پڑے تو سمجھ لیں کہ آپ بُرے آدمی ہیں۔

۱۴- اگر آپ اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل میں مجاہدہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو دنیا و آخرت میں ان کی فضیلت اور فائدے کا علم ہونا چاہیے؛ تاکہ آپ کو اندازہ رہے کہ آپ کیا حاصل کر رہے ہیں؟۔

۱۵- آپ کو آئینے کی مانند ہونا چاہیے جس میں آپ کے ساتھیوں کے اخلاق اور آپ کی پڑھی ہوئی تحریروں کے افکار نظر آجائیں، لہٰذا آپ ہمیشہ اچھے دوست اور مطالعے کے لیے اچھی کتابیں منتخب کریں۔

۱۶- آپ مندرجہ ذیل حالات میں اپنے اخلاق پر نظر کر کے اس کی حقیقت کا اندازہ کر سکتے ہیں:

- جب آپ خلوت میں ہوں۔
- جب آپ غصے میں ہوں۔

- جب آپ کسی چیز کے محتاج ہوں۔
- جب آپ بے نیاز ہوں۔
- جب آپ کو کسی پر طاقت وقدرت حاصل ہو جائے۔

۱۷- یہ بات بخوبی جان لیں کہ آپ پر کچھ ایسے اخلاق کا اختیار کرنا ضروری ہے جن کو آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ اپنائیں اسی طرح کچھ ایسے اخلاق کا اپنانا بھی آپ کے لیے ضروری ہے جنھیں آپ دوستوں کے ساتھ برتیں۔

۱۸- کسی پابندی کے بغیر خیر کا کام کریں اور لوگوں کے ساتھ اخلاق فاضلہ اپنائیں۔

۱۹- جس چیز کی آپ کو طلب ہو یا جو کام آپ کریں یا جس بات پر آپ کو یقین واعتماد حاصل کرنا ہو، اگر اس کے بارے میں کسی طرح یقین کرنا ممکن ہو تو محض ظن و تخمین پر اکتفانہ کریں؛ بلکہ اس کے لیے کوئی یقینی اور اطمینان بخش طریقہ اختیار کریں، یقین کے مقام پر ظن و تخمین سے عمل نہ کریں؛ بلکہ ظن و تخمین کے مقام پر یقین حاصل کرنے کی کوشش کریں، آپ اپنے ذہنی میلان پر عمل سے پہلے ہمیشہ اسی طریقے کو استعمال کریں۔

۲۰- ذآپ کے تعلق سے کسی دوسرے کا عمل آپ کو بُرا لگے تو آپ کے دل میں فوری طور پر جو خیال آئے اس کو درست تسلیم نہ کریں، نہ اس کو غلط کار ٹھہرائیں، نہ اس پر تنقید کریں اور نہ ہی غصہ کریں؛ بلکہ پہلے اپنے نفس کو موردِ الزام ٹھہرائیں اور اس کا محاکمہ کریں، ہو سکتا ہے کہ آپ ہی غلطی پر ہوں۔ اگر اپنی کوئی غلطی نظر نہ آئے تو دوسرے کا عذر تلاش کریں؛ کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس کا کوئی معقول عذر ہو اور آپ اسے (خواہ مخواہ) بُرا بھلا کہہ رہے ہوں۔

۲۱- اپنی چھوٹی موٹی غلطیوں پر اپنے لیے کوئی عذر تلاش نہ کریں؛ کہ اس سے بڑی غلطیوں کا راستہ صاف ہو جائے گا (بلکہ ان چھوٹی غلطیوں سے فوراً رُک جائیں)۔

۲۲- اپنی غلطی پر اس حیثیت سے نظر مت کیجیے کہ وہ چھوٹی ہے؛ بلکہ اس کے محرکات واسباب پر غور کیجیے، تاکہ آپ پر اس کی حقیقت واضح ہو سکے۔

۲۳- خوش حالی وفارغ البالی میں اگر آپ حسن اخلاق کو اپنائے ہوئے ہیں تو اس پر مطمئن ہو کر دھوکا نہ کھائیے، یہاں تک کہ پریشانی، غصہ اور ان تمام حالات میں اپنے نفس کا تجربہ نہ کر لیں جن

میں اخلاقِ فاضلہ کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ان (مذکورہ) تمام حالات میں آپ کا حُسن اخلاق یکساں نہ رہا تو سمجھ جایئے کہ خوش حالی وفارغ البالی میں حسنِ اخلاق سے آپ کی وابستگی کوئی کمال کی بات نہیں۔

۲۴- اگر بعض ایسے حالات میں جبکہ حسنِ اخلاق کی سخت ضرورت ہو، وہ آپ کے اندر نہ پایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اخلاقِ فاضلہ سے عاری ہیں۔

۲۵- بعض لوگ اپنے بھائی کے ساتھ حسنِ اخلاق اور ادب کو ضروری نہیں سمجھتے اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ وہ ہمارا بھائی ہی تو ہے۔ کاش میں جان سکتا کہ پھر حسنِ اخلاق کو اور کس کے ساتھ برتا جائے؟

۲۶- کسی کو اس شرط پر دوست نہ بنایئے کہ وہ غلطی نہ کرے، اگر آپ کے دوست نے ایک مرتبہ کوئی غلطی کی، پھر آپ نے اس کے ساتھ اپنا تعلق ختم کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اپنی دوستی اس کے غلطی نہ کرنے کے ساتھ مشروط کر رکھی تھی۔ اس صورت میں آپ کو کوئی دوست نہ ملے گا، مزید یہ کہ اس شرط کے ساتھ خود آپ بھی دوست بنائے جانے کے لائق نہ ہوں گے؛ کیونکہ آپ معصوم نہیں ہیں جیسا کہ دوسرا بھی معصوم نہیں ہے۔

۲۷- جس تربیت میں بوقت ضرورت ڈنڈے کا استعمال نہ ہو، وہ تربیت ناقص ہے، ایسے ہی جس تربیت میں بوقت ضرورت غلطی کرنے والے کو اس کی غلطی کا احساس نہ دلایا جائے اور اس کو مطمئن نہ کر دیا جائے، وہ بھی ناقص تربیت ہے۔

۲۸- اولاد کی تادیب کے وقت آپ ڈنڈا لیے ہوئے ہیں تو اس وقت آپ کو یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ آپ ادب سکھانے والے ہیں، اذیت اور عذاب دینے والے نہیں، پھر جن اخلاق کے مطابق دوسرے کی اصلاح کے لیے آپ ڈنڈا اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے تئیں اپنی ذمے داری بھی یاد رکھیں (کہ آپ ان اخلاق پر خود کتنے عامل ہیں)۔

۲۹- اسلامی اخلاق کی تحصیل کا راستہ اختیار کرنے سے پہلے آپ ان کی فضیلت واہمیت پر غور کریں۔ اگر یہ چیز آپ کو ان سے آراستہ ہونے کے لیے آمادہ نہ کرے تو دنیا وآخرت میں ان (سے رو گردانی) کے عواقب کو سوچیں۔ یہ چیزیں بھی اگر آپ کو اچھے اخلاق سے آراستہ ہونے کے لیے

آمادہ نہ کریں تو دنیا وآخرت میں انھیں نظر انداز کرنے کی نحوست یاد کریں۔ اس سے بھی ان اخلاق سے آراستہ ہونے کی تحریک نہ ملے تو یاد رکھیں کہ ایسے بد اخلاق میں کوئی خیر نہیں ہوتی، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ اگر اس سے بھی آپ کو نفع محسوس نہ ہو تو سمجھ لیں کہ آپ کا کوئی علاج نہیں، سوائے اس کے کہ آپ اپنی فطرت وایمان کا جائزہ لیں اور اللہ تعالی کی طرف رجوع وانابت کا اہتمام کریں۔

۳۰- بہت سے اخلاق فاضلہ نفس انسانی میں پیدائشی ہوتے ہیں اور اسے ان سے قلبی لگاؤ بھی ہوتا ہے، لہٰذا اگر انسان کی فطرت صحیح وسالم ہو اور انحراف کے اسباب سے متاثر نہ ہوئی ہو تو ان سے آراستہ ہونا ممکن ہے۔

اللہ تعالی کی ذات وصفات پر ”ایمان“ اس فطرت کو تقویت بخشتا ہے۔ اگر فطرت میں انحراف پیدا ہو جائے تو ایمان باللہ اس کو درست کر دیتا ہے۔ لیکن اگر فطرت کے انحراف کے ساتھ ایمان باللہ بھی نہ ہو تو پھر اس کا کوئی علاج نہیں۔ اللہ تعالی ایسی حالت سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔

۳۱- اخلاقِ فاضلہ اختیار کرنے کی فضیلت واہمیت کی تائید ایک سے زیادہ اصول وضوابط سے ہوتی ہے۔

اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ آپ سے بہت سارے اچھے اخلاقی سلوک پر عمل کرنے کا مطالبہ ہے، یہ (دراصل) اخلاق فاضلہ کے ایک سے زیادہ قاعدہ وضابطے کا ہی تقاضا ہے۔

۳۲- اسلامی اخلاق تمام تر شریفانہ اخلاقی فضائل ہیں ان اخلاق کا فائدہ دنیا وآخرت میں نہ صرف ان اخلاق سے متصف شخص کو پہنچتا ہے؛ بلکہ وہ شخص بھی مستفید ہوتا ہے جو اس سے معاملہ کرے، اہم یہ ہے کہ ان اخلاق پر حکم الٰہی کی بجا آوری کی نیت سے عمل کیا جائے۔

۳۳- اسلامی اخلاق ان فضائل وخصائل کا مجموعہ ہیں، جن سے نارمل انسان کو اپنے ظاہر میں کردار وعمل کے لحاظ سے آراستہ ہونا چاہیے اور باطن میں ایمان، اعتقاد اور شعور کے لحاظ سے۔ یاد رہے کہ ان اخلاق کے حصول کے مختلف درجات ہیں:

- کچھ ایمان باللہ کی بنیادیں اور اس کے لوازمات ہیں۔

- کچھ فرائض وواجبات کے قبیل سے ہیں۔
- کچھ مسنون اور مستحب درجے کے ہیں۔

۳۴- تعجب اس بات پر ہے کہ انسان ایسی چیز پر فخر کرے جس پر فخر کی کوئی وجہ نہیں، نہ حقیقت میں اور نہ اہل عقل کی نظر میں۔

۳۵- جب انسان اشیاو حقائق کی قیمت لگانے کی صحیح ترازو (اور شعور) سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے تب وہ اپنی عمر کے مختلف مراحل کی ان چیزوں پر فخر کرتا ہے جن میں فخر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اپنے بڑھاپے اور کمزوری کی حالت میں، اس عصا پر بھی فخر کرتا ہے جس کا وہ سہارا لیتا ہے۔ یقیناً یہ ایسی افسوس ناک غلطی ہے جو لوگوں کو غور وفکر، حیرت و تعجب اور عبرت ونصیحت کی دعوت دیتی ہے عقل مند آدمی تو وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

۳۶- سب سے زیادہ سنگین اور خطرناک مخلصین کی وہ غلطی ہوتی ہے جسے وہ دین کی طرف منسوب کریں یا جس کا ارتکاب اس وجہ سے کریں کہ وہ دین کا حصہ ہے؟ اس لیے کہ اس صورت میں غلطی کرنے والا جہالت کی وجہ سے اپنی غلطی ولغزش کو دینِ اسلام اور کتاب وسنت سے مدلل کرنا چاہتا ہے۔ اگر صرف اتنی بات ہو کہ وہ غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے، مگر یہ دعوی نہ کرے کہ یہ اسلام کا حصہ ہے، یا دوسرے لوگ اسے اسلام کا حصہ نہ سمجھیں تو پھر غلطی کی سنگینی ہلکی ہو جاتی ہے۔

۳۷- جائز اسباب اختیار کرنے اور اللہ پر توکل کے بعد غیب کے اندیشوں اور متوقع حوادث سے نمٹنے کی تیاری کے قبیل سے یہ ہے کہ انسان بدترین حالات کو جھیلنے کے لیے اپنے آپ کو تیار رکھے؛ اس لیے کہ یہ بہت مفید اقدام ہے؛ کیونکہ اس طریقہ کار سے تقدیر الٰہی کے المناک فیصلوں کو قبول اور برداشت کرنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

جو شخص اپنے آپ کو اس کے لیے تیار نہیں رکھتا تو اسباب وتدابیر اختیار کرنے کے بعد وہ صرف کامیابی وکامرانی کا متمنی اور سلامتی اور اپنی کوشش میں کامیابی کا ہی امیدوار رہتا ہے۔ پھر اگر اللہ تعالی اس کے لیے اس کی کوشش یا اس کے گمان خیر کے برعکس فیصلہ فرما دیں، تو اس کو ایک دم دھچکا سا لگتا ہے، اس کی ہمت ٹوٹ جاتی ہے اور وہ اللہ تعالی کے فیصلے کو (برضا) تسلیم نہیں کرتا؛ تو

اس کا خسارہ یقینی اور انجام بہت دردناک ہو جاتا ہے۔

۳۸- ہمیں اخلاقِ فاضلہ کو ان کے صحیح مآخذ سے تحقیق و مطالعے کے ذریعے نظری طور پر سیکھنا چاہیے، اور ان کی عملی طور پر عادت ڈالنی چاہیے، ان کے مطابق نفس کا مستقل محاسبہ کرنا چاہیے اور اخلاق فاضلہ کے حاملین کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔

۳۹- معلوم ہونا چاہیے کہ بطور تھیوری و نظریہ محض ان کا مطالعہ کافی نہیں اور نہ ہی ایک دو مرتبہ یا زندگی میں مختصر وقت کے لیے ان کی عملی تطبیق ہی کافی ہے؛ بلکہ ہمہ وقت تطبیق اور ہمیشہ ان کی پابندی ضروری ہے؛ تاکہ آپ صاحبِ اخلاقِ فاضلہ کہے جانے کے مستحق بن سکیں۔

۴۰- یہ بات معلوم رہے کہ جس ذات کے ساتھ سب سے زیادہ ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ آپ کا "رب" ہے جس نے آپ کو پیدا کیا، آپ کو اچھی شکل وصورت بخشی۔ آپ کو ہدایت دی اور رزق عطا کیا۔ اسے آپ کی خلوت وجلوت اور باطن وظاہر کا بخوبی علم ہے، وہ اگر چاہے تو آپ کی پکڑ کر سکتا ہے اور چاہے تو سیئات ومعاصی پر آپ کو سزا دے سکتا ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو جان لیں گے کہ وہی آپ کا اور سارے جہانوں کا رب ہے اور صرف وہی آپ کا "محسن حقیقی" ہے جو آپ کو ہر لمحہ اپنے احسان سے ڈھانکے رہتا ہے۔ اور آپ جان لیں گے کہ صرف وہی آپ کے خفیہ وعلانیہ احوال پر مطلع ہے اور یہ کہ وہی تنہا آپ کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔ آپ کو علم ہوگا کہ وہی اس بات کا سزاوار ہے کہ آپ تمام حالات میں اس کے ساتھ ادب ملحوظ رکھیں، (اور غور کریں گے تو) آپ کو اللہ تعالی کے ساتھ بے ادبی کا اس وقت احساس ہوگا، جب آپ اس کو چھوڑ کر صرف اس کی مخلوق کے ساتھ ادب ملحوظ رکھیں اور اس (خالق) کے ساتھ دوسرا معاملہ کریں، جبکہ خالق کا حق مخلوق کے حق سے زیادہ ضروری ہے۔

۴۱- سخاوت وشرافت، صبر، بردباری اور رحمت وشفقت جیسے اخلاقِ حسنہ یک بارگی نہیں آتے، نہ یہ آسانی سے حاصل ہوتے ہیں اور نہ ہی مختصر وقت میں؛ بلکہ ان کے لیے لمبے زمانے، تدریج، مشق ومزاولت، صبر اور قربانی کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ بہت ضروری اور قیمتی اخلاق ہیں؛ تو (بجا طور پر) اس کے مستحق ہیں کہ ان کی قیمت چکائی جائے، واللہ المستعان۔

۴۲- عقل مند آدمی بعض ایسی باتیں کبھی زندگی کی درسگاہ سے سیکھ لیتا ہے جن کو دے کر اللہ تعالی

انبیا ورسل کو لوگوں کی طرف مبعوث کرتے ہیں اور جن کی یہ حضرات لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور ان کا انھیں قائل کرتے ہیں۔

۴۳- لوگوں کے ساتھ شہد کی مکھی کی مانند بنیے جو سب سے حسین پھول اور سب سے زیادہ پاکیزہ کھیتی پر آکر وہ چیز چنتی ہے جو مفید ہو اور لوگوں کے کام آئے، لوگوں کی بُرائیوں اور غلطیوں کو چھوڑیے۔ اس مکھی کی مانند نہ بنیے جو سب سے گندی چیز پر بیٹھتی ہے، اسے لوگوں میں پھیلاتی اور اس سے زندہ لوگوں کو تکلیف دیتی ہے۔

۴۴- لوگوں کی ایک قسم وہ ہے جو دوسروں میں خیر کے عنصر پر نظر رکھتی ہے، اسی کی بنیاد پر ان سے معاملہ کرتی اور اسے ان میں پھیلاتی ہے، اس قسم کے لوگوں کی مثال شہد کی اس مکھی جیسی ہے جو صرف صاف ستھرے پھولوں اور خوشبو دار پودوں پر بیٹھتی ہے اور ان سے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مفید وکارآمد چیز حاصل کرتی ہے۔

۴۵- جبکہ لوگوں کی ایک قسم وہ ہے جو لوگوں میں شر کے عنصر اور ان کے رذائل پر نظر رکھتی ہے، شر ہی کی بنیاد پر ان کے ساتھ معاملہ کرتی ہے اور اسی کو لوگوں میں پھیلاتی ہے، اس طرح خود کو بھی اور دوسروں کو بھی تکالیف سے دوچار کرتی ہے۔ ان کی مثال اس مکھی جیسی ہے، جو صرف گندی چیزوں پر بیٹھتی ہے، ان کی گندگی ہی کو لوگوں میں پھیلاتی ہے اور زندوں کو اس سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ لہذا آپ پہلی قسم میں سے بنیں، تو آپ خود بھی خوش وخرم رہیں گے اور دوسروں کو بھی مسرّت بہم پہنچائیں گے۔ دوسری قسم میں سے نہ بنیں کہ اس طرح آپ بھی پریشان ہوں گے اور دوسروں کو بھی پریشانی میں ڈالیں گے۔

۴۶- حاسد، چغل خور، غیبت کرنے والا، اور بد زبان : یہ سب لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسروں سے انتقام لے رہے ہیں اور اس سچائی کو بھول جاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور وہ بھی آخرت سے پہلے اسی دنیا میں؛ کیونکہ ان کی یہ حرکت ان کو نفسیاتی اور جسمانی امراض، دنیا وآخرت کے عذاب اور رسوائی میں مبتلا کر دیتی ہے۔

۴۷- تمام لوگوں کے ساتھ اپنے دوستوں یا اپنے جان پہچان والوں جیسا معاملہ کیجیے؛ اس لیے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ جس کو پہچانتے ہیں اس کا احترام بھی کرتے ہیں اور اس سے شرماتے

بھی ہیں، جبکہ اجنبی اور انجان شخص سے شرم محسوس نہیں کرتے۔

۴۸- سیادت و قیادت کے ذریعے ادھورا انسان (زبردستی وبہ تکلف) کامل بننے کی کوشش کرتا ہے، حالانکہ (درحقیقت) سیادت و قیات اس کے نقص کو مزید بڑھا دیتی ہے۔

۴۹- اگر آپ اپنے ساتھ بدتمیزی کرنے والوں میں سے اکثر کی حالت پر غور کریں تو جس اخلاقی پستی میں وہ مبتلا ہیں، وہ آپ کو انھیں سزا دینے سے روک دے گی، آپ ان کو (جس اخلاقی پستی میں وہ گرے ہوئے ہیں) اس سے زیادہ سزا دینے میں دلچسپی ہی نہیں رکھیں گے اور آپ اس حالت میں اپنے اوپر اللہ تعالی کی نعمتوں کا مشاہدہ کریں گے۔

۵۰- اچھے اخلاق سے لوگوں میں اچھے اخلاق پھیلتے ہیں اور بُرے اخلاق سے بُرے اخلاق۔

۵۱- حسنِ اخلاق بذاتِ خود مقصود ہے، نیز وہ ساتھ ہی ساتھ ایک کامیاب تربیتی تدبیر بھی ہے؛ کیونکہ جب انسان دوسروں کے ساتھ حسنِ اخلاق کا معاملہ کرتا ہے تو وہ ان میں بھی حسنِ اخلاق (پیدا کرنے) کا سبب بنتا ہے، جیسے بداخلاقی کا معاملہ کرنے سے لوگوں میں بداخلاقی پھیلتی ہے۔

۵۲- بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حسنِ اخلاق لوگوں میں ایک ہی شخص کی طرف سے ہوا کرتا ہے، اور دوسری طرف والے کو اس سے مستثنی کر دیا جاتا ہے، مگر یہ خیال ہرگز درست نہیں؛ اس لیے کہ زندگی ایک کے حسنِ اخلاق، ادب و احترام اور دوسرے کے مسلسل بداخلاقی کرنے سے استوار نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں حسنِ اخلاق قائم و دائم ہی نہیں رہ سکتا؛ بلکہ اس صورت میں قوی ترین عنصر غالب آ جائے گا خواہ اخلاقِ حسنہ ہوں یا اخلاق سیئہ۔

اس تناظر میں ہر شخص کی ذمے داری کی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے، قبل اس کے کہ وہ دوسروں کی بابت اپنا حق تلاش کرے۔

۵۳- احقر کی بڑی خواہش ہے کہ کاش کمال عقل وخرد کے لیے ”انجمنیں اور سیمینار“ منعقد کیے جائیں؛ کیونکہ یہ کمال جسم کے لیے قائم کیے جانے والے ”کلبوں“ سے بدرجہا بہتر اقدام ہوگا۔

۵۴- کیا ہی اچھا ہو اگر مدارس، اسکول اور تعلیمی ادارے، مختلف تعلیمی مراحل میں بہ شمول جامعات ویونیورسٹیاں تعلیمی مضامین کو جدید بنا کر اور مختلف طریقوں کو استعمال کرکے عقل وذہن کی تربیت پر توجہ دیں، باہمی گفتگو اور مناظرہ ومباحثے کے مضمون میں نظریاتی پہلو سے زیادہ عملی

گوشے پر توجہ دی جائے۔ مثلاً طلبہ کے درمیان وقتاً فوقتاً مباحثہ ومناقشے کے پروگرام کرائے جائیں، جن میں حکم اور جج ہوں، کامیاب طلبہ کو انعامات سے نوازا جائے، اور (مختلف طریقوں سے) ہمت افزائی کی جائے۔

٥٥- آپ کوشش کریں کہ آپ بچے نہ بنیں؛ کیونکہ میں نے بہت سے بڑی عمروں کے بچے دیکھے ہیں جن میں سے بعض کی عمر پچاس سال تک تھی۔

٥٦- جب عمل میں نفس کا دنیاوی حظ ختم ہو جائے تو اخلاص آ جاتا ہے اور جب اخلاص کے ساتھ حق وصواب بھی مل جائے تو نصاب مکمل ہو جاتا ہے۔

٥٧- جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور اپنی عقل کو حکم بنائے تو اس کی زبان گفتگو میں محتاط ہو جاتی ہے۔

٥٨- کوتاہ عمل کو اپنی کوتاہی اور عمل والے کو عمل کی افادیت ختم کر دینے والی چیزوں پر غور کرتے رہنا چاہیے۔

٥٩- انسان اپنے آپ کو سب سے زیادہ جانتا ہے؛ اس لیے جب لوگ تعریف کریں تو اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔

٦٠- ضروریات کی تکمیل کا سب سے مختصر راستہ توجہ الی اللہ ہے۔

٦١- ہمیشہ اپنے نفس کو متہم وملزم ٹھہراؤ (اور اپنے نفس پر کبھی بھی بھروسا کرکے مطمئن مت ہو جاؤ)؛ اس لیے کہ بہت سے لوگوں پر تباہی اپنے بارے میں خوش فہمی کی وجہ سے ہی آئی ہے۔

٦٢- اگر آپ کا نفس اپنی لذت کے لیے کسی چیز میں اٹک جائے اور آپ اس کا ارادہ ونیت اللہ کی طرف نہ پھیر سکیں تو نفس کو اس چیز سے روک دیں؛ کہ یہی اس کا علاج ہے۔ پھر اگر للہ فی اللہ اس کا حصول وترک دونوں آپ کی نظر میں برابر ہو جائیں تو سمجھیے کہ آپ نے اپنی خواہش پر فتح پالی۔

٦٣- انسان اور حیوان کے درمیان حدّ فاصل "علم" ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ "ایمان اور عمل" بھی ہو۔

٦٤- ایسا لگتا ہے کہ متعصب لوگوں کی نظر میں تعصب، عدمِ تعصب کا درجہ رکھتا ہے؛ اس لیے کہ اگر

آپ ان کے ساتھ تعصب میں شامل نہ ہوں (اور ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں) تو وہ آپ کو ہی تعصب کا الزام دینے لگتے ہیں!

۶۵- ہمیشہ یہ بات یاد رکھیں کہ آپ تمام انسانوں سے افضل اور بہتر نہیں ہیں، نہ سب سے زیادہ "صاحب علم" اور نہ "صاحبِ عقل"۔ یہ احساس بہت سے مکارمِ اخلاق سے آراستگی اور متعدد اخلاق رذیلہ سے حفاظت کے لیے بہت اہم ہے۔ بہت سے لوگ اس بنا پر راہِ راست سے منحرف ہو گئے کہ اپنے زعم میں وہ سب سے افضل، سب سے زیادہ نیک، سب سے زیادہ صاحبِ علم اور سب سے زیادہ عقل مند تھے۔

۶۶- جس چیز میں عذر کی گنجائش ہو، اس میں لوگوں کو معذور سمجھیے اور اپنے آپ کو اس خصلت کا عادی بنائیے؛ یہ طرز فکر و عمل شرافتِ نفس اور کشادہ ظرفی کے اعلیٰ معانی و مفاہیم میں سے ہے۔ خود کو غیر ضروری سختی، اکھڑپن، غیظ و غضب اور دوسروں کی طرف سے سرزد ہونے والی ہر غلطی پر ضرورت سے زیادہ حساس ہونے سے بچائیے، بالخصوص ذاتی حقوق و مفادات کے حوالے سے؛ بلکہ غلطی کے احساس کے ساتھ ساتھ غلطی کے مرتکبین کے حالات اور ان کے اعذار کو سمجھنے کی کوشش کیجیے، جو شرعاً اور عقلاً قابل قبول ہو سکتے ہیں۔

۶۷- اگر آپ اخلاقِ فاضلہ حاصل کرنا اور اخلاقِ سیئہ سے بچنا چاہتے ہیں، تو قرآن کریم کی آیات میں غور و فکر کیجیے، اس میں اللہ تعالی کی جو تعلیمات اور احکام ہیں، ان پر عمل کیجیے اور جو منہیات ہیں ان سے اجتناب کیجیے۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر بھی غور و فکر کیجیے۔ جس نے اس پر عمل کر لیا اور اپنی زندگی میں اس کی پابندی کی تو وہ اخلاقِ فاضلہ حاصل کر لے گا اور اخلاقِ سیئہ سے محفوظ ہو جائے گا، وہ بلاشبہ ہدایت یافتہ اور صراطِ مستقیم پر ہو گا۔

خلاصہ یہ کہ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کے اخلاق اختیار کیجیے تو آپ سب سے اچھے اخلاق والے بن جائیں گے۔

۶۸- علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں "جو شخص فضائل و محاسن سے ناواقف ہو، اسے صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات پر اعتماد کرنا چاہیے کہ ان میں تمام

فضائل مندرج ہیں‘‘(۸۲)۔

۶۹- فکر وخیال، ارادہ وعمل کی ابتدا ہے۔

۷۰- اس لیے فکر وخیال اور آرزو کو معمولی نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ ان کے بارے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہیے، ان کی نوعیت میں غور کرنا چاہیے کہ وہ خیال اچھا ہے یا بُرا؟ اسی طرح یہ کہ وہ سوچ اور آرزو اچھی ہے یا بُری؟ اگر فکر وخیال اچھا ہو تو اسے فروغ دیا جائے اور اگر بُرا ہو تو اس کے مقابل اور ضد والے خیال کے ذریعے اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس لیے کہ آگ عموماً چنگاری ہی سے شروع ہوتی ہے اور ’’شر‘‘ کا آغاز بھی اکثر ایک خیال یا فکر سے ہوتا ہے جو آدمی کو پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے جیسا کہ ’’خیر‘‘ (نیکی) بھی ابتدا میں ایک خیال ہی کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

آپ کے نفس کا رخ، خیر کی طرف ہے یا شر کی طرف، آپ اس چیز کو اپنے افکار وخیالات اور خواہشات سے پہچان سکتے ہیں۔

آپ اپنے نفس سے تبھی مطمئن ہوں جب اس کا رخ ظاہر وباطن ہر اعتبار سے خیر کی طرف ہو۔

۷۱- اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات ہمیں اپنے اقوال سے بے نیاز کرنے کے لیے کافی ہیں، کیونکہ ہمارے اقوال تو محض خیالات ہی ہیں۔

وآخر دعوانا أنِ الحمدُ لله ربّ العالمين.

* * *

---

(۸۲) الأخلاق والسير في مداواة النفوس، ابن حزم: ص ۷۹.

# چوتھی فصل

## اخلاق کی تقسیم

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

تمہید۔

**پہلی بحث:** اخلاق کی تقسیم: اصول و فروع۔

**دوسری بحث:** متعلق کے اعتبار سے اخلاق کی تقسیم اور ہر قسم کی اہمیت۔

- اللہ تعالی کے ساتھ اخلاق۔
- انسانوں کے ساتھ اخلاق۔
- اپنے نفس کے ساتھ اخلاق۔
- اللہ کی دیگر مخلوقات کے ساتھ اخلاق۔

**تیسری بحث:** مختلف متعلقات کے اعتبار سے اخلاق کی بنیادی تقسیمیں۔

# تمہید

انسان کے لیے لازم اخلاق کی تقسیم کا مسئلہ مختلف اعتبارات سے مختلف حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اخلاق کی ایک تقسیم اصول وفروع کے اعتبار سے ہے۔ انسان کو کن کن لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے اس اعتبار سے بھی اخلاق کی ایک تقسیم ہے، اسی طرح معاشرے میں انسان کے مقام ومرتبے اور معاشرے سے تعلقات کی نوعیت کے اعتبار سے بھی اخلاق کی ایک تقسیم ہے۔ اس کے علاوہ بھی چند تقسیمات ہیں۔

جب اخلاق کی اتنی متعدّد تقسیمیں موجود ہیں تو ان سے واقفیت کی بھی اپنی ایک اہمیت ہوئی؛ کیونکہ یہ واقفیت انسان کو اس کے لیے لازم اور ضروری اخلاق سے آگاہ کرتی ہے اور جن سے ان اخلاق کا تعلق ہے اس کا بھی علم بخشتی ہے۔ ایک عقل مند انسان سے توقع یہ کی جاتی ہے کہ جب وہ کسی چیز کی اہمیت سے واقف ہو جائے تو اس کی کماحقہ قدر کرے اور جب صاحب حق کو پہچان لے تو اس کا حق ادا کر دے۔

اسی وجہ سے راقم الحروف اگلے صفحات میں مکارمِ اخلاق سے بہرہ مند ہونے کے لیے اہمیت کے حامل بعض گوشوں کی وضاحت کے مقصد سے اخلاق کی بعض تقسیموں کی مختصر تشریح کر رہا ہے۔

* * *

# پہلی بحث

## اخلاق کی تقسیم : اصول اور فروع

### اخلاق کے اصول و فروع :

سارے کے سارے اخلاق نہ تو فروع ہیں اور نہ ہی اصول، بلکہ کچھ اصول ہیں اور کچھ فروع۔ ذیل میں ان دونوں اقسام کا تعارف دیا جا رہا ہے :

اخلاقِ حمیدہ کے کچھ اصول ہیں اور اخلاقِ ذمیمہ کے بھی، پھر فروع اصول کے تابع ہیں۔ جو شخص اخلاقِ حمیدہ کے اصول حاصل کر لے، اس کے لیے فروع سے آراستہ ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

اصولِ اخلاق کی تعیین میں اختلاف ہے، لیکن غالباً یہ ایک "متفق علیہ چیز" کے متعلق "تعبیر" کا اختلاف ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصولِ اخلاق کو اس رائے کے مطابق بیان کیا جائے جس کے مطابق اخلاقِ حمیدہ کے اصول نو ہیں (۸۳)، اور ان میں سے ہر ایک کی ضد اخلاقِ سیئہ کے اصولوں میں سے ایک اصول شمار ہوتا ہے۔ تفصیل یہ ہے :

| اخلاقِ حمیدہ کے اصول | اخلاقِ ذمیمہ کے اصول |
|---|---|
| ۱- حق کی محبت اور اس کی ترجیح | اس کی ضد |
| ۲- رحم و کرم، اس کی فروع اور اس کی ترجیح | اس کی ضد |
| ۳- قوتِ ارادی | اس کی ضد |
| ۴- اجتماعی محرک | اس کی ضد |

---

(۸۳) شیخ عبد الرحمن حَبَنَّکَہ نے لکھا ہے کہ تتبع و استقرا کے بعد وہ ان اصول تک پہنچے ہیں، پھر انھوں نے ان اصول و فروع کے ظواہر پر ترکیز کرتے ہوئے ان کی کافی وافی تشریح بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب "الأخلاق الإسلامية وأسسها": ۱/ ۴۷-۷۶۴ اور ۲/ ۱-۵۸۶۔

| | |
|---|---|
| ۵- دوسروں کے لیے محبت | اس کی ضد |
| ۶- صبر، اس کی فروع اور اس کے مظاہر | اس کی ضد |
| ۷- سخاوت سے محبت، اس کی فروع و مظاہر | اس کی ضد |
| ۸- کشادہ ظرفی | اس کی ضد |
| ۹- بلند حوصلگی | اس کی ضد |

ان اصول و فروع سے واقفیت کے بعد انسان، ان کے بارے میں اپنا محاسبہ اور ان کی پابندی کی مقدار کا مراقبہ کر سکتا ہے۔ پھر یہ انتہائی مفید ہے کہ انسان ان میں سے ہر ایک اصل کے معنی و مفہوم کے تتبع، اس کی تنفیذ و تطبیق، اس کی فروع اور عملی مظاہرے، نیز ان تمام باتوں میں اپنی گرفت کے لیے پوری تندہی سے محنت کرے؛ تاکہ اس کو حاصل کر سکے، پھر دوسری اور تیسری کو اصل، تاآں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر لے۔

## اخلاق حمیدہ کی ایک اصل کے متعلق مختصر گزارش :

حق و صواب کی محبت اور اس کو ترجیح دینا اخلاق حمیدہ کے اصولوں میں سے ایک ہے۔ ذیل میں اس کے متعلق اختصار سے گفتگو کی جارہی ہے :

### حق و صواب کی محبت کے مظاہر و فروع :

حق و صواب کی محبت کے مظاہر و فروع کا احاطہ کرنا مشکل ہے، بطور مثال چند یہ ہیں :

- حق کا اعتراف اور اس کو قبول کرنا۔
- سچائی و راست گوئی۔
- امانت و دیانت۔
- عہد و پیمان اور وعدے کی پختگی و راستی۔
- عدل و انصاف۔
- متعدد اور نت نئے مواقع میں حق کی طرف رجوع بالخصوص اختلاف اور تنازع کے مواقع پر۔ حق سے روکنے والے محرکات خواہ کتنے ہی طاقتور ہوں، پھر بھی انسان حق کی طرف رجوع کرے (اور اس پر قائم رہے) تو یہ اس کی حق سے والہانہ محبت و وابستگی کی بڑی دلیل ہے۔

## حق کے اعتراف اور اس کو قبول کرنے کا مطلب :

حق کے اعتراف اور اس کو قبول کرنے کا ایک مطلب ہے صاحب کمال کے کمال کا اعتراف؛ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

کسی صاحب کمال کے کمال کا انکار کرنا مثلاً صاحب علم کے علم کا اعتراف نہ کرنا اور صاحب حق کے حق کا انکار کرنا، اس انسان میں مذموم اخلاقی خصلت کی موجودگی کی دلیل ہے۔

سب سے زیادہ خسیس، کمینہ، بے انتہا قابل ملامت اور اخلاقی لحاظ سے انتہائی گرا ہوا وہ شخص ہے جو والدین کے فضائل و کمالات اور احسانات کا انکار کرے، انھیں قبول نہ کرے اور ان کا اس کے اوپر جو حق ہے، اسے ادا نہ کرے۔

اس سے بھی بدتر وہ شخص ہے جو انبیا و رسل کی رسالت و نبوت کا انکار کرے، ان کا اقرار نہ کرے اور نہ ہی دلائل و براہین واضح ہونے کے باوجود سر تسلیم خم کرے۔ اس سنگین اخلاقی جرم کی ایک خاص علامت و پہچان ہے جس کا نام اور عنوان ”کفر“ ہے۔

اس سے بھی زیادہ خسیس، شنیع اور قبیح یہ ہے کہ اللہ کے وجود کا انکار کیا جائے اور اس بات کا اقرار نہ کیا جائے کہ وہی خالق، رازق اور موت و زندگی کا مالک ہے، جو ”خیر“ پر جزائے خیر اور انعام دیتا ہے اور ”شر“ پر جزائے شر اور گرفت کرتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالی نے اپنے وجود اور اپنی صفات کے دلائل ہر مخلوق میں بکھیر دیے ہیں۔

اللہ تعالی کے وجود، اس کی صفات، اس کے اسما اور اس کی عظیم نعمتوں کا انکار؛ دناءت و کمینگی، انتہائی ذلت و حقارت اور حد درجہ گھناؤنی اخلاقی بُرائی ہے؛ کیونکہ یہ ”وجود“ کی سب سے بڑی ”حقیقت“ کا انکار ہے۔ اسی طرح زندگی، عقل و ارادہ اور زندگی کے دیگر تمام انعامات و خوبیوں کا انکار ہے، اور ایسے ”محسن“ کا انکار ہے جو اپنی ذات پر ”ایمان“ لانے اور اپنی ”اطاعت“ کی پابندی پر جزائے عظیم دیتا ہے۔

بلاشبہ! (جانتے بوجھتے) یہ انکار بدترین ”اخلاقی پستی“ کی دلیل ہے“(۸۴)۔

”حق کی محبت“ اور اس کو ترجیح دینے کا وصف لوگوں کے اندر الگ الگ درجات میں پایا جاتا ہے، اسی طرح ”حق سے عدم محبت“ بھی لوگوں میں مختلف درجات میں پائی جاتی ہے۔

---

(۸۴) الأخلاق الإسلامية وأسسها، شیخ عبدالرحمن حَبَنَّكہ : ۱/۴۷۸-۴۷۹۔

جس حق سے محبت کرنا، اس کو ترجیح دینا اور اس کا اقرار کرنا ضروری ہے، اس کے (بھی مختلف) درجات ہیں، ان میں اعلیٰ ترین درجہ اس بات کی شہادت دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اس کے بعد اس شہادت کے تقاضے اور لوازم ہیں، پھر حق کے تئیں ان لوازم کے مختلف درجات ہیں۔

اس کے بعد کا درجہ، اصولِ اخلاق میں سے اس اصل کی ترجمانی کرتے ہوئے، اس اصل کی بقیہ فروع اور اس کے مختلف المراتب مظاہر کا ہے، مثلاً:

- جو حسنِ سلوک کا مستحق ہو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔
- جو رحم وکرم کا مستحق ہو اس پر رحم وکرم کرنا۔
- جو ہمدردی وغم خواری کا مستحق ہو اس کے ساتھ ہمدردی وغم خواری کرنا۔
- صاحب حق کو اس کا حق دینا۔

یہ سب باتیں اصول اخلاق میں سے مذکورہ بالا اصل (حق وصواب کی محبت اور اس کو ترجیح دینے) کو اخلاق کے طور پر اپنانے کی فرع اور اس کا مظہر ہیں۔

جبکہ اس میں سے کسی ایک چیز کا انکار اخلاقِ ذمیمہ کے اصول میں سے ایک اصل کا مظہر ہے اور وہ حق سے نفرت، اس کے انکار اور اس کو ترجیح نہ دینے سے عبارت ہے۔ اس اصل کے تحت اللہ کا انکار کرنا، والدین کی نافرمانی، جھوٹ، خیانت، ظلم، بے رحمی، نفاق اور حقوق ادا نہ کرنا آتا ہے، خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو، علاوہ ازیں ان اخلاق کے دوسرے عملی مظاہر بھی ہیں۔

* * *

# دوسری بحث

## متعلق کے اعتبار سے اخلاق کی تقسیم اور ہر قسم کی اہمیت

- تمہید۔
- اللہ تعالی کے ساتھ اخلاق۔
- انسانوں کے ساتھ اخلاق۔
- اپنے نفس کے ساتھ اخلاق۔
- اللہ کی دیگر تمام مخلوقات کے ساتھ اخلاق۔

# تمہید

اخلاق سے منسلک رشتوں کے اعتبار سے انسان کے جملہ اخلاق کی اقسام درج ذیل ہیں :

- اللہ تعالی کے ساتھ اخلاق۔
- انسانوں کے ساتھ اخلاق۔
- اپنے نفس کے ساتھ اخلاق۔
- اللہ کی دیگر تمام مخلوقات کے ساتھ اخلاق۔

جب انسان اپنے ربّ خالق سبحانہ کے تعلق سے، انسانوں کے تعلق سے، اپنے نفس اور اللہ کی دیگر مخلوقات کے تعلق سے واجب اخلاق و معاملات کو انجام دے، تو وہ اس عمل کے سبب اخلاق حمیدہ کا حامل بن جاتا ہے۔ اب انسان اور مکارم اخلاق کے درمیان صرف یہ چیز باقی رہتی ہے کہ اسے اللہ کے ساتھ، انسانوں کے ساتھ، اپنے نفس کے ساتھ اور دوسری مخلوقات کے ساتھ معاملے کی نوعیت کا صحیح علم ہو، پھر اس کی پابندی اور عمل پیرا ہونے کا مرحلہ ہے۔

ذیل میں ان تمام حالات میں معاملہ کرنے کے اصول و قواعد کی طرف مختصر سا اشارہ کیا گیا ہے :

## اللہ تعالی کے ساتھ معاملے کے اخلاق :

انسان پر اللہ تعالی کا حق علی الاطلاق سب سے بڑا اور اس کے ساتھ ادب بجالانا سب سے ضروری فریضہ ہے؛ کیونکہ وہی خالق ہے، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے ماسوا سب مخلوق ہیں۔ اس لیے خالق اور مخلوق کا حق کسی حال میں برابر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی خالق اور مخلوق کا ادب یکساں ہو سکتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالی ہی خالق ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی طرح اس معنی و مفہوم کے تقاضے کے مطابق صرف اللہ تعالی ہی کی عبادت، شکر گزاری اور ادب بھی لازم ہے۔

## اللہ تعالی کے ساتھ معاملے کے اصول :

اللہ کے ساتھ معاملے کے اصول کا خلاصہ یہ ہے :

- اس پر پختہ ایمان لانا۔
- اسماوصفات میں اس کی توحید، اور صرف اسی کی عبادت کرنا۔
- اس کی فرماں برداری کا التزام، نافرمانی سے اجتناب کرنا، اور اس بات کا اہتمام کرنا کہ جہاں اللہ تعالی نے موجود رہنے کا حکم دیا ہے، وہاں وہ بندے کو غائب نہ پائے اور جہاں سے منع کیا ہے، وہاں وہ اسے نہ دیکھے خواہ غائبانہ حالت میں ہو یا حضوری کی حالت میں، خفیہ طور پر ہو یا علانیہ اور تنگی میں ہو یا آسانی میں۔
- اللہ کے شعائر اور حرمات کی تعظیم اور اس کی شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اس کی کتاب، اس کے نبی ﷺ کی حدیث کا احترام کرنا، ان دونوں کا ادب اور ان دونوں کو ماننا، مگر یہ ماننا ان کی نصوص کے معانی کے مطابق ہو، جس میں نہ غلو ہو اور نہ ہی فہم و عمل میں افراط و تفریط ہو۔
- اس کے دین کو سمجھنا، اس پر ایمان اور اس کی پابندی پر پوری توجہ دینا۔
- اس کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی حدیث کے مطابق اللہ تعالی کی عظمت دل میں رکھنا، ہر نقص سے اس کی تنزیہہ (ہر نقص سے پاک سمجھنا) اور اس کی وہی صفت بیان کرنا جو اس نے خود بیان کی ہے، اور ان تمام باتوں پر پختہ اعتقاد و یقین رکھنا۔
- اللہ سے راضی رہنا اور اس کی قضاوقدر پر قانع و مطمئن رہنا۔
- اللہ کی سب سے زیادہ محبت اور سب سے زیادہ تعظیم کرنا۔
- ہمہ وقت اس کا ذکر اور شکر ادا کرنا۔
- اچھی طرح اس کی عبادت کرنا۔
- اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان پر ظلم وزیادتی نہ کرنا۔

- اللہ سبحانہ و تعالی کے ساتھ اس کے شایانِ شان حسن ظن رکھنا۔

## انسانوں کے ساتھ معاملے کے اخلاق :

انسانوں کے ساتھ باہمی معاملات میں انسان کے اخلاق، اللہ تعالی کے ساتھ اس کے معاملے کے تابع ہیں۔ چنانچہ رب کے ساتھ ادب ملحوظ رکھنے والے کے لیے اس کی مخلوق کے ساتھ ادب برتنے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور نہ ہی اسے اس کی شریعت کی اتباع اور باہمی معاملات میں، بندوں پر فرض کردہ احکام کی تعمیل سے فرار کی کوئی گنجائش ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ معاملے کے تعلق سے لازم ہونے والے اخلاقِ حمیدہ کے لیے اس پر تین چیزیں ضروری ہیں :

- اللہ تعالی کا حق اور اس کی شریعت کا حق۔
- اس پر اپنے بھائی کا حق، حقوق کے درجات میں تفاوت کا لحاظ کرتے ہوئے۔
- دنیا و آخرت میں انسان کی اپنی بھلائی کا تقاضا ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے اور ان کی ایذا رسانی سے گریز کرے۔

## انسانوں کے ساتھ معاملے کے اصول :

ایک انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملے کا خلاصہ درج ذیل امور ہیں :

- اس کا تعلق لوگوں کے ساتھ، اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کی بنیاد پر ہو، اس طرح ان کے ساتھ تعلق، اللہ کی خاطر ہو جائے گا۔
- اس کا لوگوں کے ساتھ تعلق، شریعت اور باہمی تعلق کے سلسلے میں، بندوں پر لازم شدہ خدائی احکام کے تابع ہو۔

جب لوگوں کے مابین تعلقات اللہ تعالی کی خاطر اور شریعت کے تابع ہوں گے تو یہ تعلقات ان کے لیے دنیا و آخرت میں خیر و برکت کا ذریعہ ہوں گے۔ تب لوگوں کے درمیان مکارم اخلاق کا فروغ ہو گا اور اخلاق رذیلہ کا خاتمہ ہو جائے گا، مثلاً :

- ان کے درمیان محبت کا دور دورہ ہو گا، اور نفرت و کینہ دور ہو جائیں گے۔

- باہمی احترام کا سایہ ہو گا اور باہمی تحقیر کا عنصر غائب ہو جائے گا۔
- اتحاد و ہم آہنگی چھا جائے گی اور اختلاف نظر نہ آئے گا۔
- باہمی تعاون کا جذبہ عام ہو گا، انانیت و خود غرضی اور قتل و قتال کا خاتمہ ہو جائے گا۔
- اپنے نفس کے تعلق سے انصاف اور اس کو مورد الزام ٹھہرانے کی روایت عام ہو گی اور اپنے آپ کی براءت اور دوسرے کو الزام دینے کا سلسلہ موقوف ہو جائے گا۔
- خیر عام ہو جائے گی اور شر مضمحل ہو جائے گا۔
- عمل کا ماحول بن جائے گا اور کج بحثی ختم ہو جائے گی۔
- حسنِ سلوک عام ہو گا، بد سلوکی اور غلط روی ختم ہو جائے گی۔
- ایثار و قربانی کی روایت عام ہو گی اور مفاد پرستی کا مرض دب جائے گا۔
- سچائی جلوہ گر ہو جائے گی اور جھوٹ خود رخصت جائے گا۔
- عدل وانصاف سایہ فگن ہو گا اور ظلم و ناانصافی کے سیاہ بادل چھٹ جائیں گے۔
- مالِ حرام کو چھوڑ دینے کا جذبہ عام ہو گا اور حرام طریقوں سے مال جمع کرنے کے حربے اور ترکیبیں دم توڑ جائیں گی۔
- حقوق کی ادائیگی کی سیرت و خصلت رواج پا جائے گی اور حقوق کی پامالی اور عدم ادائیگی کے واقعات پیش نہ آئیں گے۔
- اچھے کاموں کا دور دورہ ہو گا اور برے اعمال پر قدغن لگ جائے گی۔
- آخرت کا خیال عام ہو جائے گا اور دنیائے فانی کے لالچ اور بخل کا خاتمہ ہو جائے گا۔

تب لوگ دنیا میں بھی راحت و آسائش سے رہیں گے اور آخرت میں بھی اور وہ اپنی زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی سراپا برکت ورحمت ثابت ہوں گے۔

تب انسانی عمر اور مساعی میں برکت ہو گی، وقت اور محنت دونوں کی بچت ہو گی، مقدمہ بازی اور لڑنا جھگڑنا کم ہو جائے گا، عدالت اور پولیس والوں کی ضرورت بھی کم رہ جائے گی۔

## اپنے نفس کے ساتھ پیش آنے کا اخلاق :

اپنے نفس کے ساتھ معاملہ اللہ تعالی کے ساتھ معاملے کی کیفیت کے تابع ہے؛ لہٰذا جو شخص

اللہ تعالی سے زیادہ نزدیک ہو گا، اپنے نفس پر ظلم کرنے سے زیادہ دور ہو گا اور جو اللہ تعالی کے ساتھ باادب ہو گا وہ اپنے نفس کو بھی مؤدب رکھے گا۔

## اپنے نفس کے ساتھ انسان کے معاملے کے اصول :

انسان کے اپنے نفس کے ساتھ معاملے کے اصول کا خلاصہ درج ذیل ہے :

- یہ معاملہ خالص اللہ کے لیے ہو۔
- یہ معاملہ شریعت کے مطابق ہو۔

تب انسان کا اپنے نفس کے ساتھ معاملہ درج ذیل امور کے مطابق ہو گا :

- اپنے نفس کو اللہ کا حقیقی غلام اور تابع بنانا اور اس پر اللہ تعالی کی شریعت کو نافذ کرنا۔
- نفس کو اللہ تعالی کے لیے اخلاصِ عمل کا ہر حال میں پابند بنانا۔
- نفس کو اللہ سے، اس کی قضا و قدر پر رضامندی کا پابند بنانا۔
- نفس کو اللہ سبحانہ کے ادب کا اس طرح پابند بنانا، جس کی وضاحت اس کی بحث میں گزر چکی ہے(۸۵)۔
- نفس کو انسانوں کے اور اللہ جل وعلا کی تمام مخلوقات کے ساتھ ادب اور حسنِ خلق کا پابند بنانا، جیسا کہ اس کی تفصیل اس کی بحث میں گزر چکی ہے(۸۶)۔
- اپنے نفس پر کسی بھی قسم کے ظلم سے بچنا خواہ یہ ظلم و زیادتی خلافِ شرع اور صراطِ مستقیم کے حدود سے تجاوز کرتے ہوئے خواہشاتِ نفس کی اتباع کی وجہ سے ہو یا نفس کو ان لذتوں سے روک دینے کی شکل میں ہو جن کی شریعت میں اجازت ہے یا جو شرعاً لازم ہیں یا پھر ہمارے دین میں موجود گنجائش کو اختیار کرنے سے نفس کو روک دینے کے ذریعے ہو۔
- نفس کو اس سے کمتر قیمت میں فروخت نہ کرے؛ اس لیے کہ وہ انتہائی بیش قیمت ہے، لہذا بقول علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ ”جنت“ سے کم قیمت پر اس کو فروخت نہ کیا

---

(۸۵) یعنی اللہ کے ساتھ معاملے کے اخلاق کے ذیل میں.

(۸۶) یعنی انسانوں کے ساتھ معاملے کے اخلاق کے ذیل میں.

جائے، تب یہ ”نفس“ مومن، نیک، اللہ کا عبادت گزار، اس کے حکم کے آگے سرنگوں اور خیر پر کاربند ہوگا؛ ”خیر“ اس کی خصلت اور طبیعت بن جائے گی جس سے ”شر“ کا صدور نہ ہوگا، البتہ بھول چوک یا لغزش کی بات الگ ہے، لیکن وہ اس (بھول چوک یا لغزش) پر قائم نہیں رہے گا۔

اسی پاکیزہ نفس کے لیے اللہ تعالی نے ”جنت“ بنائی ہے، اس لیے کہ جنت پاکیزہ ہے اور اس میں پاکیزہ چیز ہی داخل ہو سکتی ہے، جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے۔

## اللہ تعالی کی دیگر مخلوقات کے ساتھ معاملے کا اخلاق :

اللہ تعالی کی دیگر مخلوقات کے ساتھ معاملے کا اخلاق، اللہ تعالی کے ساتھ معاملے کی حالت کے تابع ہے، پس جو آدمی اللہ تعالی سے زیادہ نزدیک ہوگا، وہ اس کی مخلوقات پر ظلم سے بھی بچے گا، جو آدمی اللہ تعالی کے ساتھ مؤدب ہوگا وہ اللہ کی مخلوقات کے معاملے میں بھی اپنے نفس کی زجر و تادیب کرنے والا ہوگا۔

اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اللہ تعالی کے ساتھ، انسانوں کے ساتھ اور اپنے نفس کے ساتھ ادب ملحوظ رکھنے والے کی شان یہ ہوگی کہ وہ اللہ کی دیگر مخلوقات کے ساتھ استقامت وراستی کی روش پر قائم رہے گا۔

## اللہ کی دوسری مخلوقات کے ساتھ معاملے کے اصول :

انسان کے علاوہ اللہ کی دوسری مخلوقات کے ساتھ معاملے کے اصول کا خلاصہ یہ امور ہیں :

- دوسری مخلوقات کے لیے اللہ کی شریعت میں جو اَدب بتایا گیا ہے اس کی پابندی کرنا، اور ان پر ظلم نہ کرنا۔
- شریعت کے مطابق ان کو کام میں لگانا اور ان سے فائدہ اٹھانا، اس سلسلے میں ظلم وزیادتی یا کوتاہی سے گریز کرنا۔
- ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں شریعت کے بتائے ہوئے مسائل سے ضرورت کے بقدر واقفیت حاصل کرنا۔

انسان کا یہ احساس کہ یہ اللہ کی مخلوق ہیں جو اللہ پر ایمان رکھنے والی بھی ہو سکتی ہیں، جیسے فرشتے، بعض جنات اور چوپائے؛ بلکہ اللہ تعالی نے تو بتایا ہے کہ ہر مخلوق اس کی حمد و ثنا کرتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا﴿ تُسَبِّحُ لَهُ ٱلسَّمَٰوَٰتُ ٱلسَّبۡعُ وَٱلۡأَرۡضُ وَمَن فِيهِنَّۚ وَإِن مِّن شَيۡءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمۡدِهِۦ وَلَٰكِن لَّا تَفۡقَهُونَ تَسۡبِيحَهُمۡۗ إِنَّهُۥ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴾(٨٧) : ”ساتوں آسمان اور زمین اور جو بھی ان میں ہے اسی کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان نہ کرتی ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔ بیشک وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے“۔ اس سے انسان کے اور ان مخلوقات کے درمیان للہ فی اللہ ایک طرح کی بھائی بندی کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے، جس کی بنا پر انسان کو ان مخلوقات کی حرمت کا احساس ہونا چاہیے۔

- ایک عمومی قاعدہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان سب مخلوقات کو انسان کے لیے پیدا کیا اور اس کے تابع کر دیا ہے: ﴿ هُوَ ٱلَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعًا ﴾(٨٨): ”وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا“۔
- یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کی مخلوقات جن کو اللہ نے مباح قرار دیا ہے، انسان کے لیے ان چیزوں سے شرعی ضابطے میں رہتے ہوئے انتفاع کی اجازت ہے، اور اس بات کا (بھی) حکم ہے کہ ان کے نقصان و ضرر سے انسان بچے۔
- اسی قبیل سے یہ ہے کہ انسان ہر چیز میں اچھائی اور احسان پر قائم رہے حتی کہ ان جانوروں کے شرعی ذبح کرنے میں بھی جیسا کہ حدیث شریف میں گزرا : «إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ؛ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ»(٨٩) : اللہ تعالی نے ہر چیز کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دینا فرض کیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو (قصاص وغیرہ میں) تو اچھی طرح کرو اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح کرو اور تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی

---

(٨٧) ۴۴ : الاسراء : ١٧.

(٨٨) ٢٩ : البقرة : ٢.

(٨٩) مسلم شریف، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، حدیث نمبر: ۵۷ (۱۹۵۵) بروایت ابو یعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ، اور ان کے علاوہ دوسرے راویوں نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

چھری تیز کرلے اور اپنے ذبیحے کو راحت دے۔ ان تمام مخلوقات کی بابت اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے پر وہ پابند شریعت اور بے ضرر انسان ہو جائے گا، جس سے ”شر وضرر“ غلطی ہی سے صادر ہوں گے، اور اگر ایسا ہوا بھی تو جلد ہی توبہ کرلے گا۔

اور تب (گذشتہ ساری باتوں کے باعث) انسان کے لیے اللہ تعالی کے ساتھ لوگوں کے ساتھ، فرشتوں، جنات، چوپایوں، تمام مخلوقات، دوست دشمن کے ساتھ اور امن وجنگ: ہر دو حالتوں میں خلقِ حسن اور (مطلوبہ) تہذیب وادب کی تکمیل ہو جائے گی ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ ٱللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (۹۰): ”یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ تعالی سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے“۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُۥ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَٱتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَٰهِيمَ حَنِيفًا﴾ (۹۱)!!: ”اور اُس شخص سے بہتر دین پر کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دیا، وہ نیکی پر کاربند ہے اور اس نے ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کی، جو یکسو تھا“۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں غفلت سے بیدار کردے، ہر حال میں اپنے ادب اور فرماں برداری کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین (۹۲)!۔

* * *

---

(۹۰) ۵۰: المائدۃ: ۵.

(۹۱) ۱۲۵: النساء: ۴.

(۹۲) اس کے بعد وقت میں اتنی گنجائش نہیں کہ اخلاق کی حامل شخصیت کے اوصاف اور دوسرے اہل معاملہ لوگوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کے اعتبار سے اخلاق کی تقسیم کے موضوع پر ایک مستقل بحث قلم بند کی جائے، اگرچہ اس موضوع کی بھی اہمیت ہے اور نقاط کی شکل میں اس کی ایسی وضاحت ہونی چاہیے جو اس باب میں انسان کے لیے حسن اخلاق کی پابندی میں معاون ثابت ہوں۔

# تیسری بحث

## مختلف متعلقات کے اعتبار سے اخلاق کی شجرہ وار تقسیم

### اخلاق کی قسمیں

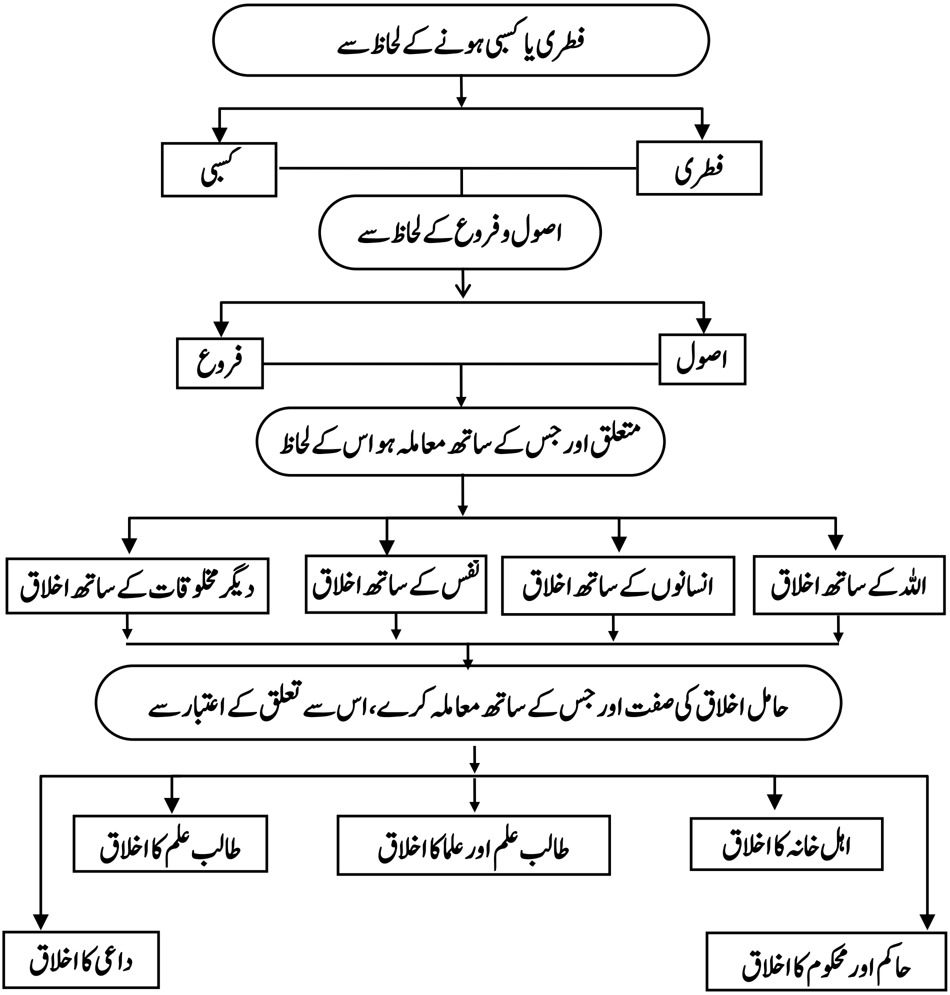
فطری یا کسبی ہونے کے لحاظ سے
فطری
کسبی
اصول و فروع کے لحاظ سے
اصول
فروع
متعلق اور جس کے ساتھ معاملہ ہو اس کے لحاظ
اللہ کے ساتھ اخلاق
انسانوں کے ساتھ اخلاق
نفس کے ساتھ اخلاق
دیگر مخلوقات کے ساتھ اخلاق
حامل اخلاق کی صفت اور جس کے ساتھ معاملہ کرے، اس سے تعلق کے اعتبار سے
اہل خانہ کا اخلاق
طالب علم اور علما کا اخلاق
طالب علم کا اخلاق
حاکم اور محکوم کا اخلاق
داعی کا اخلاق

* * *

# پانچویں فصل

## اخلاق کے متعلق اقوال پر ایک نظر

یہ فصل مندرجہ ذیل بحثوں پر مشتمل ہے:

تمہید۔

**پہلی بحث:** اخلاق حمیدہ کی اہمیت پر ایک نظر۔

**دوسری بحث:** اخلاق کی تشکیل اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل کے طریقوں پر ایک نظر۔

**تیسری بحث:** اخلاق کے مواقع پر غور و فکر۔

**چوتھی بحث:** نصیحت و خیر خواہی کے سلسلے میں علامہ ابن حزم ظاہری کے اقوال و افکار۔

# تمہید

یہ بات بالکل واضح ہے کہ نفس انسانی کے کچھ خیالات و افکار اچھے ہوتے ہیں اور کچھ بُرے، سوائے انبیا ورسل صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی عصمت وحفاظت فرمائی ہے۔ لہذا انسان پر لازم ہے کہ اس کے ذہن میں اچھے خیالات پرورش پائیں، ان کا زیادہ سے زیادہ متلاشی رہے، جہاں تک ہو سکے اپنی زندگی میں ان پر عمل کرے اور دوسروں کو ان کی دعوت دے۔ جبکہ بُرے افکار وخیالات کو دفع کرے، ان پر استغفار کرے اور ان کی پیروی نہ کرے، ورنہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا، خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا۔ ابو حفص عمر بن سالم حدّاد رحمہ اللہ فرماتے : ”جو شخص ہمہ وقت اپنے اعمال واحوال کو کتاب وسنت سے نہ تولے اور نہ اپنے خیالات کو غلط سمجھے، تو اسے انسانوں کی فہرست میں شمار نہ کرو“ (۹۳)۔

* * *

---

(۹۳) مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ، علامہ سیوطی رحمہ اللہ: ص ۲۶۳۔ نزہۃ الفضلاء تہذیب سیر اعلام النبلاء، محمد بن حسن بن عقیل موسی: ص ۹۱۳۔ یہ بایں ہمہ ہے کہ حدّاد کے یہاں صوفیہ کے بعض شطحات (متنازع ومختلف فیہ اقوال) بھی پائے جاتے ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا کتاب میں ان کے حالات میں درج بھی ہے۔ اللہ تعالی ہم سب لوگوں کو معاف فرمائے.

# پہلی بحث

## اخلاق حمیدہ کی اہمیت پر ایک نظر

یہ بحث مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہے:

١- لوگوں کے مالی و دنیوی لالچ اور دینی و اخلاقی لالچ کا موازنہ۔

٢- جمالِ پوشاک اور جمالِ اخلاق کے درمیان تقابل۔

٣- ہم غلطی کیوں کرتے ہیں؟

٤- اخلاق حمیدہ اور اللہ تعالی کی عبادت۔

٥- ظاہر و باطن اور صورت و اخلاق میں انسان کی انسانیت۔

٦- ہم بہت غلطی کرتے ہیں۔

٧- اخلاق کے معنی و مطلب کے بارے میں ایک خیال۔

٨- اے...!!

## ۱- لوگوں کے مالی و دنیوی اور دینی و اخلاقی لالچ کا موازنہ :

میں نے لوگوں کے دنیا، مال اور اس کی حفاظت پر حریص ہونے اور اکثر کے دین اور اخلاق سے غفلت برتنے پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر لوگ ”مال و دولت“ کے مانند اپنے ”اخلاق“ پر توجہ دیں اور اپنے ”مال“ کی طرح اپنے ”اخلاق“ کی بھی حفاظت کریں تو معاشرے سے بہت سی ”اخلاقی بیماریاں“ ختم ہو جائیں، لوگوں کا اخلاق درست ہو جائے اور جس طرح لوگ دنیائے فانی کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح اخلاقِ حمیدہ، اعمالِ فاضلہ اور علم و دین کے بھی وارث ہوں- ہاں یہ ضرور ہے کہ ان میں نہ ورثہ کے حصے طے ہیں اور نہ ہی مُورِث- جیسا کہ دنیا کی میراث کا معاملہ ہے؛ بلکہ ہر انسان کی مرضی ہے کہ وہ جتنا چاہے اخلاقِ حمیدہ اور علم و دین سے بہر یاب ہو جائے اور جس سے چاہے علم و اخلاق حاصل کرے۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے تو کیا کوئی ہے اس عظیم میراث کو حاصل کرنے والا؟!

## ۲- جمالِ پوشاک اور جمالِ اخلاق کے درمیان موازنہ :

اللہ خالق و حکیم سبحانہ وتعالی نے اپنی حکمت کے تحت انسان کے لیے دو ”قابل شرم“ چیزیں بنائیں اور ہر دو قابل شرم چیز کے لیے ایک ایک پردہ بنایا۔ وہ دو قابل شرم چیزیں انسان کا جسم اور نفس ہیں، جسم کے لیے لباس اور پوشاک کو پردہ بنایا اور نفس کے لیے اخلاق اور حسن اعمال کو پردہ بنایا۔

پھر اللہ تعالی نے دونوں ستر کے اختیار کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور ان میں سے زیادہ اہم ستر سے باخبر بھی کر دیا ہے، انسان کا لباس اس کو اخلاقِ حمیدہ سے بے نیاز نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقۡوَىٰ ذَٰلِكَ خَيۡرٞۚ ذَٰلِكَ مِنۡ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُونَ ٢٦ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ كَمَآ أَخۡرَجَ أَبَوَيۡكُم مِّنَ ٱلۡجَنَّةِ يَنزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡءَٰتِهِمَآۚ إِنَّهُۥ يَرَىٰكُمۡ هُوَ وَقَبِيلُهُۥ

مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡۗ إِنَّا جَعَلۡنَا ٱلشَّيَٰطِينَ أَوۡلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ ﴿٢٧﴾ (۹۴):

> ”اے آدم (علیہ السلام) کی اولاد! ہم نے تمھارے لیے لباس اتارا ہے جو تمھاری شرم گاہوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقوے کا جو لباس ہے وہ سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ لوگ یاد رکھیں۔ اے اولاد آدم (علیہ السلام)! شیطان تم کو کسی فتنے میں نہ ڈال دے جیسا کہ اس نے تمھارے ماں باپ کو جنّت سے باہر کرا دیا (ایسی حالت میں کہ) ان کا لباس بھی اتروا دیا تا کہ وہ ان کو ان کی شرم گاہیں دکھائے۔ وہ اور اس کا لشکر تمھیں دیکھتے ہیں جہاں سے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔ بیشک ہم نے شیطانوں کو ایمان نہ لانے والوں کا دوست بنا دیا ہے“۔

یہ نص قرآنی اس مفہوم کی وضاحت میں بڑی عجیب و غریب ہے، مگر یہاں اس پر تفصیل سے کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے، بس انسان کو اس میں خوب غور کرنا چاہیے۔

اللہ تعالی نے اپنے احسان و کرم سے ہمیں دو لباس عطا کیے اور ان دونوں کو اپنی نشانیاں قرار دیا تا کہ وہ ہمیں اللہ کی یاد دلاتی رہیں۔ قرآن کریم نے اس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان کے شرم گاہ کھولنے اور شیطان، نیز اس کے چیلوں کے درمیان جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں، ایک (خاص) تعلق ہے۔ شیطان انسان کو جسم کی شرم گاہ کھولنے کے عیب میں مبتلا ہونے، نیز بُرے اخلاق کے ارتکاب کی راہ سے نفس کی شرم گاہ کھولنے کے عیب میں مبتلا ہونے پر ابھارتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے آگاہ کیا ہے کہ دنیا میں بھی ستر ہوتا ہے اور آخرت میں بھی، جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ حدیث میں ہے: «قَالَتْ: اِسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ: «سُبْحَانَ اللهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ! وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ! أَيْقِظُوا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ؛ فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا، عَارِيَةٍ فِي الآخِرَةِ» (۹۵)!!

”ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ پاک ﷺ ایک رات بیدار ہوئے تو فرمایا: سبحان اللہ! آج رات کتنے فتنے نازل ہوئے اور کتنے خزانے کھولے گئے؟ ان کمروں میں سونے والیوں کو جگا دو؛ کہ دنیا میں

---

(۹۴) ۲۶-۲۷ : الاعراف : ۷.

(۹۵) بخاری شریف، کتاب العلم، باب العِلم والعِظَة بالليل، حديث نمبر: ۱۱۵۔

بہت سی کپڑے پہننے والی عورتیں آخرت میں ننگی ہوں گی"۔

بلا شبہ! آخرت میں کپڑے پہننے والا وہ ہوگا جو اس دنیا سے اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حمیدہ کے ذریعے، دارِ آخرت کے لیے مفید روحانی پوشاک تیار کرے، وہ کپڑے پہننے والا نہیں جو دنیا میں بس حسین و جمیل لباس پہننے کی فکر کرے (اور اخلاقِ حمیدہ کی پوشاک سے غافل رہے)۔

دینِ اسلام دنیا و آخرت کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ اسی طرح جمالِ حسّی اور جمال معنوی کو بھی باہم مربوط کرتا ہے۔ اسی کے متعلق اللہ تعالی کا یہ ارشاد بھی ہے :

﴿وَتَزَوَّدُوا۟ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ ۚ وَٱتَّقُونِ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ﴾ (۹۶) :

"اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالی کا ڈر ہے اور اے عقل مندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو"۔

ایک شاعر کہتا ہے :

لَيْسَ الْجَمَالُ بِأَثْوَابٍ تُزَيِّنُنَا ❋ إِنَّ الْجَمَالَ جَمَالُ الْعِلْمِ وَالْأَدَبِ (۹۷)

حقیقی حسن و جمال زیبائش و آرائش بخش کپڑوں سے نہیں ہے؛ (بلکہ) اصل حسن و جمال علم و ادب کا (بخشا ہوا) حسن و جمال ہے۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے :

وَهَلْ يَنْفَعُ الْفِتْيَانَ حُسْنُ وُجُوهِهِمْ ❋ إِذَا كَانَتِ الْأَخْلَاقُ غَيرَ حِسَانِ (۹۸)

نوجوانوں کو ان کے چہروں کا حسن فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اگر ان کا اخلاق اچھا نہ ہو۔

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے :

جَمَالُ الْوَجْهِ مَعَ قُبْحِ النُّفُوسِ ❋ كَقِنْدِيلٍ عَلَى قَبْرِ الْمَجُوسِي!

باطن کی خرابی کے ساتھ چہرے کا حسن ایسا ہے جیسے مجوسی کی قبر پر لالٹین جل رہی ہو۔

---

(۹۶) ۱۹۷ : البقرة : ۲.

(۹۷) ملاحظہ ہو : السحر الحلال في الحكم والأمثال: ص ۱۰۶.

(۹۸) ملاحظہ ہو: ديوان علي بن أبي طالب رضي الله عنه: ص ۲۸.

## ۳۔ ہم غلطی کیوں کرتے ہیں؟ :

بعض اوقات انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ ایک عقل مند آدمی غلطی کیوں کرتا ہے؟ بیشک عقل مند آدمی کی شان یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں درست راہ پر رہے نہ کہ غلط راہ پر، حق پر رہے نہ کہ باطل پر۔ پھر عقل مند انسان غلطی کیوں کرتا ہے؟ جب میں نے اس پر غور کیا تو سمجھ میں آیا کہ عقل مند انسان بعض اوقات متعدد اسباب کے تحت، غلطی و گمراہی میں واقع ہو جاتا ہے، جو یہ ہیں :

۱۔ اپنی حیثیت اور شایانِ شان بات سے غفلت : بڑا آدمی یہ بات فراموش کرنے کے باعث غلطی کر بیٹھتا ہے کہ وہ بڑا ہے، عالم یہ بھول جانے کی وجہ سے غلطی کرتا ہے کہ وہ عالم ہے، استاذ سے غلطی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ وہ فراموش کر جاتا ہے کہ وہ استاذ ہے، شاگرد اپنا شاگرد ہونا بھول جانے کے باعث غلطی کرتا ہے، باپ اس لیے غلطی کرتا ہے کہ وہ باپ ہونا بھول جاتا ہے اور بیٹا یہ بھول جانے کے سبب غلطی کرتا ہے کہ وہ بیٹا ہے۔ اسی طرح آپ معاشرے کے دوسرے تمام افراد کو سمجھ لیں۔ اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ غلطی کی ذمے داری ان لوگوں پر ڈالتے ہیں جو ان کے مقام و مرتبے اور حیثیت میں ان کے شریک ہوتے ہیں۔ چنانچہ بڑا آدمی بڑوں کو ملامت کرتا ہے۔ جو عالم غلطی کا مرتکب ہوتا ہے وہ دوسرے علما کو لعن طعن کرتا ہے، ان کو ذمے دار ٹھہراتا ہے۔ ایک استاذ غلطی ہو جانے پر دوسرے اساتذہ اور مربیوں کا نام لیتا ہے، طالب علم دوسرے طلبہ کا، باپ بیٹے کا اور بیٹا باپ کا۔ یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ انسان اپنی حیثیت، اپنا مقام و مرتبہ اور اپنی ذمے داری بھول جاتا ہے۔ تو کیا ہم اس حقیقت کو یاد رکھنے کے لیے تیار ہیں تا کہ غلطی سے بچ سکیں؟

۲۔ ایک سبب یہ ہے کہ بعض اوقات ”غلطی کے اسباب“ عقل مند کی عقل اور مومن کے ایمان پر غالب آ جاتے ہیں، مثلاً اس پر اس کی خواہش یا حیوانی شہوت غالب آ جاتی ہے یا وہ اپنے آس پاس کے ماحول یا بُری صحبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ پس ان کی غلطی کے سبب اس سے بھی غلطی سرزد ہو جاتی ہے اور ان کی گمراہی کے باعث یہ بھی گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

۳۔ انسان کی غفلت، اپنے فرائض اور ذمے داری کا عدمِ احساس۔

۴۔ کبھی انسان غیر ارادی طور پر غلطی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس قسم کے دوسرے اسباب بھی ہیں۔ حق کا سچا طالب اور عقل مند آدمی وہ ہے جو ان اسباب پر متنبہ ہو کر ان سے اجتناب کرے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہلاکت و بد بختی کے ان اسباب سے ہمیں محفوظ اور دور رکھے۔ آمین!

## ۴۔ اخلاقِ حمیدہ اور اللہ تعالی کی عبادت :

اخلاقِ حمیدہ اللہ کی پیدا کردہ اس فطرت کا بنیادی حصہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اسی طرح یہ اخلاق حمیدہ اس شریعت اور عبادت کا بھی بنیادی جز ہے جنھیں اسلام لے کر آیا۔ اس اخلاق کو اختیار کرنے میں ہمارا اللہ کی عبودیت و بندگی کرنا، یہ اسی (روح) عبودیت و بندگی کا جز ہے جو ہماری تمام عبادتوں میں کار فرما ہے۔ اس اخلاق کو سمجھنا اور اس پر مضبوطی سے عمل کرنا، اللہ تعالی کی عبودیت کے معنی و مفہوم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے مربوط ہے (گویا انسان کا اخلاق اور اللہ کے لیے اس کی بندگی لازم و ملزوم ہیں)۔

طاعت و فرماں برداری کے شرف و اعزاز کا مدار، مطاع اور صاحب فرمان کی ذات کے شرف و اعزاز پر ہے؛ لہٰذا جو آدمی اللہ کی اطاعت کرتا ہے، وہ ماسوا اللہ کی اطاعت کرنے والے کی طرح نہیں ہے۔ یہی تو وہ عظیم الشان چیز ہے جو انسان کو اللہ تعالی کی عبادت پر ابھارتی ہے۔ اگر انسان اللہ تعالی کی عبادت کرتے وقت یہ ذہن نشیں رکھے کہ وہ اس ذات کی عبادت کر رہا ہے جو دنیا و آخرت میں اس کا مولی و آقا ہے، جو آسمانوں اور زمینوں کا منتظم و حاکم ہے، جو ہر چیز کا پالنہار اور مالک ہے، خلق و امر کے تمام معاملات جس کے ساتھ خاص ہیں اور ان امور میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے، اسی طرح وہ معبود برحق کی دیگر تمام صفات کو یاد کرے تب اسے اس عبادت کے شرف و اعزاز کا صحیح علم ہوگا، اسے اپنے لیے اس عبادت کی ضرورت کا ادراک ہوگا۔ اس عبادت کی اہمیت کی معرفت ہوگی، اس عبادت کی حقیقت اور اس کی لذت کا احساس ہوگا، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں اس کی توفیق اور ہدایت عطا فرمائے۔ آمین!

ہم لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ اگر کسی کو کوئی سربراہِ مملکت، یا کوئی بادشاہ کسی چیز کا حکم دے یا اسے

کسی کام کی ذمے داری سونپ دے یا اسے ملاقات کے لیے بلائے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا، آپ اسے دیکھیں گے کہ وہ اس پر فخر کرتا ہے، چاہتا ہے کہ لوگوں کو یہ بات بتادے یا لوگ اس کے بارے میں باتیں کریں، حالانکہ اس کا دائرۂ کار اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اللہ کی ایک مخلوق (ایک انسان) کسی دوسری مخلوق (دوسرے انسان) سے ملاقات کر رہی ہے یا اللہ کے ایک بندے نے اس کے دوسرے بندے کو کوئی حکم دیا ہے۔ یہ کس قدر سخت تعجب کی بات ہے؟! ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ بادشاہِ حقیقی (اللہ تعالی) کی اطاعت پر فخر نہیں کرتے، ہم ہر چیز کے پالنہار اور مالک کی فرماں برداری پر ناز نہیں کرتے، ہم دنیا وآخرت کے مالک وخالق کی عبودیت پر خوشی نہیں مناتے، ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اُس روزِ جزا کے مالک کے ساتھ اپنے تعلق پر نازاں اور خوش نہیں ہوتے جس روز مال واولاد کچھ کام نہ دیں گے، مگر ایسا آدمی جو اللہ تعالی کے پاس سلامتی اور ایمان وعمل سے معمور دل لے کر آیا ہوگا۔ اے اللہ! ہمیں معاف فرما!

اگر انسان یہ جان لے کہ اللہ تعالی کی اطاعت وعبادت میں دنیا وآخرت کی کتنی خیر پوشیدہ ہے تو اسے یقین ہوجائے گا کہ یہ عبودیت اور اطاعت تو اس کے لیے غنیمت اور دارین کی سعادت کا سامان ہے، تو پھر وہ اس کا شوقین وحریص ہوگا، اس کے سبب وہ اپنے آپ کو بے حد خوش نصیب سمجھے گا اور کسی بھی دوسری چیز کی بہ نسبت اس کو زیادہ پسند کرے گا، نیز اسے اندازہ ہوگا کہ مشقت درحقیقت اس میں نہیں کہ اللہ تعالی نے اسے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے؛ بلکہ اپنے نفس کی اتباع میں، اپنے مولی وآقا کی طاعت فراموش کر دینے اور دنیا وآخرت میں اس کے انجام بد اور پریشانیاں برداشت کرنے میں ہے۔ بلاشبہ انسان اللہ کی معصیت ونافرمانی کرکے اپنے نفس پر اتنا بوجھ لاد دیتا ہے، جس کے دنیا وآخرت میں انجام بد کو برداشت کرنے کی اس میں طاقت نہیں ہوتی، مگر ایسے عقل مند کہاں ہیں جو خود اپنے ہی ہمدرد وبہی خواہ ہوں؟

اگر انسان اس بات کو جان لے کہ اس کی تخلیق کا مقصد صرف اللہ کی عبادت ہے تو اسے اس وقت اپنی انتہائی حماقت کی وسعت کا ادراک واحساس ہوگا جب وہ اپنے آقا ومولی کی عبادت چھوڑ کر ایسا کام کرے گا جس کے لیے اس کو پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اللہ عزوجل نے اس پر پہلا احسان تو یہ کیا کہ اسے پیدا کیا، پھر اس کی نشوونما کی اور پھر اسے ہدایت دی۔ اللہ تعالی نے انسان سے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝٥٦ مَآ أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَآ أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ ۝٥٧ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلرَّزَّاقُ ذُو ٱلْقُوَّةِ ٱلْمَتِينُ ۝٥٨﴾(۹۹)!!۔

”میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں نہ میری یہ چاہت ہے کہ وہ مجھے کھلائیں۔ اللہ تعالی تو خود ہی سب کا روزی رساں توانائی والا اور زور آور ہے“۔

اس کے باوجود انسان اپنے مشن و مقصد سے ہٹ جاتا ہے، سوچیے وہ کتنا بڑا جاہل اور اپنے رب کے ساتھ کس قدر بے ادب اور ناشکرا ہے؟ یا اللہ، ہم کو بخش دے!!

## ۵- ظاہر و باطن اور صورت واخلاق میں انسان کی انسانیت :

انسان صرف جسم اور شکل وصورت یا کپڑوں اور ظاہری وضع وہیئت کا نام نہیں؛ بلکہ انسان کی انسانیت اس کے اخلاق، شکل وصورت، جسم ونفس اور روح وعقل کے مجموعے کا نام ہے۔

تنہا جسم انسان کے انسان ہونے کی دلیل نہیں؛ اس لیے کہ آپ کبھی انسان کی شکل میں (انسان نما) حیوان دیکھتے ہیں، مگر لوگ اس کی تخلیق کے باعث نہ کہ اخلاق کے سبب اس کو انسان کہہ دیتے ہیں، درحقیقت وہ اس تغیر کے باعث جو اس پر طاری ہو گیا ہوتا ہے، انسان نہیں رہتا مثلاً وہ پاگل ہو جائے تو ایسی حالت میں نہ انسان کی طرح سوچ سکتا ہے اور نہ ہی انسان کی طرح تصرف کر سکتا ہے؛ کیونکہ جب اس نے عقل ہی کھودی جو انسان کو حیوانات سے الگ کرنے والی ایک بنیادی چیز ہے تو گویا اس نے انسان کے بنیادی عنصر کو کھو دیا اور اس بنا پر وہ مفید نہ رہ کر مضر بن گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ درجہ دوسرے ان بہت سے حیوانات کے درجے سے بھی فروتر ہے جن سے انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یا مثلاً انسان کا ضمیر اور اس کی اخلاقی حالت بگڑ جائے اور نتیجہ یہ ہو کہ وہ مضر بے فائدہ جنگلی جانوروں کے مانند تصرف کرنے لگے، اس وقت وہ موذی مخلوق بن جاتا ہے اور ایذارسانی اس کی طبیعت بن جاتی ہے۔ اس صورت میں وہ سراپا ”شر“ بن جاتا ہے اور اس میں کوئی خیر باقی نہیں رہتی۔ تو کیا ایسا شخص محض اپنی تخلیق کی بنا پر انسانیت پر باقی رہا؟ ہرگز نہیں؛ بلکہ وہ تو کوئی دوسری مخلوق بن گیا ہے جو اپنی

---

(۹۹) ۵۶-۵۸ : الذاریات : ۵۱.

شکل وصورت سے لوگوں کو دھوکا دیتا ہے اور انھیں یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ انسان ہے، حالانکہ وہ انسان نہیں رہ گیا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن سُلَٰلَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَٰهُ نُطْفَةً فِى قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا ٱلنُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا ٱلْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا ٱلْمُضْغَةَ عِظَٰمًا فَكَسَوْنَا ٱلْعِظَٰمَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَٰهُ خَلْقًا ءَاخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ ٱللَّهُ أَحْسَنُ ٱلْخَٰلِقِينَ ﴿١٤﴾ ﴾(۱۰۰)!!

”یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر اسے محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا کر دیا۔ پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیا، پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا۔ پھر دوسری صورت میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے“۔

غور کرو کہ اللہ تعالی نے تمھیں یہ کس طرح بتایا کہ اس نے تمھیں مٹی کے اجزا سے پیدا کیا، اس کے بعد فرمایا: ﴿ثُمَّ أَنشَأْنَٰهُ خَلْقًا ءَاخَرَ ۚ﴾!! ”پھر ہم نے اس کو دوسری بناوٹ میں پیدا کر دیا“۔

قاضی ابو بکر ابن العربی فرماتے ہیں کہ: ”آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قدر و منزلت صرف تربیت کی (وجہ سے ہوتی) ہے، نہ کہ مٹی کی (وجہ سے)“(۱۰۱)!!۔

بیشک! انسان کی انسانیت اس کے جسم سے نہیں؛ بلکہ اس کے نفس، فکر اور اخلاق کی وجہ سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اس کی وفات ہو جاتی ہے تو اہل خانہ اس کی تدفین میں جلدی کرتے ہیں۔ اگر انسان صرف جسم کا نام ہوتا تو موت کے بعد اس کی تدفین میں جلدی نہ کرتے(۱۰۲)۔

اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہونے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کا ایک اہم سبب ہے، انسان کا اس حقیقت کو جاننا، یعنی اپنے نفس کی حقیقت اور انسانیت کے مفہوم کی معرفت حاصل کرنا؛ تاکہ اس

---

(۱۰۰) المؤمنون: ۲۳: ۱۲-۱۴.

(۱۰۱) قانون التأويل: ص۴۵۸.

(۱۰۲) الأخلاق والسير: ص۳۰ میں علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے اس سے ملتی جلتی بات لکھی ہے، وہیں سے میں نے یہ فکر اور بعض مضمون لیا ہے۔

پر توجہ دے، اس کی حفاظت کی کوشش کرے اور اپنی اور اپنے نفس کی حقیقت کے سمجھنے میں غلطی، اور "خَلق" اور "خُلق" کے درمیان رشتے کی حقیقت کے علم و ادراک میں ضلال و انحراف کی وجہ سے اپنے اخلاق و کردار میں بے راہ روی کا شکار نہ ہو۔

علامہ ابو القاسم راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ: لفظ "الانسان" تقریباً ایسا "بے معنی لفظ" بن کر رہ گیا ہے جس کا خارج میں کوئی مصداق اور وجود نہیں، "عَنازیل" اور "عَنقاءِ مُغرِب" وغیرہ جیسے "الفاظ" کی طرح جن کا خارج میں کوئی وجود و معنی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالی نے (معبود) نام رکھے گئے اسماء کے بارے میں فرمایا: ﴿إِنۡ هِيَ إِلَّآ أَسۡمَآءٞ سَمَّيۡتُمُوهَآ أَنتُمۡ وَءَابَآؤُكُم﴾(۱۰۳): "دراصل یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں"۔

نیز اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿مَا تَعۡبُدُونَ مِن دُونِهِۦٓ إِلَّآ أَسۡمَآءٗ سَمَّيۡتُمُوهَا﴾(۱۰۴): "اس کے سوا تم جن کی پوجا پاٹ کر رہے ہو وہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے خود ہی گھڑ لیے ہیں"۔

تو دیکھو کہ اللہ تعالی نے انھیں اسم بلا مسمی قرار دیا ہے۔

انسان سے میری مراد وہ حیوان نہیں ہیں جو کشیدہ قامت، چوڑے ناخنوں، چکنی کھال اور ہنستے ہوئے چہرے والے ہوں۔ جو بولتے تو ہیں، مگر نفسانی خواہشات کے بارے میں، سیکھتے ہیں، مگر وہ چیز جو مضر ہے نہ کہ مفید، علم رکھتے ہیں، مگر دنیاوی زندگی کی ظاہری چمک دمک کا۔ آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں، اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر (اور اس میں تحریف و تبدیلی کر کے) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؛ تاکہ وہ اس سے معمولی مال حاصل کر سکیں، بحث و مباحثہ تو کرتے ہیں، مگر باطل و ناحق پر؛ تاکہ اس کے ذریعے حق کو پاش پاش کر سکیں، ایمان تو رکھتے ہیں، مگر دجالوں اور شیطانوں پر، عبادت تو کرتے ہیں، مگر غیر اللہ کی جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، رات میں کام کرتے ہیں، مگر ناپسندیدہ، نماز میں آتے ہیں، مگر زبردستی ڈھیلے ڈھالے اور سست بن کر، اللہ کا ذکر کرتے ہیں، مگر بہت کم، نماز تو پڑھتے ہیں، مگر ان نمازیوں میں سے ہوتے ہیں جو اپنی نماز (میں بھی) سستی و غفلت برتتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، مگر جب انھیں یاد دلایا جائے، اللہ کو پکارتے ہیں، مگر اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو

---

(۱۰۳) ۲۳ : النجم : ۵۳.

(۱۰۴) ۴۰ : یوسف : ۱۲.

بھی پکارتے ہیں، خرچ کرتے ہیں، مگر بڑی مشکل اور تنگ دلی سے، فیصلہ کرتے ہیں، مگر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں، ایجاد کرتے ہیں، مگر بہتان اور جھوٹ کی اور قسم کھاتے ہیں، مگر غیر اللہ کی، وہ بھی جھوٹی۔

تو یہ لوگ اگرچہ معروف شکل میں انسان ہیں، لیکن عقلی و اصلی شکل وصورت میں نہ انسان ہیں نہ بندر۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا: اے مردوں کے سائے، نہ کہ مرد! بلکہ یہ لوگ وہ انسان ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے: ﴿شَيَـٰطِينَ ٱلْإِنسِ وَٱلْجِنِّ يُوحِى بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ ٱلْقَوْلِ غُرُورًا ۚ﴾ (١٠٥):

”انسانوں اور جنات میں سے شیاطین (شیطان صفت)، جو ایک دوسرے کو دھوکا دینے کے لیے چکنی چپڑی بناوٹی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے“۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ بحتری نے انسان کو ظاہری شکل وصورت کے بجائے اخلاق وکردار کی وجہ سے انسان قرار دے کر بالکل درست کہا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے:

لَمْ يَبْقَ مِنْ جُلِّ هَذَا النَّاسِ بَاقِيَةٌ * يَنَالُهَا الْفَهْمُ إِلَّا هَذِهِ الصُّوَرُ

بیشتر لوگوں میں سے (انسانیت والا) ایسا کوئی نہیں بچا جسے عقل وخرد قبول کرے، مگر (انسانوں جیسی) یہ صورتیں (یعنی: لوگوں میں بیشتر وہ ہیں جن میں آدمیت نام کی کوئی چیز نہیں رہی کہ عقل وفہم اس کا احاطہ کرے، بس ان کی شکل وصورت آدمی جیسی ہے)۔

اور نہ ہی اس شاعر نے غلط کہا:

فَجُلُّهُمْ إِذَا فَكَّرْتَ فِيهِمْ * حَمِيرٌ أَوْ ذِئَابٌ أَوْ كِلَابُ

ان میں سے اکثر کے بارے میں جب تم غور کروگے (تو پاؤگے کہ وہ) گدھے ہیں، یا بھیڑیے یا کتے۔

ان باتوں کو محض شاعرانہ لفاظی اور اطلاق مجازی کے قبیل سے نہیں سمجھنا چاہیے۔

اللہ تعالی خود فرماتے ہیں:

---

(١٠٥) ١١٢ : الانعام : ٦.

﴿أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾(۱۰۶)(۱۰۷):

”کیا آپ اسی خیال میں ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں، وہ تو جانوروں کے مانند ہیں؛ بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے“۔

ابن مبارک رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کون ہیں؟ تو فرمایا: علما۔ عرض کیا گیا تو بادشاہ کون ہیں؟ فرمایا: زاہد و عابد بندے۔ پوچھا گیا: گھٹیا اور نچلے درجے کے لوگ کون ہیں؟ فرمایا: جو دین کے ذریعے دنیا کھاتے ہیں۔

ابن مبارک رحمہ اللہ نے غیر عالم کو انسان قرار نہیں دیا؛ کیونکہ جس خصوصیت کے باعث انسان بہائم سے ممتاز اور الگ ہوتا ہے وہ امتیازی خصوصیت ”علم“ ہے۔ تو انسان اس ”علم“ کے سبب ”انسان“ ہے جس سے اس کا شرف و اعزاز ہے، اپنی طاقت کی وجہ سے انسان، انسان نہیں کہلاتا؛ اس لیے کہ اونٹ انسان سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں، نہ جسم کے بڑے ہونے کے سبب؛ کہ ہاتھی اس سے کہیں زیادہ لحیم شحیم ہوتے ہیں، نہ بہادری کی وجہ سے؛ کہ درندے اس سے بہت زیادہ بہادر ہوتے ہیں، نہ کھانے کی وجہ سے؛ کہ بیل کا پیٹ اس سے کہیں زیادہ وسیع و عریض ہوتا ہے اور نہ ہی قوتِ باہ کی وجہ سے؛ کہ معمولی سا گوریا پرندہ اس سے زیادہ جماع پر قادر ہوتا ہے، حقیت یہ ہے کہ انسان کو تو محض تعلم، تدبر اور تفکر کے لیے پیدا کیا گیا ہے(۱۰۸)۔

کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے:

يَا خَادِمَ الْجِسْمِ كَمْ تَشْقَى بِخِدْمَتِهِ ❋ أَتَطْلُبُ الرِّبْحَ مِمَّا فِيهِ خُسْرَانُ
أَقْبِلْ عَلَى النَّفْسِ وَاسْتَكْمِلْ فَضَائِلَهَا ❋ فَأَنْتَ بِالرُّوحِ لَا بِالْجسمِ إِنْسَانُ(۱۰۹)

اے جسم کو پالنے والے! اس کی خدمت میں کتنی مشقت اٹھائے گا؟ تم اس چیز میں نفع تلاش کر رہے ہو جس میں نقصان ہی نقصان ہے۔

---

(۱۰۶) ۴۴ : الفرقان : ۲۵.

(۱۰۷) "تفصيل النشأتين وتحصيل السعادتين"، علامہ ابوالقاسم راغب اصفہانی : ص ۵۰-۵۳.

(۱۰۸) "نموذج من الأعمال الخيرية في إدارة الطباعة المنيرية" : ص ۳۳.

(۱۰۹) ملاحظہ فرمائیں : قصيدة عنوان الحِكم : ص ۳۶.

نفس پر توجہ دو اور اس کے فضائل و محاسن کی تکمیل کرو؛ اس لیے کہ تم روح کی وجہ سے انسان ہو، نہ کہ جسم کی وجہ سے۔

دوسرے شاعر (زہیر بن ابی سُلمی) نے کہا:

وَكَائِنْ تَرَى مِنْ صَامِتٍ لَكَ مُعْجِبٍ * زِيَادَتُهُ أَوْ نَقْصُهُ فِي التَّكَلُّمِ
لِسَانُ الْفَتَى نِصْفٌ وَنِصْفٌ فُؤَادُه * فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا صُوْرَةُ اللَّحْمِ وَالدَّمِ(۱۱۰)

آپ نے بارہا ایسے خاموش لوگوں کو دیکھا ہو گا جو آپ کو پسند ہونگے جبکہ انسان (کے مرتبے) کی بلندی و پستی اس کی گفتگو میں (پوشیدہ) ہے۔

نوجوان کی ”زبان“ اس کا ”آدھا حصہ“ ہے اور ”آدھا حصہ“ اس کا ”دل“ ہے۔ اس کے بعد تو بس گوشت اور خون سے مرکب شکل و صورت رہ جاتی ہے۔

لوگوں میں باہمی تفاوت سیرت و کردار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نہ کہ شکل و صورت سے، اخلاق سے ہوتا ہے نہ کہ جسم سے اور نفس و روح سے ہوتا ہے نہ کہ ظاہری پیکر سے۔ جہاں تک جسم اور ظاہری سراپا کی بات ہے تو سارے انسانوں کی ہیئت ایک ہے اور مادہ میٹیریل بھی ایک، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

اَلنَّاسُ مِنْ جِهَةِ التَّمْثِيْلِ أَكْفَاءُ * أَبُوْهُمُ آدَمُ وَالْأُمُّ حَوَّاءُ
نَفْسٌ كَنَفْسٍ وأَرْوَاحٌ مُشَاكِلَةٌ * وأَعْظُمٌ خُلِقَتْ فِيْهِمْ وَأَعْضَاءُ
فَإِن يَكُ لَهُم فِيْ أَصْلِهِمْ شَرَفٌ * يُفَاخِرُوْنَ بِهِ فَالطِّيْنُ وَالْمَاءُ
مَا الْفَخْرُ إِلَّا لِأَهْلِ الْعِلْمِ إِنَّهُمْ * عَلَى الهُدَى لِمَنِ اسْتَهْدَى أَدِلَّاءُ
وَقَدْرُ كُلِّ امْرِئٍ مَا كَانَ يُحْسِنُهُ * وَلِلرِّجَالِ عَلَى الْأَفْعَالِ أَسْمَاءُ
وَضِدُّ كُلِّ امْرِئٍ مَا كَانَ يَجْهَلُهُ * وَالْجَاهِلُوْنَ لِأَهْلِ الْعِلْمِ أَعْدَاءُ
فَفُزْ بِعِلْمٍ تَعِشْ حَيًّا بِه أَبَدًا * اَلنَّاسُ مَوْتَى وَأَهْلُ الْعِلْمِ أَحْيَاءُ

دیکھنے میں تو سارے لوگ برابر ہیں۔ سب کے جد امجد آدم اور اماں حوا ہیں۔

ایک جیسی جانیں ملتی جلتی روحیں اور ہڈیاں جو ان میں پیدا کی گئیں اور اعضاو جوارح۔

---

(۱۱۰) ملاحظہ فرمائیں: جمهرة أشعار العرب: ص ۹۵.

اگر ان کی اصل میں کوئی شرف واعزاز ہے جس پر وہ فخر کریں تو وہ مٹی اور پانی ہے۔

فخر کا حق تو صرف اہل علم کو ہے کہ وہ خود ہدایت پر ہیں اور طالبانِ ہدایت کے لیے رہبر بھی۔

ہر انسان کی قدر و قیمت اس کام سے ہوتی ہے جس کو وہ اچھی طرح کرے۔ اور کام سے ہی لوگوں کا نام ہوتا ہے۔

ہر آدمی کی ناقدری کا باعث وہ چیز ہوتی ہے جس سے وہ جاہل ہو اور جاہل لوگ اہل علم کے دشمن ہوتے ہیں۔

اس لیے علم حاصل کرو کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ زندہ رہو گے۔ عام لوگ تو مر کر ختم ہو جاتے ہیں جبکہ اہل علم مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔

**ابن عصفور رحمہ اللہ نے ایسے ہی مطالب ومفاہیم کی طرف درج ذیل اشعار میں اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:**

مَعَ الْعِلْمِ فَاسْلُكْ حَيْثُ مَا سَلَكَ ❋ وَعَنْهُ فَكَاشِفْ كُلَّ مَنْ عِنْدَهُ فَهْمُ
فَفِيْهِ جَلَاءٌ لِلْقُلُوْبِ مِنَ الْعَمَى ❋ وَعَوْنٌ عَلَى الدِّيْنِ الَّذِيْ أَمْرُهُ حَتْمُ
فَإِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَهْلَ يُزْرِيْ بِأَهْلِهِ ❋ وَذُو الْعِلْمِ فِي الْأَقْوَامِ يَرْفَعُهُ الْعِلْمُ
يُعَدُّ كَبِيْرَ الْقَوْمِ وَهُوَ صَغِيْرُهُمْ ❋ وَيَنْفُذُ مِنْهُ فِيْهِمُ الْقَوْلُ وَالْحُكْمُ
وَأَيُّ رَجَاءٍ فِي امْرِئٍ شَابَ رَأْسُهُ ❋ وَأَفْنَى سِنِيهِ وَهُوَ مُسْتَعجِمٌ فَدْمُ
يَرُوْحُ وَيَغْدُوْ الدَّهْرَ صَاحِبُ بِطْنَةٍ ❋ تَرَكَّبَ فِي أَحْضَانِهَا اللَّحْمُ وَالشَّحْمُ
إِذَا سُئِلَ المِسْكِيْنُ عَنْ أَمْرِ دِيْنِهِ ❋ بَدَتْ رُحَضَاءُ العِيِّ فِي وَجْهِهِ تَسْمُوْ
وَهَلْ أَبْصَرَتْ عَيناكَ أَقْبَحَ مَنْظَرًا ❋ مِنْ أَشْيَبٍ لَا عِلْمٌ لَدَيْهِ ولَا حُكْمُ؟!
هِيَ السَّوْأَةُ السَّوْءَاءُ فَاحْذَرْ شَمَاتَهَا ❋ فَأَوّلُهَا خِزْيٌ وآخِرُهَا ذَمُّ
وَخَالِطْ رُوَاةَ الْعِلْمِ وَاصْحَبْ خِيَارَهُمْ ❋ فَصُحْبَتُهُمْ زَيْنٌ وَخِلْطَتُهُمْ غُنْمُ
وَلَا تَعْدُوَنَّ عَيْنَاكَ عَنهُمْ فَإِنَّهُمْ ❋ نُجُوْمٌ إِذَا مَا غَابَ نَجْمٌ بَدَا نَجْمُ

علم کے ساتھ چلو جہاں بھی علم جائے اور علم کا سراغ لگاؤ ہر اس آدمی سے جس کے پاس علم و فہم ہو۔

اس لیے کہ علم دلوں کے اندھے پن کے لیے اکسیر ہے۔ اور وہ دین کے امور میں معاون ہے جس (کے سیکھنے) کا معاملہ (ضروری و) حتمی ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ جہالت جاہل کو داغ دار و عیب دار کر دیتی ہے۔ جبکہ ”علم“ صاحب علم کو لوگوں میں بلندی عطا کرتا ہے۔

عمر میں کم ہونے کے باوجود اسے لوگوں کا بڑا سمجھا جاتا ہے۔ علم کی وجہ سے ان میں اس کی بات اور فیصلہ چلتا ہے۔

اس آدمی سے کیا امید جس کے سر کے بال سفید ہو گئے ہوں۔ اس نے زندگی ختم کر دی ہو اور نہ بول سکے نہ سمجھ سکے۔

محض اپنے پیٹ کی فکر کرنے والا انسان بے فائدہ زندگی کی صبح و شام گزارتا ہے۔ اس کے پیٹ میں محض گوشت اور چربی (ہی) جمع ہوتی رہتی ہے۔

اگر اس بیچارے سے اس کے دین کے بارے میں پوچھا جائے۔ تو جہالت کی رسوائی اس کے چہرے پر نمایاں ہو جاتی ہے۔

کیا تمھاری آنکھوں نے اس سے بھی زیادہ بُرا کوئی منظر دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی ہو جس کے پاس نہ علم ہو نہ حکمت۔

یہ انتہائی درجے کی بُرائی ہے تم اس پر خوش ہونے والوں سے بچو۔ کہ اس کی ابتدا رسوائی ہے اور انتہا مذمت۔

ناقلینِ علم سے میل جول رکھو اور نیکوں کی صحبت اختیار کرو۔ کہ ان کی صحبت زیب وزینت کا سامان ہے اور ان سے میل جول غنیمت ہے۔

تمھاری آنکھیں ان سے نہ ہٹیں؛ کیونکہ یہ تارے ہیں جب ایک تارہ ڈوبتا ہے، دوسرا نکل آتا ہے۔

انسان اگر اپنی حقیقت کو جان لے تو وہ اس چیز کو بھی جان سکتا ہے جس کی وجہ سے اللہ نے اس کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کیا ہے، اور اس بات کا ادراک کر سکتا ہے کہ اللہ نے اسے انسان کیوں بنایا اور کس مقصد کے لیے اس کو پیدا کیا ہے۔ اور وہ چیز ہے اپنے رب کی عبادت کے ذریعے نفس کا تزکیہ کرنا، اس کی شریعت پر قائم رہنا، اپنے رب سے ملاقات اور اس کی رضامندی کے حصول، جنت میں داخلے، اور اس کی ناراضگی اور جہنم سے بچنے کے لیے تیاری کرنا۔

اور اس حقیقت کی معرفت کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان مکارم اخلاق سے آراستہ ہونے اور ان کی

تحصیل کی کوشش کرتا ہے، اور انسانیت کے خلاف ایسے جرم کے ارتکاب سے بچتا ہے جو اس کی شقاوت وبد بختی کا سبب بنے اور ان مذکورہ بالا امور کے لیے مضر ہو جن میں اللہ نے انسان کو دوسری مخلوقات سے ممتاز بنایا ہے، مثلاً اخلاق، علم اور دین کا نقصان کر کے، جسمانی آسودگی سے دلچسپی لینا یا پھر دین واخلاق گنوا کر لباس اور ظاہر پر توجہ دینا اور اسی طرح کی دوسری غلط چیزیں۔

اس حقیقت کی معرفت کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے کہ انسانوں کی اصلاح میں اس حقیقت کا لحاظ رکھا جائے؛ لہذا ان کی اصلاح میں کسی غلط رخ پر انسان نہ چلے؛ بلکہ اس حوالے سے صحیح معیار سے کام لے یعنی اخلاق وسیرت پر نظر رہے، ظاہری شکل وصورت پر نہیں۔

اس حقیقت کی معرفت کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ انسان ان لوگوں کی غلطیوں کو جانے جو اپنی طرف سے اپنے نفس کو خوش وخرم دیکھنے کے لیے یا دوسرں سے اپنی تحسین سمیٹنے کے لیے مختلف، غلط راستوں پر چلتے ہیں، مثلاً صرف لباس وپوشاک کے لیے دوڑ بھاگ کرتے ہیں۔

برادر من! میں تمھیں دیکھتا ہوں کہ تم صرف اپنے لباس کی خوب صورتی پر توجہ دیتے ہو اور تمھیں بس اسی کی فکر ہے اور شاید تم اس میں غلطی پر بھی نہیں ہو، مگر تم اس وقت تضاد کا شکار ہو جاتے ہو جب اس عمل کے ساتھ نیک اعمال، کردار اور حسنِ اخلاق کے ذریعے حاصل ہونے والے جمال وحسن کو نظر انداز کر دیتے ہو اور اخلاق حمیدہ کی بنیادوں سے غفلت برتتے ہو۔

غور کرو ان میں سے کون سی چیز زیادہ نقصان دہ ہے، گھٹیا کپڑے یا تمھارا گھٹیا کردار وعمل اور دوسروں کے ساتھ تعامل میں تمھاری بد ذوقی؟

کیا تمھاری تعریف وتنقید (کے استحقاق) پر دلالت کرنے میں تمھارے اخلاق ہی زیادہ مؤثر نہیں؟

کیا ایسا نہیں ہے کہ تمھارے کردار اور لوگوں کے ساتھ تمھارے معاملہ کرنے کے طریقے کا اثر دوسروں تک بھی پہنچتا ہے؟ جبکہ تمھارے لباس کی بد صورتی میں اگر کوئی نقصان یا تکلیف ہے تب بھی عموماً وہ دوسروں تک نہیں پہنچتی۔ حسنِ ظاہر مطلوب تو ہے مگر حدِّ اعتدال میں۔

پھر سوچو کہ ان دونوں میں سے کون سی چیز تمھاری توجہ کی اور اس پر محاسبۂ نفس کی زیادہ حق دار ہے (صرف جامہ زیبی یا حسن اخلاق؟)۔

اے مبلغ اسلام! خدارا مجھے بتاؤ کہ دعوت و تبلیغ کی حقیقت کیا ہے؟ کیا دعوت محض ظاہری شکل ہے؟ یا صرف وہ ایک سبق ہے؟ یا وہ درسگاہ میں محض حسنِ معاملہ تک محدود ہے؟ یا وہ ہر چیز اور ہر حال میں تمھارے برتاؤ اور لوگوں کے ساتھ تمھارے حسنِ معاملہ کا نام ہے؟

ہمیں بے حد ضرورت ہے کہ اپنے آپ پر توجہ کی سخت نگرانی کریں اور اس پر نظر ثانی کریں، اور اپنے اخلاق کی اصلاح کے معیار اور اپنے نفس کی قدر و قیمت پہچاننے پر بھی نظر ثانی کرتے رہیں۔

علامہ ابن حزم ظاہری اپنے درج ذیل موازنے میں ہم لوگوں کو باریک بینی سے غور و فکر اور حسنِ انتخاب کی دعوت دیتے ہیں:

جو شخص آخرت کا طالب ہو، کہ وہ آخرت میں کامیاب ہو جائے، وہ فرشتوں کے مشابہ ہے۔

جبکہ ”شر“ کا طالب شیاطین کے مشابہ ہے۔

شہرت اور جاہ و دبدبے کا طالب درندوں کے مشابہ ہے۔

اور محض دنیاوی لذتوں کا طالب چوپایوں کے مشابہ ہے۔

مال برائے مال کا طالب (وہ نہیں جو مال فرائض اور مستحبات پر خرچ کرنے کے لیے حاصل کرے) کسی جانور کے مشابہ قرار دیے جانے کے بھی لائق نہیں؛ بلکہ وہ تو دشوار گزار مقامات اور غاروں میں اگنے والی گھاس کی طرح ہے جس سے کسی جانور کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

عقل مند کسی ایسی صفت پر خوشی نہیں مناتا جس میں کوئی درندہ، چوپایہ اور کوئی جامد مخلوق اس سے فائق ہو؛ بلکہ وہ اس کمال پر خوش ہوتا ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالی نے اس کو درندوں، چوپایوں اور جمادات پر امتیاز بخشا ہے اور وہ ہے ”عقلِ ممیّز“ جس میں اس کے ساتھ فرشتے شریک ہیں؛ لہذا جو آدمی اپنی بے موقع دکھائی جانے والی اس بہادری پر خوش ہوتا ہے اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ”چیتا“ اس سے زیادہ جری اور شیر بھیڑیا اور ہاتھی اس سے زیادہ بہادر ہوتے ہیں۔

جسے اپنی جسمانی طاقت پر ناز ہو، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ”خچر“، ”بیل“ اور ”ہاتھی“ اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں۔

جس کو بہت بوجھ اٹھالینے پر ناز ہو، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ ”گدھا“ اس سے زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے۔

جس کو اپنے تیز دوڑنے پر فخر ہو، اسے جان لینا چاہیے کہ ”کتّا“ اور ”خرگوش“ اس سے زیادہ تیز رفتار ہیں۔

جس کو اپنی اچھی آواز پر خوشی ہو، اسے جاننا چاہیے کہ بہت سے پرندوں کی آواز اس سے کہیں زیادہ اچھی ہے۔

اور یہ کہ بانسری کی آواز اس سے زیادہ میٹھی اور طرب انگیز ہوتی ہے۔

پھر جس چیز میں یہ چوپائے انسان پر فائق ہیں، اس پر کیسا فخر اور کیسی خوشی؟

البتہ جس کی عقل پختہ، علم وسیع اور عمل اچھا ہو، اسے اس پر خوشی منانی چاہیے؛ کہ ان چیزوں میں اس پر صرف فرشتے اور خاص الخاص لوگ ہی فائق ہو سکتے ہیں (۱۱۱)۔

## ٦۔ ہم بے شمار مواقع پر غلطیاں کرتے ہیں:

ہم سے (بڑی) غلطی صادر ہوتی ہے جب ہم میں سے کوئی ”مصنوعی خوشبو“ پر توجہ دیتا اور ”قدرتی خوشبو“ کو نظر انداز کر دیتا ہے، ”قدرتی خوشبو“ سے میری مراد باطن کی پاکی، حسنِ اخلاق اور حسنِ سیرت ہے، نیز ہم اس وقت بھی غلطی پر ہوتے ہیں جب ہم اس ”فرق“ کو فراموش کر دیتے ہیں جو ہوا کے ساتھ اڑ جانے والی خوشبو اور نفوس وارواح میں پیوست ہو جانے والی خوشبو میں پایا جاتا ہے اور ہم اس خوشبو کے درمیان جسے بد خلق اور بد باطن بھی لگا سکتا ہے اور اس خوشبو کے درمیان ”فرق وامتیاز“ کو بھول جاتے ہیں جس سے صرف پاکیزہ نفس و پاکیزہ اخلاق ہی متصف ہو سکتا ہے؟

ہم بڑی غلطی پر ہوتے ہیں جب اپنے باطن، اپنے قلب اور اخلاق کی قیمت پر اور نقصان کر کے، اپنے لباس و پوشاک اور ظاہر کو سنوارتے ہیں۔

ہم سے اس سے بھی بڑی غلطی اس وقت ہوتی ہے جب ہم اپنے بدن پر تو، توجہ دیتے ہیں اور قلب و روح کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہم تب بہت غلط کرتے ہیں جب اپنے اور دوسروں کے درمیان اصلاح سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے اور اپنے خالق کے درمیان معاملے کی اصلاح کو بھول جاتے ہیں۔

---

(۱۱۱) الأخلاق والسير في مداواة النفوس: ص۱۸-۱۹.

ہم اس وقت بھی غلطی کرتے ہیں جب مخلوق کے ساتھ تو ادب ملحوظ رکھتے ہیں، لیکن خالق سبحانہ وتعالی کے ساتھ ادب کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔

ہم اس وقت بھی غلط ہوتے ہیں جب دین کو پامال کر کے اپنی دنیا سنوارتے ہیں۔

ہم سے اس وقت بہت بڑی غلطی صادر ہوتی ہے جب ہم اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنی آخرت کو بھول جاتے ہیں۔

ہم بہت غلط کرتے ہیں جب ہم میں کا کوئی شخص دور والوں کے ساتھ ادب ملحوظ رکھتا ہے اور نزدیک والوں کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔

ہم اس وقت بھی غلطی کرتے ہیں جب اپنا خوب خیال رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھول جاتے ہیں۔

ہم بہت زیادہ خطاوار ہوتے ہیں جب ہماری توجہ اس بات پر نہیں ہوتی کہ ہم بہت غلطی کر رہے ہیں۔

ہم سے بڑی غلطی اس وقت بھی ہوتی ہے جب ہمیں اپنے محاسبۂ نفس اور غلطیوں کو ٹھیک کرنے کا احساس نہیں رہتا۔

## ۷۔ اخلاق کے مفہوم کے بارے میں ایک خیال :

انسان کے مطالبِ عالیہ اور بڑے حقائق کی صحیح قدر و قیمت پہچاننے، زندگی کی حقیقت اور اس کے بعد انجام کا صحیح تصور یہ ہے کہ آپ "عالم دین" کو دیکھیں کہ وہ خیانت کی کسی بھی شکل کا مرتکب نہ ہو، نہ اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرے، نہ اپنی قوم کے ساتھ اور نہ ہی اپنے دین کے ساتھ؛ بلکہ وہ ہر حال میں نصیحت اور خیر خواہی کا حق ادا کرے۔ وہ اپنے نفس کے ساتھ دھوکا کر کے اسے معمولی قیمت میں نہ بیچے، خواہ وہ قیمت ساری دنیا ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنا نفس صرف ایک قیمت پر فروخت کرے اور وہ ہے اللہ کی "رضا" اور اس کی "جنت"۔

نہ وہ اپنی قوم کو دھوکا دے، نہ حاکم کو اور نہ محکوم کو؛ بلکہ حکم خداوندی کے مطابق سب کا حق پوری دیانت، اخلاص اور انصاف سے ادا کرنے کی کوشش کرے۔

انسان کے لیے باعثِ شرم وہ صورت ہوتی ہے جو ہر زمانے میں ان علمائے سوء میں سے کسی ایک کی طرف سے پیش آتی ہے جو دنیا، شہرت، منصب اور حاکم کی نظر میں جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کے

لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے؛ تاکہ وہ اپنا دین، اپنی قوم کا حق اور خود اپنے نفس کا حق گنوا کر کچھ شہرت پالے۔ پھر اس شہرت کے بدلے اسے (مزید) نیچے اترنا، اور (بہت کچھ) بھولنا ضروری ہوتا ہے۔ اسے (ذلیل وخوار ہوکر) زمین پر گرنا ہوتا ہے، بے چارہ!۔ جیسے اس نے دوڑ بھاگ ہی اس لیے کی ہے کہ لوگوں میں اپنا سر اونچا کرے؛ تاکہ لوگ اس سے کہیں اے بد دیانت اور کمینے! تف ہو تجھ پر، پھر اللہ کے اور لوگوں کے سامنے اس کا سر ذلت و رسوائی سے جھک جاتا ہے۔ پھر یہ قصہ جزو تاریخ بنا رہتا ہے جب تک اللہ چاہے، جی ہاں وہ تاریخ بن جاتا ہے، مگر ایک بری تاریخ!

ہر معاملہ اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ انسان کتنا بڑا جاہل اور کس قدر احمق ہے کہ وہ مخلص نہ رہے اور اس حالت اور اس نچلی سطح پر پہنچ جائے؟ اللہ تعالی ہمیں عافیت نصیب کرے۔

ایسا آدمی کسی کا مخلص نہیں ہوتا، نہ اپنے نفس کا، نہ حاکم کا اور نہ ہی محکوم کا۔ نیز ان میں سے کوئی بھی اس کے شر سے محفوظ نہیں رہتا اگرچہ شروع میں اور ظاہر میں امور اس طرح نظر نہ آئیں۔ جبکہ انسان کا فرض ہے کہ وہ حاکم و محکوم تمام ہی لوگوں کا مخلص اور ہمدرد ہو۔

## ۸- اے...!!

میرے معزز و محترم بھائی! اس خطاب سے میری مراد خود اپنی اور آپ کی ذات ہے، کوئی اور دوسرا میری مراد نہیں۔

اے اپنے ظاہر کو سجانے والے اور اپنے باطن سے غافل!

اے اپنے ہاتھ اور چہرے کو چمکانے والے، تم نے اپنے قلب کی لیے کیا کیا؟

اے اپنے کپڑے صاف ستھرے رکھنے والے! کیا تم نے اپنے باطن اور نفس کی گندگی کو صاف اور پاک کیا؟

اے اپنے جوتے پر پالش کرکے چمکانے والے اور اپنے نفس و قلب سے غافل! تمھیں اپنا نفس اور قلب کیوں نہ یاد رہا؟

اے ظاہری خوشبو لگانے والے! کیا تم نے اپنے باطن کو بھی خوشبودار بنایا؛ تاکہ تم منافق، دوغلے اور دورخے نہ کہلاؤ؟

فسادِ باطن کے ساتھ ظاہری خوشبو تمھیں کیا نفع دے گی؟

فسادِ باطن کے ساتھ ظاہر کا حسن وجمال تمھیں کیا فائدہ پہنچائے گا؟

اے لوگوں کے سامنے صاحبِ تزکیہ نظر آنے والے! کیا تم نے اللہ کے لیے (بھی) اپنے نفس کا تزکیہ کیا؟

اے دنیاوی معاملے کو درست کرنے والے! تم نے آخرت کا معاملہ کیوں درست نہیں کیا؟

اے دنیا میں عارضی گھر بنانے والے! تم نے اپنے لیے جنّتِ عدن میں مالک و مقتدر کے یہاں کوئی دائمی گھر کیوں نہیں بنایا؟

کون سی چیز ہے جو تمھیں دنیا تو یاد دلاتی ہے، مگر آخرت کو فراموش کرا دیتی ہے؟

دنیا کی تعمیر تمھیں کیا کام دے گی، اگر تمھاری آخرت ویران ہو؟

کیا تمھاری سمجھ میں معاملہ برعکس ہو گیا ہے، کیا تمھارے خیال میں دنیا ابدی ہو گئی اور آخرت عارضی؟

یا قیامت برپا ہونے میں تمھیں شک ہے؟ کیا قیامت پر تمھارا اس طرح ایمان نہیں جیسا کہ دنیائے فانی پر ہے؟

سنو! کتنی بڑی غفلت ہے اور کتنی ہولناک مصیبت؟

کیا میں تمھیں تعزیت پیش کروں، مگر اس حالت میں تعزیت بھی کیا فائدہ دے گی؟

تمھارا کوئی ساتھی دور کا ہو یا قریب کا، اسے یارا نھیں کہ اس مصیبت میں تمھاری غم خواری کرے، مگر ہاں وہ تمھیں دوا بتا دے گا اور اس مصیبت کی سنگینی سے روشناس کرا دے گا جس کے مقابلے میں تمام بیماریاں ہیچ ہیں۔ تمھیں راستہ بتا دے گا... یاد دہانی کرا دے گا... تمھیں نصیحت کر دے گا... زجر و توبیخ کر دے گا... اور تمھیں متنبہ کر دے گا۔ وہی تمھارا سچا دوست ہے۔ اللہ تعالی ہماری حالت کی بھی اصلاح کرے اور تمھاری حالت کی بھی، ظاہر کی بھی اور باطن کی بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ واللہ المستعان!!.

* * *

# دوسری بحث

## اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل کے طریقوں پر ایک نظر

اس بحث میں درج ذیل موضوعات شامل ہیں :

۱- تربیت اور تہذیبِ اخلاق صرف مربی و مصلح کا کام نہیں۔

۲- اخلاق میں خوف وشوق کا اثر۔

۳- تربیت میں باہمی تعاون ویک جہتی۔

۴- وہ امور جن پر زندگی کی استواری اور سعادت مندی موقوف ہے۔

۵- نفسِ انسانی کی تربیت وتہذیب کے اسباب ووسائل۔

۶- اللہ کی نعمتوں کا اقرار، حسنِ خلق کا اہم ترین محرک ہے۔

۷- دوسروں کے جذبات کا احترام اخلاق فاضلہ سے آراستگی کا ذریعہ ہے۔

۸- اخلاقِ فاضلہ کی تحصیل کے لیے مجاہدۂ نفس شرط ہے۔

۹- اخلاق کے حصول میں سیرت نبوی اور اکابر واسلاف کے حالات کی اثر انگیزی۔

۱۰- عدل وانصاف : معنی ومفہوم اور سلوک واخلاق پر اس کا اثر۔

۱۱- انفرادی واجتماعی محرکات اور اخلاق پر ان کی تاثیر۔

## ۱- تربیت اور تہذیبِ اخلاق صرف مربی و مصلح کا کام نہیں :

تربیت اور تہذیبِ اخلاق تنہا مربی و مصلح کا فرض نہیں، بلکہ تربیت دینے والے اور تربیت لینے والے اور معاشرے : تینوں کی مشترکہ ذمے داری ہے۔

جب انسان بلوغت کو پہنچ جائے تو شرعاً اس سے مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے طریقے اور اس کے احکام سے واقفیت حاصل کرے، اپنے آپ کو ان کا پابند بنائے خواہ کوئی اسے اس کی دعوت دے یا نہ دے اور جس پر اس کی تربیت کی ذمے داری ہے، وہ اس کی تربیت کرے یا نہ کرے۔

یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ جس شخص کی تربیت کی جائے، اگر وہ اس تربیت سے خوش اور مطمئن نہ ہو تو پھر وہ اس کے لیے مفید نہیں ہوتی۔

یہ درست ہے کہ جیسے تمام لوگوں پر اپنے نفس کی تربیت فرض ہے، اسی طرح ان کا فرض ہے کہ اپنے زیر تربیت افراد یا جن کی تربیت ان کے ذمے ہو ان کی تربیت بھی کریں۔ مگر بعض اوقات ''شور زمین'' اور ''سخت چٹانوں'' (جیسے انسانوں) میں ان کی محنت بار آور نہیں ہوتی۔ جو آدمی مربی و مصلح کی کوششوں کا قبولیت، رضامندی؛ بلکہ شکر گزاری، ادب واحترام اور شوق کے ساتھ خیر مقدم نہ کرے، اسے ان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تبدیلی کی ابتدا اپنے نفس سے ہوتی ہے، اور وہ بھی نفس کے اندر سے، نہ کہ باہر سے۔

ارشاد ربانی ہے : ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾(۱۱۲) :

''اللہ تعالی اس قوم کی حالت تبدیل نہیں کرتے جو اپنے آپ کو تبدیل (کرنے کا عزم واقدام) نہ کرے''۔

خواہ یہ تبدیلی اچھائی کی طرف ہو یا بُرائی کی طرف، خطا کی طرف ہو یا صواب کی طرف۔ یہ اس کائنات کا فطری دستور ہے جسے اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کے لیے بنایا ہے۔ تو کیا مربی و مصلح حضرات اس کو سمجھنے کی کوشش اور فکر کریں گے؟ اور کیا اس کا وہ لوگ احساس وادراک کریں گے جن کو اپنے اخلاق و عمل کی اصلاح کی خواہش ہے؟ پھر وہ اندر سے اپنے نفس کی اصلاح اور ایمان و ضمیر کی تربیت کی طرف توجہ دیں گے؟ رسول اکرم ﷺ نے اس جانب اشارہ فرمایا ہے جو قرآن کریم اور امر واقعہ

---

(۱۱۲) ۱۱ : الرعد : ۱۳.

کے مطابق ہے۔ چنانچہ فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ» (۱۱۳):

"سنو! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹھیک رہتا ہے تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے، دھیان سے سنو! وہ دل ہے"۔

کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اپنے نفس کی تہذیب وتربیت کے تعلق سے اپنی ذمے داری کو نہیں سمجھتے، اس لیے اس فریضے کی انجام دہی میں وہ کسی اہمیت کا احساس نہیں رکھتے؛ بلکہ ان کے دل میں یہ بات بیٹھی ہی نہیں ہے کہ یہ بھی کوئی فریضہ ہے، ان کو اپنی زندگی کے اس پہلو کو نظر انداز کرنے کے انجام کا ادراک بھی نہیں ہے، شاید انھوں نے اللہ تعالی کا یہ ارشاد سنا ہی نہیں:

﴿وَنَفۡسٖ وَمَا سَوَّىٰهَا ۝٧ فَأَلۡهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقۡوَىٰهَا ۝٨ قَدۡ أَفۡلَحَ مَن زَكَّىٰهَا ۝٩ وَقَدۡ خَابَ مَن دَسَّىٰهَا ۝١٠﴾ (۱۱۴)!!

"قسم ہے نفس کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا، پھر سمجھ دی اس کو بدکاری کی اور بچ کر چلنے کی، جس نے اسے پاک کیا وہ کامیاب ہوا، اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا"۔

بلکہ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو مربی کی تربیت، معلم کی تعلیم اور ناصح کی نصیحت کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ گمراہی وسرکشی کا یہ درجہ اول الذکر سے کہیں زیادہ بدتر ہے!!

لیکن اس شخص کے بارے میں جو والد، والدین یا معلم کی تربیت کو ٹھکرا دیتا ہے، اللہ کی سنتِ جاریہ یہ ہے کہ دوسرے لوگ؛ بلکہ شاید کمینے لوگ اس کی تربیت کرتے ہیں اور کبھی اللہ تعالی کی قضا وقدر تربیت کرتی ہے، اس کی اس گستاخی پر اس کی گرفت کرتی، اس کو سزا دیتی اور تادیب کرتی ہے۔ تو کیا اس قسم کے لوگ اس حقیقت کو سمجھیں گے؟! امید ہے کہ ضرور سمجھیں گے۔

---

(۱۱۳) یہ ایک حدیث کا حصہ ہے جس کی تخریج کتب ستہ میں کی گئی ہے اور بخاری شریف میں کئی جگہوں پر آئی ہے، مثلاً کتاب الإيمان، باب من استبرأ لدينه، حدیث نمبر: ۵۲، ومسلم شریف، كتاب المساقاة، حدیث نمبر: ۱۰۷(۱۵۹۹)، بروایت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما.

(۱۱۴) ۷-۱۰: الشمس: ۹۱.

## ۲-اخلاق میں خوف و شوق کا اثر :

اخروی زندگی دنیاوی زندگی سے الگ تھلگ نہیں ہے؛ بلکہ اس کا دنیاوی زندگی سے ایسا ہی ربط و تعلق ہے جیسا سبب کا مسبب سے اور مقدمے کا نتیجے سے۔ پس آخرت میں لوگوں کی حالت دنیاوی زندگی میں ان کی حالت ہی کا امتداد و تسلسل ہے۔ لہذا جو شخص اس دنیا میں نیت، قول اور عمل کے لحاظ سے اللہ کی طاعت کرے گا، وہ آخرت میں اللہ تعالی کے یہاں اچھے ٹھکانے اور ابدی جنت میں رہے گا۔

جو شخص اس دنیا میں نیت، قول اور عمل کے اعتبار سے اللہ کی نافرمانی میں مبتلا رہے گا، وہ آخرت میں اسی بُری حالت کے انجام میں رہے گا۔ اسے وہ پُر فریب ”سراب“ کچھ فائدہ نہ دے گا جو اس نے یہاں عارضی طور پر حاصل کیا ہوگا اور نہ ہی قریب و دور کا کوئی ساتھی یا رشتے دار کام آئے گا۔ دنیاوی زندگی تو دھوکے ہی کا سامان ہے۔ جو لوگ کسی خوف یا لالچ کے سامنے شکست یا دہشت میں مبتلا ہو جاتے ہیں انھوں نے صحیح طور پر نہ اللہ کو پہچانا، نہ دنیا کی حقیقت جانی اور نہ ہی آخرت کی حقیقت کو سمجھا۔ اس قسم کے لوگ بہت زیادہ انحراف کا شکار ہوتے ہیں اور تنگی و پریشانی میں پڑ جاتے ہیں اور انھیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا؛ کیونکہ کل پر (لگی رہنے والی) نگاہ، انھیں آج کی اصلاح سے غافل کر دیتی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ کل اور مستقبل تو اللہ کے حوالے ہے اور (یہ بات نہیں سمجھتے کہ) وہ نیت اور قول و عمل میں اللہ کی طاعت کا خود کو پابند بنا کر اپنے آج اور حال کی اصلاح کے ہی مکلّف ہیں۔ اسی سے دنیا و آخرت میں ان کا حال و مستقبل درست ہوگا اور حال کی اصلاح کیے بغیر مستقبل کی اصلاح ممکن ہی نہیں۔ جو لوگ مستقبل کی اصلاح کی ضمانت کے لیے حال کے مرحلے کو پھلانگتے ہیں، وہ (اس کوشش اور بھاگ دوڑ میں) گر کر ٹوٹ جاتے ہیں یا زندگی ہی انھیں توڑ دیتی ہے۔ ایسے لوگ مخلوق کے بارے میں اللہ کی سنت کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اللہ کی شریعت کی بھی۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ یہ لوگ اپنے لیے سعادت و خوش حالی چاہتے ہیں تو اس میں کوئی اعتراض اور بری بات نہیں، مگر اس کا راستہ یہ نہیں ہے۔ جب کوئی شخص اپنی عقل و حواس کی طرف لوٹتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ کی فرماں برداری کا پابند بناتا ہے، اور یہ جان لیتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے ساتھ کس طرح سے رہے (اور عمل کرے) تو اس کو اس چیز (عمل اور اطاعت) سے نہ لالچ کا زور پھیر سکتا ہے اور نہ ڈر کی شدت۔

انسان کو فکری و عملی طور پر کب یقین آئے گا کہ اللہ تعالی کی طاعت خیر ہی لاتی ہے اور صرف اللہ کی رضا اور اس کے ثواب کا سبب ہوتی ہے، خواہ اس کا انجام ابتدا میں یا ظاہر میں کچھ بھی نظر آئے؟!

اسی طرح انسان کو فکری و عملی طور پر کب اس امر کا یقینی علم ہو گا کہ اللہ کی نافرمانی دنیا و آخرت میں محض ”شر“ لاتی ہے اور صرف اللہ کے غیظ و غضب اور اس کی سزا کا باعث ہوتی ہے، خواہ اس کی حالت ابتدا میں یا ظاہر میں کچھ دکھائی دے؟!

انسان کو کب یقینی طور پر علم ہو گا کہ اس دنیا میں اس کی لغزش و خطا اور اللہ کی نافرمانی و معصیت بے محل خوف اور بے جا لالچ کے سبب ہوتی ہے؟ کب وہ اپنے ان غلط جذبات پر فتح حاصل کر کے اپنے نفس کو اللہ کی طاعت کا پابند بنائے گا اور معصیت سے بچائے گا؟

اسے کب اس بات کا یقینی علم ہو گا کہ اس کی خطا اور معصیت ہی وہ چیز ہے کہ جس کی سزا کائنات میں جاری اللہ کی سنت اور اس کی شریعت کے دستور کے مطابق، وہ دنیا و آخرت میں بھگتے گا۔ اس سے بچنے کی راہ صرف استغفار، توبہ، اصلاح اور اللہ کے سامنے (رونا دھونا اور) اپنے گناہ و خطا کا اقرار ہے۔

انسان کو یقینی طور پر کب اس کا علم ہو گا کہ اس کے اوپر اللہ خالق و رحمن و رحیم سے زیادہ کوئی رحم کرنے والا نہیں ہے؟ اگر وہ اس کی رحمت کا طلب گار ہے تو وہ خالق رحیم و کریم کی اطاعت پابندی سے کرے اور اس کی رحمت کی راہ پر چلے۔

انسان کب تک اپنی سرکشی میں بڑھتا رہے گا؟ کب تک خود اپنے اور اپنے ساتھ والوں کی پریشانی و حرماں نصیبی میں لگا رہے گا؟

دیکھو! جب اللہ کی طاعت و عبادت، اس کی محبت اور اس کی خشیت کے راستے سے زندگی کا پہیا ہٹتا ہے تو زندگی کتنی بدحال ہو جاتی ہے!!

اسی طرح زندگی جب اللہ کی طاعت و عبادت پر صبر کے ساتھ گزرے اور اللہ کی محبت و خشیت، نیکی اور تقوے میں تعاون پر قائم و دائم رہے تو اس کی خوش وقتی اور خوش بختی کا کیا ٹھکانا!!

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى ٱلصَّٰبِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (۱۱۵):

---

(۱۱۵) ۱۰: الزمر: ۳۹.

"صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے"۔

## ۳- تربیت میں باہمی تعاون و یک جہتی :

لوگوں کے باہمی تعاون کی سب سے زیادہ مستحق چیز نسل اور اولاد کی تربیت ہے، دنیاوی امور میں تعاون اس کی بہ نسبت زیادہ اہم نہیں ہے۔

دوسری طرف ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تربیت کے عمل میں لوگوں کا باہمی تعاون واشتراک، تربیت کی ضروریات میں سے ایک ضرورت ہے خواہ ایک خاندان کے درمیان ہو یا اعزہ واقارب، رفقا واحباب یا پھر معاشرے کے عام افراد کے درمیان؛ کیونکہ کسی ایک فرد کا اپنی اولاد کی تربیت کرنا، اپنے دوست واحباب اور آس پاس رہنے والے لوگوں کے تعاون کے بغیر بہت مشکل ہے۔ اگرچہ یہ امر واقعی کسی بھی حالت میں اس بات کے لیے عذر نہیں بن سکتا کہ وہ ان کی تربیت کرنے سے دست بردار ہو جائے جن کی تربیت اس کے ذمے لازم ہے۔

تربیت واصلاح کے فریضے میں باہمی تعاون سے محنت کم ہو جاتی ہے اور وقت بھی بچتا ہے، تربیت بھی خط مستقیم پر رہتی ہے اور نتائج بھی بہتر ہوتے ہیں۔

مثلاً اگر میں اپنے لڑکے سے کوئی ایسی بات کہوں جس سے وہ سمجھے کہ فلاں کام صحیح وصواب ہے، پھر کوئی موقع آنے پر اس کی ماں بھی اسے اسی بات کا احساس دلائے، اس کا بھائی بھی یہی بات کہے، میرا فلاں فلاں رشتے دار اور فلاں دوست بھی وہی بات کہیں تو اسے بخوبی ادراک ہو جائے گا کہ یہ کام سب کی نظر میں حق وصواب ہے، سب کی نظر میں اس کی اہمیت ہے اور یہ کہ سب لوگ اس کی دعوت دے رہے ہیں تو اس کی خلاف ورزی اس کے لیے آسان نہ رہے گی۔

یہی بات آپ کی اولاد کے لیے بھی ہے۔ اور سارے معاشرے کے لیے بھی ہے۔

یہ بہتر ہے یا خاندانوں، رشتے داروں اور دوستوں کو تباہ کر دینے والا منفی کام؟

یہ بہتر ہے یا تربیت کرنے میں باہم اختلاف وتضاد؟ مثلاً ماں باپ ایک دوسرے کی مخالفت کریں، ایک دوسرے کی بات کاٹیں، اسی طرح مربی و مصلح، اس کے رشتے دار واحباب ایک دوسرے کی مخالفت کریں یا گھر اور مدرسہ واسکول ایک دوسرے کی مخالفت کریں یا ایک دوسرے کے برعکس

چلیں تو اس قسم کی تربیت کے بھلا کیا اچھے نتائج بر آمد ہو سکتے ہیں؟!

گھر اور مدرسہ، سماج و معاشرہ اور اعزہ واحباب کے درمیان خیر و شر کے تصور کے تعلق سے تربیت ایک ہی خیال اور ایک ہی موقف پر ہونی چاہیے۔ اگر تربیت دو مختلف آرا و نظریات پر ہو تو اس خاندان، معاشرے اور اولاد کو سلام کہہ دینا چاہیے۔

اگر ایسی صورتِ حال ہو تو مربی و مصلح اور زیر تربیت فرد دونوں ہی ناکام ہوں گے۔

اس تربیت سے کیا توقع کی جا سکتی ہے جو دو (متضاد) حصوں میں منقسم ہو؟

اس تربیت سے کیا توقع کی جاسکتی ہے جس کے دو حصے دو مختلف سمتوں کی جانب رخ کیے ہوئے ہوں؟

نیز اس تربیت سے کیا امید کی جاسکتی ہے جس کے راستے باہم متصادم و متضاد ہوں اور گمان یہ ہو کہ مقصد ایک ہی ہے؟

اس جیسی تربیت ہرگز ہرگز کوئی خیر پیدا نہیں کر سکتی؟

پھر کیا یہ تربیت ہے بھی؟

یہ تو تخریب ہے نہ کہ تعمیر، بے تمیزی (اور بدسلیقہ پن) ہے نہ کہ حسنِ سلوک۔

## ۴- وہ امور جن پر زندگی کی استواری اور سعادت مندی موقوف ہے:

بیٹا باپ سے رہنمائی حاصل کرے، نیکی میں والدین کی بات سنے اور فرماں برداری کرے اور ہر حال میں ان کا ادب ملحوظ رکھے۔

بیوی اپنے شوہر سے رہنمائی حاصل کرے، نیک کاموں میں اس کی بات سنے اور مانے، گھر کے معاملے میں شوہر کی سربراہی و سرپرستی تسلیم کرے، اسی کے مطابق اولاد کی تربیت کرے۔

طالب علم اپنے استاذ سے علم وادب حاصل کرے، اس کے ادب واحترام کا فریضہ اس کی شکر گزاری اور اس کے دعائے خیر کا حق ادا کرے۔

جاہل (باقاعدہ) عالم سے یا ایسے آدمی سے علم حاصل کرے جس کے پاس نجات کے لیے کافی علم ہو اور قبولیت، مسرت اور شکر گزاری کے ساتھ (علم حاصل کرے)۔

نیک کام میں محکوم اپنے حاکم کی حمایت کرے، اس کی بات سنے اور فرماں برداری کرے، حاکم

اپنے محکوم کی خیر خواہی کرے اور اپنے ذاتی مفاد سے زیادہ ماتحت کے مفاد کی فکر کرے۔

ایک شریک دوسرے شریک کے ساتھ دیانت وامانت کا معاملہ کرے، اس سے سچ بات بتائے، معاملہ صاف رکھے، اپنے ہی جیسا معاملہ اس کے لیے بھی پسند کرے، اور اپنے حقوق حاصل کرنے میں اخلاقِ حمیدہ کے منافی ضرورت سے زیادہ جانچ پڑتال نہ کرے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرے، نیت وارادے کے لحاظ سے بھی، فکر کے اعتبار سے بھی اور عملی پہلو سے بھی۔

اگر یہ لوگ اپنے اوپر عائد ان ضروری اخلاق وعادات کو نہ اپنائیں جو زندگی کی استواری اور دنیا وآخرت میں اس کی سعادت کے لیے ضروری ہیں تو ان کی زندگی برباد ہو جائے گی، ان کی زندگی کی استواری اس کی ضد (یعنی کجی) میں اور سعادت شقاوت میں تبدیل ہو جائے گی اور ان کی شقاوت کے باعث ان کے ساتھ والے؛ بلکہ آس پاس والے بھی شقاوت اور پریشانی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اگر ان میں سے کوئی شخص اپنے اوپر عائد ضابطۂ اخلاق کو چھوڑنے کی وجہ سے کسی سانحے میں مبتلا ہو جائے تو اس کا حل حق وصواب کی طرف واپسی ہے، نہ کہ غلطی کی طرف دعوت دینا؛ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ اپنی زندگی میں ”خطائے مرکب“ کے شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ غلطی کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنے فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور اسے اپنی اس غلطی کا ادراک بھی نہیں ہوتا، اس خوبی کو اپنانے کی اس میں صلاحیت نہ ہونے کے سبب یا خواہش نفس کے باعث حق وصواب سے اندھا بن جانے کے سبب ایسا ہوتا ہے، لہٰذا مدّ مقابل سے اپنے اس خیالِ فاسد کی وجہ سے مطالبہ کرتا ہے اور فیصلہ سناتا ہے کہ وہی حق پر ہے اور اس کے انصاف نہ کرنے اور اس کے مفروضہ خیال کو نہ ماننے کی وجہ سے اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور اس سے اسی (غلط بات) کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ تہہ در تہہ تاریکیاں ہیں۔ ایک عقل مند آدمی جس کو اپنی سعادت اور اپنے ساتھ رہنے والوں کی سعادت سے دلچسپی ہو، اس کو چاہیے کہ ان چیزوں سے بچے اور دوسروں کا محاسبہ کرنے سے پہلے خود اپنا محاسبہ کرے۔

اسی طرح دوسرے لوگوں کا موقف بھی اصلاح کا ہونا چاہیے، یعنی مشکل کو صحیح طور پر سمجھ کر اس کے اسباب کے ازالے کی کوشش کی جائے اور غلطی کرنے والے کو حق وصواب کی طرف لوٹایا

جائے۔ انصاف پسند اور اہل عقل کے باہمی تعاون اور اس مسئلے میں ایک ہی رائے رکھنے کی وجہ سے خطاکار اور جاہل حق وصواب کی طرف لوٹ آئے گا یا کم از کم اتنا تو جان لے گا کہ وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا ہمنوا نہیں، لہذا باطل امور میں بڑھے چلے جانے سے رُک جائے گا۔

لیکن اگر ایک جاہل دوسرے جاہل، ایک احمق دوسرے احمق اور ایک باطل پرست دوسرے باطل پرست کے ساتھ مل جائے اور وہ سب اپنا ایک گروہ بنا لیں تو حق، اہل حق اور حق کی دعوت دینے والوں کا حال مت پوچھو کہ انھیں کس قدر مشکلات ومسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اور اگر کسی جاہل، احمق یا باطل پرست کو فیصل بنالیا جائے، اس کی رائے اختیار کی جائے اور اس کے فیصلے پر عمل کیا جائے تب تو عافیت، سلامتی، استقامت اور سعادت کو سلام!

جاہل، احمق اور باطل پرست اسی لیے ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے کہ انھوں نے اپنی ہی رائے وعقل کو اختیار کیا اور حق، عقل، فطرت اور خیر خواہوں کی خیر خواہی پر توجہ نہ دی، جاہل نے وہ چیز اختیار کی جو اس کی جہالت نے اسے سجھائی۔

احمق نے اس بات پر عمل کیا جو اس کی حماقت نے سکھائی۔

جبکہ باطل پرست نے وہ کام کیا جس کی پکار اس کے خبثِ باطن نے لگائی۔

جب حالت اس حد تک پہنچ جائے تو تم صرف اپنی سلامتی وحفاظت کی فکر کرو اور ان لوگوں کی سلامتی کی فکر چھوڑ دو، کہ ظالموں کے لیے ہلاکت مقدر ہے۔

کون ہے جو پاگل کو اس بات کا قائل کر سکے کہ وہ پاگل ہے؟

”مجاہدۂ نفس“ بیٹے، بیوی، طالب علم اور ہر اس شخص پر لازم ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا، اخلاقِ حسنہ سے آراستگی کے لیے مجاہدۂ نفس ان کے لیے ناگزیر ہے۔ ان پر لازم ہے کہ ہوائے نفسانی کا شکار نہ ہوں، طبیعت کے تقاضے پہ نہ چلیں یا ان کے علاوہ جادۂ حق، عدل وانصاف اور حق وصواب سے پھیرنے والے کسی بھی دوسرے سبب کے ساتھ بھاگتے نہ چلے جائیں۔ مثلاً دوسرے غلط کاروں کی مشابہت کا رجحان اور ان کی اتباع کرنا یا مذکورہ بالا لوگ جن کے حقوق ان پر واجب ہیں، ان کے بجائے دوسرے لوگوں کے حقوق کی ادائیگی؛ اس لیے کہ زیادہ مستحقین کے حقوق پامال کر کے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی صحیح نہیں۔

اگر بیٹا، بیوی، طالب علم، شریک وپارٹنر، محکوم وحاکم اور بھائی اپنے اوپر عائد حقوق ادا نہ کریں، یا اپنے

حقوق کا مطالبہ اس شخص سے کریں جس کا حق خود ان پر ہو تو یہ ظلم وزیادتی ہے۔

اس عجیب صورت حال کے ہوتے ہوئے یہ بڑی حماقت کی بات ہے کہ یہ لوگ دنیا وآخرت میں اچھی اور سعادت والی زندگی کی امیدیں کریں۔

سننے اور ماننے، ادب وشکر گزاری اور نفس کو راہِ راست پر گامزن رہنے کا پابند بنانے اور حق پسندی وحق پرستی لیے اپنے آپ کو قائل ومطمئن کرنے کے لیے جو چیزیں اہم ہیں، وہ تین ہیں:

۱- اس بات کا یقین واطمینان کہ جن کے ذمے ان کے حقوق ہیں، یعنی ماں باپ، شوہر، بھائی اور استاذ؛ یہ سب اپنے اپنے مقام ومرتبے کے مطابق ناصح وخیر خواہ مہربان اور امین ہیں، ان سے انسان کے لیے بھلائی وخیر خواہی ہی کی توقع ہوتی ہے اور اس چیز کا تصور بھی نہیں ہوتا کہ مثلاً باپ اپنے بیٹے کے لیے ایسی چیز پسند کرے یا اس کو ایسا حکم دے جس میں اس کا نقصان ہو یا اس کے لیے "شر" کا باعث ہو، سوائے ان اقلِّ قلیل لوگوں کے جو اپنی فطرت سے ہٹ گئے ہوں جن کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ یہ مخلوق کے لیے اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کچھ تبدیلی کر سکتے ہیں۔

۲- اس بات کا ادراک واطمینان کہ انسان ان لوگوں کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے اور ان کے تعلق سے اپنے اوپر عائد جو حقوق وفرائض ادا کرتا ہے، وہ صرف اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے، تاکہ دنیا وآخرت میں اپنے رب سے اس کی جزا پائے، جبکہ وہ انسان جو لوگوں کے ساتھ بے رحمی وذلت سے پیش آتا ہے، وہ حقیقت میں اپنے ساتھ ہی برا کر رہا ہوتا ہے۔

۳- اس بات پر پورا اطمینان کہ اشیا واعمال کے پرکھنے کا صحیح معیار نفس کا میلان اور خواہش نہیں، بلکہ شریعت، عقل اور فطرت سلیمہ ہی اس کا معیار اور کسوٹی ہے۔ جہاں تک نفس کے میلان اور خواہش کا تعلق ہے تو وہ اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ نفس کو فرائض وواجبات کی عدم پابندی، قربانی اور ایثار سے دوری اور دینے سے زیادہ لینا پسند ہے۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَعَسَىٰٓ أَن تَكۡرَهُواْ شَيۡـٔٗا وَهُوَ خَيۡرٞ لَّكُمۡۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّواْ شَيۡـٔٗا وَهُوَ شَرّٞ لَّكُمۡۗ وَٱللَّهُ يَعۡلَمُ وَأَنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ﴾(۱۱۶):

---

(۱۱۶) ۲۱۶ : البقرة : ۲.

"ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بُرا جانو اور دراصل وہی تمھارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو، حالانکہ وہ تمھارے لیے بُری ہو، (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے"۔

## ۵- نفسِ انسانی کی تربیت و تہذیب کے اسباب و وسائل:

- اپنے اوپر ہونے والی اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھنا اور شکر گزار ہونا۔
- موت اور اس کے بعد حساب اور جزا و سزا کو یاد رکھنا اور یہ کہ (آخرت کی جزا و سزا) اس دنیاوی زندگی میں انسان کی حالت سے مربوط ہے (یعنی جیسا کروگے ویسا بھروگے)۔
- اخلاقِ حمیدہ کا حکم دینے والے اور اخلاقِ سیئہ سے منع کرنے والے کی عظمت کو یاد رکھنا اور اس کے حق کو یاد رکھنا اور وہ ذات اللہ کی اور اس کے رسول کی ہے۔
- نفس کا مجاہدہ (اور پوری کوشش کرنا)، نفس پر (پوری) نظر رکھنا، اچھے اور بُرے اعمال پر نفس کا محاسبہ کرنا، نیز ہمیشہ اسے اچھے امور کا پابند بنانا۔
- اخلاقِ حمیدہ کو اپنانے اور اخلاقِ سیئہ کو چھوڑنے کے لیے لازمی اصول و قواعد کو جاننا۔
- نفس کے اخلاقِ حمیدہ کے اصول و قواعد کو اپنانے، ان کی پابندی کرنے اور اخلاقِ ذمیمہ کے اصول و قواعد سے دوری اختیار کرنے پر توجہ دینا۔
- اہل ایمان کی صفات، نیز ان صفاتِ حمیدہ کی جستجو کرنا جن کی قرآن و حدیث نے دعوت دی ہے اور ان سے آراستگی کی کوشش کرنا۔ اسی طرح ان اخلاق سیئہ اور کفار و منافقین اور فسّاق و فجّار کی عادات سے متنبہ رہنا جن کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مذمت کی ہے اور ان میں مبتلا ہونے سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنا۔
- ایسا دوست بنانا جو نیک ہو، خیر خواہ ہو، اخلاقِ فاضلہ کا مالک ہو اور جو تمھیں تمھارے عیوب سے آگاہ کرے۔

## ٦- اللہ کی نعمتوں کا اقرار، حسنِ خلق کا اہم محرک ہے:

میرے بھائی! تہنیت و مبارکباد وصول کرنے کے دن اپنی تعزیت کا دن یاد رکھو، منصب تفویض کیے جانے کے دن، منصب سے بے دخلی کے دن کو یاد رکھو، عافیت کے دن ابتلا کا دن نہ بھولو،

خوشی کے روز غم کا دن اور صحت کے روز بیماری کا دن فراموش نہ کرو، مل بیٹھنے کے روز جدائی کا دن اور کشادگی و فراخی کے روز تنگی کا دن ذہن میں رکھو، اُنس و یگانگت کے روز اجنبیت و وحشت کا دن اور اعضا و حواس کی سلامتی کے روز ان سے محرومی اور ان کی بیماری کا دن، اسی طرح جوانی کے دنوں میں بڑھاپے کے دن اور زندگی میں موت کا دن یاد رکھو۔

برادرِ من! ہر نعمت کی موجودگی میں اس سے محرومی کو یاد رکھو، اس پر اپنے نفس کا محاسبہ کرو اور نعمت دینے والی ذات کا شکریہ ادا کرو۔ ہمہ وقت اپنے اوپر اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ہر نعمت سے محرومی کو یاد رکھو اور وہ کچھ کرو جو اس وقت کرتے جب اللہ تعالی وہ نعمت تم سے واپس لے لیتا (یعنی نعمت کو باقی رکھنے کی پوری کوشش کرو)۔ تم یاد رکھو کہ اللہ تعالی نے تمھیں وہ نعمت دی ہے اور چھینی نہیں ہے، تمھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ابتداءً نعمت ملنے کی حالت اور نعمت چھن جانے کے بعد دوبارہ ملنے کی حالت میں فرق نہیں کرنا چاہیے (یعنی دونوں حالت میں نعمت کی قدر اور چھن جانے کا ڈر رہنا چاہیے) واقعی انسان بڑا ناشکرا اور ظالم ہے۔ میرے بھائی! تم پر لازم ہے کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالی کی نعمتوں کو محسوس کرو، جبکہ تم دیکھ رہے ہو کہ دوسرا شخص کسی ایک نعمت یا بہت سی نعمتوں سے محروم ہے۔

جب تم کسی اندھے کو دیکھو تو یقین کر لو کہ دونوں آنکھیں تمھارے خلاف اللہ تعالی کی حجت ہیں۔ جب تم کسی ایسے انسان کو دیکھو جس کی ایک آنکھ نہیں ہے تو سمجھ لو کہ تمھیں اللہ نے دونوں آنکھیں ابتلا اور آزمائش کے لیے دے رکھی ہیں یا اگر اللہ تعالی نے تمھاری ایک آنکھ باقی رکھی ہے تو یاد کرو کہ اس نے دونوں آنکھیں نہیں لیں۔ جب کسی اپاہج کو دیکھو تو یاد کرو کہ اللہ تعالی نے تمھیں چلنے پھرنے کی طاقت دے رکھی ہے اور جب دین یا اخلاق کے اعتبار سے کسی کو مبتلائے فتنہ دیکھو تو یاد کرو کہ اللہ تعالی نے اس مصیبت و آفت سے تم کو عافیت دے رکھی ہے وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَإِن تَعُدُّواْ نِعۡمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحۡصُوهَآۗ إِنَّ ٱلۡإِنسَٰنَ لَظَلُومٞ كَفَّارٞ﴾ (۱۱۷)!!

”اور اگر تم اللہ کے احسان گننا چاہو تو تم انھیں پورے طور پر گن بھی نہیں سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے“۔

---

(۱۱۷) ۳۴ : ابراہیم : ۱۴.

## ۷- دوسروں کے جذبات کا احترام، مکارمِ اخلاق سے آراستگی کا ذریعہ ہے :

انسان کی فطرت میں اللہ تعالی نے یہ بات رکھی ہے کہ اسے لوگوں کا اس سے محبت کرنا اچھا لگتا ہے، چنانچہ یہ فطرت تمام انسانوں کے نفوس میں سرایت کیے ہوئے ہے، سوائے معدودے چند افراد کے جو اس فطرت سے ہٹ گئے ہیں، اس قلیل تعداد کا کوئی شمار و اعتبار نہیں۔

اس فطری عادت و خصلت سے مکارمِ اخلاق کی تحصیل میں کام لیا جاسکتا ہے، جس کے درج ذیل متعدد طریقے ہیں :

انسان ہمیشہ یہ بات یاد رکھے کہ جو کوئی اس سے محبت کرتا ہے، وہ اس کی اچھی عادتوں کی وجہ سے محبت کرتا ہے اس کے بُرے اخلاق و افعال کی وجہ سے نہیں۔ ان کو اس کی صفائی اور نظافت سے محبت ہے، اس کی گندگی اور میلے کچیلے پن سے نہیں، خواہ اس انسان اور محبت کرنے والوں کے درمیان کیسا ہی تعلق ہو حتی کہ رشتے داری اور محبت کا تعلق ہی کیوں نہ ہو؛ لہذا اسے ان کے اس احساس (اور اچھے گمان) کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ اور اخلاقِ حمیدہ کے حصول کی کوشش اور اخلاقِ سیئہ سے دور رہنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

یہ تو خدا کی مخلوق انسانوں کے درمیان باہم محبت اور پسند و ناپسند کا معیار اور حال ہے تو پھر سوچو کہ اپنے خالق و مالک اور محسن اعظم کی محبت اور اس کی پسند و ناپسند (اور اس کو راضی کرنے کی کوشش) میں ہمارا کیا حال ہونا چاہیے؟ جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ اسے اپنے بندوں کے صرف اچھے اخلاق ہی پسند ہیں اور بُرے اخلاق اسے سخت ناپسند ہیں! واللہ المستعان۔

## ۸- اخلاقِ فاضلہ کی تحصیل کے لیے مجاہدۂ نفس شرط ہے :

اگر آپ اخلاقِ حمیدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو مجاہدۂ نفس کی ضرورت ہے؛ کیونکہ قیود اور پابندیوں سے بھاگنا نفس کو بے حد پسند ہے، خواہ وہ قیود اس کی سعادت کے دائرے کی حدبندی کے لیے ہی کیوں نہ ہوں اور خواہ اس کا بھاگنا ایک لمحے کی موہوم سعادت کے لیے ہی ہو، جو اس کے لیے دائمی شقاوت و بدبختی کا سبب بن جائے۔

آپ کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بلند (اور اعلیٰ) مقاصد معمولی سی قیمت میں طلب (اور حاصل) کرلیں۔

آپ کے لیے یہ بات ٹھیک نہیں کہ فساد و برائی، ذلت و کمینگی مفت ملے تو آپ اس کو پسند اور گوارا کر لیں۔

جو شخص کسی عظیم شے کا طالب اور بلند (اور اعلیٰ) مقاصد کا طلب گار ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ اس کی مناسب قیمت بھی ادا کرے، ورنہ تو بلندیوں تک پہنچنے کے مواقع میں تمام لوگ برابر ہو جائیں گے۔

بلند مقاصد اور مکارم اخلاق کی پہلی قیمت یہ ہے کہ انسان کی سوچ بلند ہو، جیسے وہ آدمی جو بلند و بالا پہاڑ پر چڑھنا چاہتا ہے تو وہ سب سے پہلے نگاہ اٹھا کر اس چوٹی کو دیکھتا ہے جہاں تک پہنچنے کا وہ عزم رکھتا ہے، نیز وہاں تک رسائی کے لیے مطلوبہ قربانیاں دینے پر اپنے آپ کو تیار کرتا ہے، اس کے بعد اسے محنت ومشقت، عرق ریزی اور وقت کی طرف دھیان دیے بغیر پورے عزم و حوصلے سے کوشش کرنی ہوتی ہے۔

لیکن جو شخص بلندی سے نیچے گرنا چاہے اسے اس محنت و مشقت کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن وہ اس طرح گر جاتا ہے کہ پھر کبھی اٹھ نہیں پاتا۔ اس کی مثال اس انسان کی سی ہے جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر ہو، وہ اگر گرنا چاہے تو اسے صرف اتنا کرنا ہے کہ اپنے آپ کو اوپر سے نیچے گرا دے۔

بلا شبہ! ہمیشہ اعتبار قیمت کی مقدار کا نہیں ہوتا، بلکہ نتیجے اور قیمت لگائی جانے والی چیز کا ہوتا ہے۔ اس زندگی میں سنت اللہ یہ ہے کہ انسان ہر چیز کے لیے اس کے مناسب خرچ کرے۔ چنانچہ دنیا کے لیے بھی دوڑ دھوپ اور سعی ہے اور آخرت کے لیے بھی۔ فضائل و مکارم کے لیے بھی سعی کرنی ہوتی ہے اور رذائل و مظالم کے لیے بھی، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَنْ أَرَادَ ٱلْأَخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُوْلَٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ﴾(۱۱۸):

”اور جو شخص آخرت چاہے اور جیسی کوشش اس کے لیے ہونی چاہیے وہ کرتا بھی ہو جبکہ وہ مومن بھی ہو، تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش کی اللہ کے ہاں پوری قدر کی جائے گی“۔

مجاہدۂ نفس کرنے والے کے لیے صبر (اپنی مختلف انواع و اقسام کے ساتھ) سب سے اہم سامان سفر ہے۔ اس باب میں سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے، وہ شہوات اور خواہشاتِ نفس پر قابو

---

(۱۱۸) ۱۹ : الاسراء : ۱۷.

رکھنا ہے؛ کیونکہ زیادہ تر تباہ ہونے والوں کو اسی شہوت نے تباہ و برباد کیا ہے۔

ایسا صبر وہی آدمی کر سکتا ہے، جو اللہ کے لیے مجاہدۂ نفس کرے اور تمام واقعات کے انجام پر غور کرنے کا خود کو عادی بنائے۔ پھر ان واقعات کے ساتھ مناسب رویے، مناسب طرز عمل اور مناسب اقوال وافعال کے ساتھ پیش آئے۔ اسی طرح خواہش نفس سے مغلوب ہو جانے کے انجام پر غور کرنا، وہ خواہش جیسی بھی ہو حلال ہو یا حرام؛ اس لیے کہ ہر عمل کا ایک انجام اور ہر اقدام کا ایک نتیجہ ہوتا ہے، چاہے آپ کے حق میں ہو یا آپ کے خلاف۔

انسان کے لیے ضروری ہے کہ اپنی خواہشات کے حق میں اس کا طرزِ عمل مراقبے اور محاسبے کا رہے، نہ کہ ان سے مغلوب ہونے اور ان پر لبیک کہنے کا۔ نفس کی خواہش پر لبیک کہنے سے پہلے اسے ان باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے جو امام ابن قیم جوزی رحمہ اللہ نے لکھی ہیں، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

”شہوت پر صبر کرنا شہوت کے نتائج پر صبر کرنے (یعنی بھگتنے) سے زیادہ آسان ہے؛ کیونکہ وہ شہوت:

یا تو تمھیں تکلیف اور سزا دلوائے گی۔
یا اس سے زیادہ کامل و مکمل لذت سے تمھیں محروم کر دے گی۔
یا تمھارا وقت ضائع کرے گی جس کا ضیاع حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں۔
یا تمھاری عزت وآبرو کو نقصان پہنچائے گی، جس کی حفاظت اس کو داغ دار کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔
یا تمھارا مال و دولت برباد کر دے گی، جس کا محفوظ رہنا اس کے ختم ہو جانے سے بہتر ہے۔
یا تمھاری قدر و منزلت کو کھو دے گی جس کا باقی رہنا کھو دینے سے بہتر ہے۔
یا تمھیں ایسی نعمت سے محروم کر دے گی جس کا وجود شہوت کی تکمیل سے زیادہ لذت بخش اور پاک ہے۔
یا وہ شہوت کسی گھٹیا آدمی کو تم تک پہنچنے کا راستہ دے گی، جس کو وہ پہلے نہیں پا رہا تھا۔
یا تمھیں رنج و غم اور خوف سے دوچار کر دے گی، جس کے مقابلے میں شہوت کی لذت کچھ بھی نہیں ہوتی۔
یا وہ تم سے ایسا علم فراموش کرا دے گی، جس کا یاد رہنا حصولِ شہوت سے زیادہ لذیذ ہے۔
یا تمھارے دشمن کو تم پر ہنسنے کا موقع دے گی اور دوست کو مبتلائے غم کر دے گی۔
یا آنے والی نعمت کا راستہ بند کر دے گی۔

یا وہ شہوت ایسا عیب پیدا کر دے گی جو نہ مٹنے والے داغ کی طرح باقی رہے گا؛ کیونکہ اعمال سے اچھی بُری صفت اور اچھے بُرے اخلاق جنم لیتے ہیں"(١١٩)!!۔

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جو انسان قدم اٹھانے سے پہلے سوچنے، سمجھنے اور انجام پر غور کرنے کا عادی ہوتا ہے اور صرف اللہ کے لیے قدم اٹھانے کو ترجیح دیتا ہے اور اپنے نفس سے اللہ کے لیے مجاہدہ کرتا ہے، اور اس روش کو وہ اپنا خلق اور دائمی رویہ بنالیتا ہے، تو اللہ تعالی اس کی مدد کرتے ہیں اور اسے خیر کی توفیق دیتے ہیں۔ اس طرح وہ مکارم اخلاق کا حامل بن جاتا ہے اور بُرے اخلاق سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

## ٩- اخلاق کے حصول میں سیرت نبوی اور اکابر واسلاف کے حالات کی اثر انگیزی:

بڑے انسانوں کے حالاتِ زندگی آنے والی نسلوں کے لیے تعلیم گاہ کا کام کرتے ہیں، چنانچہ "نیکوں" کی زندگیاں پڑھنے سے انسان نیکی حاصل کرتا ہے۔ جب کسی "سخی" انسان کی سوانح پڑھے گا تو اسے سخاوت کی اہمیت کا علم ہو گا۔ جب کسی "بہادر" کی زندگی پڑھے گا تو بہادری کی اہمیت سے آگاہ ہو گا۔ جب کسی "زاہد" کی سیرت پڑھے گا تو زہد کی اہمیت اسے معلوم ہو گی۔ جب کسی "متقی" اور پرہیز گار کے حالات پڑھے گا تو اسے ورع وپرہیز گاری کی اہمیت کا علم ہو گا۔ جب کسی "داعی"، بھلائی کی تلقین کرنے والے اور بُرائی سے روکنے والے کی زندگی کا مطالعہ کرے گا تو اسے انسان کی زندگی میں ان کی اہمیت کا ادراک ہو گا۔ اور جب کسی محقق عالم دین کی سوانح پڑھے گا تب اسے انسان کی زندگی میں علم کی اہمیت کا اندازہ ہو گا۔ پھر ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے حالات پڑھنے سے وہ ان امور کے حوالے سے اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ان کو اپنائے اور اپنی زندگی میں انھیں سیرت اور اخلاق وعادات کے طور پر اختیار کرے۔

یہ بات معلوم ہے کہ خیر (اپنی تمام انواع واقسام کے ساتھ) لوگوں میں بکھری ہوئی ہے۔ چنانچہ کوئی حلیم وبردبار ہوتا ہے تو کوئی بہادر اور کوئی شریف وغیرہ وغیرہ۔ آپ کو کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو تمام کمالات وفضائل کا جامع اور سراپا کمال ہو۔

اسی طرح تمھیں کسی انسان میں کوئی خوبی وفضیلت ملے گی تو اسی کے ساتھ اس کے اندر کوئی نقص اور رذالت بھی ہو گی۔

پھر تمھیں لوگوں کے حالات وسوانح پڑھتے ہوئے ایک دوسری قسم کے لوگ بھی ملیں گے

---

(١١٩) الفوائد: ص ٢٥٠.

جن کے متعلق لکھا ہوتا ہے کہ فلاں نے چوری کی، زنا کیا، ظلم کیا یا قتل کیا۔

اس لیے لوگوں کے حالاتِ زندگی پڑھتے وقت ضرورت ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ ”خیر“ کیا ہے؛ تاکہ اسے اختیار کیا جائے اور ”شر“ کیا ہے تاکہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ الغرض نیک وبد ہر قسم کے لوگوں کی زندگیوں میں عبرت و نصیحت کا سامان موجود ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے پہلو سے بھی تنبہ ضروری ہے وہ یہ کہ ہر ”اچھی“ خصلت و خلق، دو بُرائیوں اور رذالتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ مثلاً ناعاقبت اندیشانہ بہادری ایک بُری صفت ہے اور بزدلی (ایک) دوسری بری صفت ہے، ان دونوں کے درمیان شجاعت وجواں مردی ایک اچھی خصلت ہے۔

علاوہ ازیں فضول خرچی اور بے جا مال اڑانا ایک بُری صفت ہے، کنجوسی اور بخل ضرورت سے کم خرچ کرنا، دوسری بُری صفت ہے اور ان کے درمیان سخاوت ایک اچھی خصلت ہے۔

جب اس معیار کی روشنی میں تم لوگوں کے اخلاق وعادات پر غور کروگے تو تمھیں شاید ہی کوئی ایسا ملے گا جو اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہو اور عیب و نقص سے محفوظ ہو، الا ماشاء اللہ! اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں یا کسی میں جو اچھی صفات وعادات پائی جاتی ہیں ان کا سرا ان دونوں برے کناروں کے قریب ہوتا ہے اور اس عیب سے بہت کم لوگوں کے اخلاق محفوظ رہ پاتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے حالات زندگی پڑھتے وقت تم اس پہلو سے باخبر رہو اور کتاب وسنت کی روشنی ہی میں ان اہل فضل وکمال کو اسوہ اور نمونہ بناؤ اور ان کی جس بات کو کتاب وسنت رد کردیں تم بھی اسے رد کردو۔

تاہم وہ کامل ومکمل سیرت، جس میں وہ تمام خیر وکمال یکجا ہوگئے جو دوسرے لوگوں میں بکھرے ہوئے تھے اور وہ سیرت جو سراپا خیر پر مشتمل ہے، جس میں کوئی شر نہیں اور وہ بہترین اخلاق کہ جس میں کوئی برا خلق نہیں، وہ سیرت جس میں شرافتِ اخلاق اعلیٰ درجے کی پائی جاتی ہے، نہ اس میں غلو ہے اور نہ کمی و کوتاہی اور وہ سیرت جس میں ایسا قدوہ واسوۂ حسنہ پایا جاتا ہے، جس کو تم بغیر کسی استثنا سارا کا سارا اپنا سکتے ہو، اس پر عمل کرسکتے ہو، جس سیرت میں یہ سارے کے سارے خیر کے اوصاف یکجا ہیں، وہ ایک ہی سیرت ہے اور وہ ہے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ۔

یہ اس نبی و رسول کی سیرت ہے، جن کو اللہ تعالی نے رسالت سے سر فراز کیا، جنھیں خود اس نے چنا، ان کی خود تربیت کی اور بہترین تربیت کی۔ آپ صرف ایک رسول ہی نہ تھے؛ بلکہ آپ پر نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آپ ﷺ تمام انبیا و رسل علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ ہی کی سیرت وہ سیرت ہے، جس کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم اس کے پابند ہیں، اس میں ہمارا کوئی اختیار ہی نہیں؛ کیونکہ اس کا حکم خود اللہ تعالی نے دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت ہی اللہ کی رضا اور اس کی جنت کے حصول کا واحد راستہ ہے۔

جو شخص اللہ کی رضا اور جنت، رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے علاوہ میں تلاش کرے تو اس کے لیے دونوں کے دروازے بند ہیں۔ نہ وہ اللہ کی رضا سے بہرہ مند ہو سکتا ہے، نہ اسے جنت مل سکتی ہے اور نہ ہی وہ اللہ اور اس کے رسول محمد بن عبد اللہ ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کے طریقے کی اتباع کے بغیر اللہ کے عذاب سے بچ سکتا ہے۔

## ۱۰-عدل و انصاف: معنی و مفہوم اور سلوک و اخلاق پر اس کا اثر:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَأَوۡفُواْ ٱلۡكَيۡلَ إِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُواْ بِٱلۡقِسۡطَاسِ ٱلۡمُسۡتَقِيمِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلٗا﴾(۱۲۰):

”اور جب کسی کو کوئی چیز پیمانے سے ناپ کر دو تو پورا ناپو اور صحیح ترازو سے تولا کرو، یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت اچھا ہے“۔

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ٱللَّهُ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ وَٱلۡمِيزَانَۗ وَمَا يُدۡرِيكَ لَعَلَّ ٱلسَّاعَةَ قَرِيبٞ﴾(۱۲۱):

”اللہ تعالی نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور ترازو بھی (اتاری ہے) اور آپ کو کیا خبر شاید قیامت قریب ہی ہو“۔

---

(۱۲۰) ۳۵ : الاسراء : ۱۷.

(۱۲۱) ۱۷ : الشوریٰ : ۴۲.

جو شخص پورے پورے ناپ تول اور ناپ تول میں دوسروں پر ظلم کرنے کی وعید کے متعلق قرآن کریم کی آیات کا جائزہ لے گا، اسے دینِ اسلام میں اخلاق کے (اس پہلو) کی اہمیت کا بخوبی علم ہو جائے گا۔

مگر یہاں ایک عجیب وغریب قسم کی غلط سوچ پائی جاتی ہے، وہ یہ کہ آج کل بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے اور شاید کسی قدر حساسیت کے ساتھ کہ وہ دوسروں کے ساتھ معاملے میں پورا پورا ناپ تول کرنے میں دین اسلام کی پیروی کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف ایک دوسرے میدان میں اس خلق میں کوتاہی کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے اور وہ میدان دوسروں کے حقوق کا میدان ہے جو ناپے اور تولے نہیں جاتے۔

بیشک وہ حقوق ناپے تولے نہیں جاتے، مگر وہ بھی نظر آتے ہیں اور ان کے نقوش واثرات بھی اور وہ دل ودماغ، نفس، احساس اور تصور کو متأثر کرتے ہیں۔

کبھی کبھی اس قسم کے سلوک کے اثرات، فرد اور معاشرے کے لیے تباہ کن بھی ہوتے ہیں۔ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں اس قسم کا ظلم روا رکھنا، انانیت، بخل، اپنی ذات کی محبت اور دوسروں کو فراموش کرنے میں غلو کا مذموم اور طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔ چاہے وہ دوسرے لوگ رشتے دار ہوں، بے حد ضرورت مند ہوں، غریب ومسکین ہوں، اور ان اوصاف کے ساتھ ساتھ وہ با اخلاق، دین دار اور متقی ہوں اور ان اوصاف کی وجہ سے اللہ تعالی کے نزدیک ان لوگوں سے افضل ہوں جن کی مدد کے وہ محتاج ہوتے ہیں۔

اسی طرح لوگوں کے سامنے تکبر اور غرور کرنا جبکہ آپ کو یہ پسند نہیں کہ وہ آپ کے ساتھ تکبر سے پیش آئیں، یہ بھی لوگوں کے معاملے میں ناپ تول میں کمی ہے۔

اسی طرح اپنے بھائیوں اور دوسرے لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں لاپروائی، جبکہ آپ ان کی طرف سے اپنے حق میں ایسا کیا جانا پسند نہیں کرتے، یہ بھی ناپ تول میں کمی ہے۔

کسی بھی طرح سے دوسروں کو تکلیف پہنچانا جبکہ آپ دوسروں کی جانب سے اس ایذا رسانی کو پسند نہیں کرتے، یہ بھی ناپ تول میں کمی کے قبیل سے ہے۔

دوسروں پر کسی بھی قسم کا ظلم وستم ناپ تول میں کمی کے ذیل میں آتا ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَيۡلٞ لِّلۡمُطَفِّفِينَ ① ٱلَّذِينَ إِذَا ٱكۡتَالُواْ عَلَى ٱلنَّاسِ يَسۡتَوۡفُونَ ② وَإِذَا كَالُوهُمۡ أَو

وَّزَنُوهُمۡ يُخۡسِرُونَ (٣) أَلَا يَظُنُّ أُوْلَٰٓئِكَ أَنَّهُم مَّبۡعُوثُونَ (٤) لِيَوۡمٍ عَظِيمٖ (٥) يَوۡمَ يَقُومُ ٱلنَّاسُ لِرَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ (٦)﴾(۱۲۲)؟!

”ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے، وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر کر دیتے ہیں۔ کیا انھیں اپنے مرنے کے بعد جی اٹھنے کا خیال نہیں۔ اس عظیم دن کے لیے۔ جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے“۔

جی ہاں! یہی ناپ تول میں کمی کرنے والے لوگ ہیں جن کی اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں مذمت کی اور ان آیات میں ان کو وعید سنائی ہے، ان ہی کے نام پر سورت کا نام بھی رکھا گیا ہے۔

یہ کتنی بڑی جہالت اور کتنا بڑا ظلم ہے کہ انسان یہ سوچتا ہے کہ عدل وانصاف کا تعلق صرف ان چیزوں سے ہے جو محسوس کی جاتی، ناپی اور تولی جاتی ہیں، جہاں تک معنوی حقوق کی بات ہے تو ان کا حال کوئی زیادہ اہم نہیں۔

اس کا تصور بھی کیسے کیا جاسکتا ہے کہ انسان کو صرف محسوس چیزوں میں اپنے حقوق کی فکر ہو یا لین دین والے حقوق اس کی نظر میں معنوی حقوق سے زیادہ اہمیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ ناپی تولی جانے والی چیز کو خریدتے وقت جب ناپ تول میں کمی کی جاتی ہے تب تو اسے غصہ آتا ہے، تکلیف پہنچتی ہے یا وہ نقصان محسوس کرتا ہے، مگر اس کی طرف سے اس طرح کا غیظ وغضب، تکلیف یا نقصان کا احساس نہیں پایا جاتا جب اس کی اہانت کی جائے، اس پر تکبر کیا جائے، بلاوجہ اس سے ترکِ تعلق کر لیا جائے، اس کی آبرو کو لائقِ پامال سمجھا جائے، اسے دہشت زدہ کیا جائے، اسے گالی دی جائے یا پھر اس کی عزت پر حرف گیری کی جائے۔

انسان یہ کیسے تصور کر لیتا ہے کہ اسلام ظلم سے منع کرے اور اسے ناپی وتولی جانے والی چیزوں میں حرام قرار دے، جبکہ اس کا تعلق دنیائے فانی سے ہے اور اس چیز سے منع نہ کرے جو اس سے بھی زیادہ سنگین ہے یعنی لوگوں کے معنوی حقوق میں کمی، کوتاہی؟ اور اسے زیادہ شدت کے ساتھ حرام قرار نہ دے، جبکہ یہ حقوق انسان کے قلب وضمیر، اس کے نفس، انسانیت، ایمان اور آخرت سے جڑے ہوئے ہیں۔

ناپی تولی جانے والی چیزوں میں ظلم کو حرام قرار دینے والی نصوص وآیات سے لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں ظلم کرنا اور اس کا حرام ہونا بدرجۂ اولیٰ سمجھ میں آتا ہے؛ لیکن بہت سے لوگ اللہ تعالی

---

(۱۲۲) ۱-۶ : المطففین : ۸۳.

کی ان آیتوں سے غافل ہیں۔

اللہ تعالی نے حق وصواب کو پہچاننے کے لیے دو معیار مقرر کیے ہیں (۱۲۳):

ان میں ایک محسوس ومشاہد ہے، یہ وہ جسمانی چیز ہے جس کو ”ترازو“ کہا جاتا ہے جس کی مدد سے ”تجار“ حقوق پہچانتے ہیں اور جس سے وہ ناپی تولی جانے والی چیزوں میں اپنے اور خریداروں کے درمیان نزاع کو ختم کرتے ہیں۔

دوسرا معیار ہے ”انسانی ضمیر کی ترازو“، یہ وہ فطرت ہے جس کو اللہ تعالی نے کتاب یا وحی کی ترازو سے تقویت بخشی ہے تو حقوق کی مکمل ادائیگی کے لیے اِس ترازو کا ہونا بھی ضروری ہے اور اُس ترازو کا بھی۔ ان دونوں میں سے جس ترازو میں بھی کمی آئے گی صاحب حق کے حق کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔

البتہ ان دونوں میں زیادہ اہم ضمیر، فطرت اور ایمان کی ترازو ہے، اس کے بغیر وہ محسوس ومشاہد ترازو بھی شاید کچھ فائدہ نہ دے، نیز وحی الٰہی سے ہدایت یافتہ فطرتِ سلیم اور زندہ ضمیر والی ترازو کا میدان زیادہ وسیع اور اہم ہے۔

## ۱۱- انفرادی واجتماعی محرکات اور اخلاق پر ان کی تاثیر:

بعض اوقات انسان کے اخلاق وتصرفات کے سلسلے میں دو محرکات میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے:

ایک انفرادی محرک جس کی رو سے وہ اپنے نفس اور اس کے مفادات کو دیکھتا ہے اور دوسرا اجتماعی محرک ہے جس کے بموجب وہ اپنے معاشرے کے افراد اور ان کے مفادات کو دیکھتا ہے۔

”اسلام“ اخلاق کے انفرادی محرک کو نہ باطل ٹھہراتا ہے اور نہ مطلقاً اسے ساقط قرار دیتا ہے؛ بلکہ مسلمان کو مکلّف کرتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے حق اور اس کے مفادات پر غور کرے، مگر یہ غور کچھ مقررہ اصول وضوابط کے تحت ہو، ان ہی کے اندر رہتے ہوئے وہ اپنے نفس کے مفادات وحقوق کی ادائیگی انجام دے۔ ان میں اہم ضابطہ یہ ہے کہ انفرادی محرک اسے اپنے معاشرے کے حقوق سے غافل نہ کر دے۔

الغرض ایک مسلمان کے نزدیک ذاتی دلچسپی وفکر مندی اور معاشرتی سرگرمی میں توازن رکھنا

---

(۱۲۳) اس خیال کی طرف مجھے تنبہ ہوا، سورۂ حدید کی آیت ۲۵ سے، نیز اس پر علامہ ابن الوزیر کی تحریر سے جو انھوں نے اپنی کتاب (إيثار الحق على الخلق) کے ص: ۱۴۰ پر درج کی ہے۔

ضروری ہے؛ تاکہ اپنی ذات کی محبت اور اس سے دلچسپی میں حد سے تجاوز کرنے اور ضد کرنے والا نہ بن جائے، کہ اس کی زیادہ تر توجہ اس معاشرے میں اپنے حقوق کی تلاش وطلب یا مالہ وماعلیہ کی تحقیق وجستجو پر ہی رہے اور معاشرے کے حقوق وفرائض کو بھول جائے۔

اپنی ذات سے زائد از ضرورت دلچسپی فرد اور معاشرے کے لیے ”تباہ کن انانیت“ شمار ہوتی ہے جبکہ دوسروں سے ایک حد تک دلچسپی لینا، ہر انسان کے لیے ضروری ہے؛ تاکہ یہ دلچسپی اس کے اور اس ظالم انانیت کے درمیان دوری پیدا کردے، جس کے باعث بہت سے معاشرے تباہ ہوگئے، ایسا ان ظالموں کے ہاتھوں ہوا جو اپنی عجیب وغریب قسم کی ذاتی خواہشات کی تکمیل کی خاطر راہِ راست سے منحرف ہوگئے تھے۔

معاشرے کے لیے نقصان دہ اس بے لگام خود غرضی کے خطرے کے سبب، ”اسلام“ اس مسلمان پر اس (بے لگام خود غرضی) کا دروازہ بند کردیتا ہے، جو اللہ کی ہدایت کے مطابق چلتا ہے اور ایسا اس کی ایمانی واخلاقی تربیت کے ذریعے ہوتا ہے۔

بعد ازاں اسلام فرد اور اس خود غرضی کے درمیان ”شرعی قوانین“ کے ذریعے حائل ہوجاتا ہے اور ان تعلیمات وہدایات کے ذریعے بھی جن کا مسلمان کو پابند ومکلف بنایا گیا ہے، پھر اخیر میں ان سزاؤں، عقوبات وتعزیرات کے ذریعے بھی جو اسلام نے ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے متعین کی ہیں۔

اسلام اپنے درست تربیتی طریقۂ کار کے ذریعے ایسے افراد تیار کرتا ہے، جنھیں اپنا فریضہ انجام دینے کے لیے کسی روک ٹوک اور سزا وسرزنش کی شاذ ونادر ہی ضرورت پڑتی ہے۔

کیونکہ اسلام ”زندہ ضمیر“ تخلیق کرتا ہے جو صرف عدل وانصاف کو قبول کرتا ہے۔ بھلے ہی اس میں قربانی اور ایثار کا جذبہ نہ ہو اور یہ عدل وانصاف کا عمل اللہ تعالی پر ایمان کے نتیجے میں ہوتا ہے جس کی اسلام نے دعوت دی ہے اور اس نے اخلاقِ فاضلہ کو ایمان باللہ کی شاخ اور اس کا پاکیزہ فطری ثمرہ قرار دیا ہے۔

اس طرح سزاؤں کی عام طور پر ضرورت نہیں پڑتی، مگر بہت ہی کم حالتوں میں، جو اس اصل سے باہر ہوتی ہیں جس پر مسلم معاشرے کے افراد اپنے ایمان وعقیدے کے تقاضے کے مطابق قائم ہوتے ہیں۔

اسلام جب کسی مسلمان پر کوئی فریضہ عائد کرتا ہے تو اسے اس کی دعوت اور ترغیب، ایمان کے نام پر دیتا ہے، نہ کہ سزا اور اجرائے حد کے نام پر۔ واضح رہے کہ اسلام نے اس زندگی میں اخلاقِ فاضلہ کو مسلمانوں کے لیے اہم فریضہ قرار دیا ہے۔

ہم ”اخلاقی انانیت“ کی خطرناکی کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ کسی ایسے معاشرے کا تصور کریں جس کے ہر فرد کو اپنے ذاتی مفاد کے سوا کسی چیز کی فکر نہ ہو، وہ ہمہ وقت اپنے مفاد ہی کی تگ ودو میں لگا رہتا ہو تو سوچیے کہ ایسے معاشرے کا حال کیا ہوگا اور کیا ایسا معاشرہ روئے زمین پر اپنا وجود باقی رکھ سکتا ہے؟

یہ انانیت کبھی فرد سے تجاوز کرکے پوری قوم تک پہنچ جاتی ہے، تب ایک قوم کی انانیت ایک یا کئی دوسری قوموں کے خلاف سرگرم ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں جنگیں، مظالم اور ناانصافیاں جنم لیتی ہیں جو بنی آدم کو کسی طرح زیب نہیں دیتیں۔

بہت سی تباہ کن جنگیں جو مختلف زمانوں میں دنیا نے دیکھیں، افراد یا اقوام کی اسی ظالم انانیت کا بدترین ثمرہ اور نتیجہ تھیں۔ اسی طرح استعمار کے نام سے مختلف قوموں کا استحصال وحشت ناک انانیت ہی کی ایک بھیانک تصویر ہے۔

ویٹو جس کو ”ویٹو کا حق“ کہا جاتا ہے، اسے مغرب ومشرق کے نئے دور کے چند بڑے درندہ صفت ممالک کمزور ملکوں کے خلاف ان کی قسمت کا فیصلہ کرنے یا اپنے حقوق (یا مفادات) منوانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، یہ بھی ایک قوم کی دوسری ایک یا چند اقوام یا ایک فرد کی دوسرے ایک فرد یا بہت سے افراد کے خلاف انانیت کی انتہائی مذموم شکل ہی تو ہے، یہ سب ان معاشروں میں ہو رہا ہے، جو مہذب وترقی یافتہ کہلاتے ہیں۔

کمزور یا کم طاقتور اقوام کو توان طاقتور ممالک واقوام کے تعاون کی ضرورت ہے؛ تاکہ وہ اپنے قانونی حقوق تک رسائی حاصل کر سکیں، لیکن اگر ان سے تعاون نہیں ہو سکتا تو کم از کم یہ کمزور اقوام پر ظلم تو نہ کریں۔

تہذیب وتمدن کا معنی ومفہوم ”ویٹو پاور“ سے متصادم اور پوری قوم کے استحصال کے مترادف ہے، اس صورتِ حال میں عقل ایسے معاشرے کو تہذیب وتمدن کے کسی بھی وصف سے متصف نہیں مان سکتی، جس میں جہالت، ظلم اور درندگی میں ڈوبی ہوئی اس طرح کی کوئی زیادتی وبے اعتدالی پائی جائے۔

عقل اس معاشرے کے لیے محاسنِ اخلاق کی کسی ایک شق کا بھی کوئی حکم نہیں دے سکتی، بجز اس حکم کے جو اس شخص پر لگایا جائے، جس نے ظلم سے کسی انسان کی املاک پر قبضہ کر لیا، اس پر قہر برسایا اور جیل میں بند کر دیا، پھر جب اسے بھوک لگی تو اسے کھانا دے دیا اور جب بیمار پڑا تو علاج کرا دیا۔ ظاہر ہے کہ

اس صورت میں کیسا احسان اور کیسی رحمت؟ (بلکہ اس شخص کو ظالم ہی کہا جائے گا)۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اخلاق کے متعلق انفرادی محرکات اور اجتماعی محرکات کی حدود کے بارے میں سوال کرے، خصوصاً ایک مسلمان کہ اس سے دونوں قسم کے محرکات کے تحت آنے والے تقاضوں کو پورا کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے کہ وہ اِن کو بھی دیکھے اور اُن کو بھی اور بعض مرتبہ دونوں معاملے متضاد ہو کر ان کے فرائض خلط ملط ہو جاتے ہیں؟ تو اس سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا؛ فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ» (۱۲۴):

”تمھارے رب کا بھی تمھارے اوپر حق ہے، تمھارے نفس کا بھی تمھارے اوپر حق ہے اور تمھارے اہل خانہ کا بھی تمھارے اوپر حق ہے، پس ہر حق والے کو اس کا حق دو“۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذموم انفرادی محرک اور جائز انفرادی محرک کے درمیان، اسی طرح مذموم اجتماعی محرک اور مشروع اجتماعی محرک میں امتیاز کرنے کے لیے ایک ضابطہ ہے، جس کی روشنی میں ہر شخص مذموم و مشروع محرک میں فرق کر سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کے مفادات کی فکر میں جماعت کے مفادات کو فراموش نہ کرے، اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے کوشش کرتے ہوئے جماعت کے مفادات کو نقصان پہنچانا تو دور کی بات ہے۔

ایسا انفرادی محرک جس کے سبب وہ اپنے معاشرے کے مفادات کو نظر انداز کر کے ذاتی مفاد کے لیے متحرک ہو وہ مذموم اخلاقی محرک اور جذبہ ہے؛ لہٰذا وہ غیر شرعی ہے «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ؛ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ» (۱۲۵):

”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے“۔

اسی طرح ہر وہ انفرادی جذبہ و محرک جس کے سبب وہ اپنے ذاتی مفادات کے لیے متحرک ہو

---

(۱۲۴) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۹۶۸ و۶۱۳۹، بروایت ابو درداء رضی اللہ عنہ، نیز حدیث نمبر: ۱۹۷۴۔ اور مسلم شریف، کتاب الصیام، حدیث نمبر: ۱۸۱ (۱۱۵۹) بروایت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔

(۱۲۵) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۳، اور مسلم شریف، حدیث نمبر: ۷۱-۷۲ (۴۵)، کتاب الإیمان، بروایت انس رضی اللہ عنہ.

اور جس کے نتیجے میں معاشرے کے مفادات یا کسی ایک فرد کے مفادات کو نقصان ہو رہا ہو، وہ مذموم اخلاقی محرک و جذبہ ہے اور غیر شرعی ہے۔

«مَثَلُ الْـمُؤْمِنِينَ -فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ- مَثَلُ الْجَسَدِ؛ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ؛ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»، «الْـمُؤْمِنُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ؛ إِنِ اشْتَكَى رَأْسُهُ؛ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمَّى وَالسَّهَرِ» (١٢٦) :

”مومنوں کی مثال باہمی محبت، مہربانی اور ہمدردی میں بدن کی سی ہے۔ جب جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نیز اہل ایمان ایک انسان کے مانند ہیں جب اس کے سر میں درد ہوتا ہے، تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے“۔

اس قاعدے کا لازمی مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے ذاتی مفادات کی تحصیل کے لیے کوئی کوشش نہ کرے الّا یہ کہ وہ اس کے اور جماعت کے درمیان مشترک ہو؛ کیونکہ اسلام نے فرد پر اس کی اپنی ذات کے تعلق سے بھی کچھ فرائض عائد کیے ہیں، جن کو ادا کرنا ضروری ہے اور اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ صرف اپنی فکر کرے اور دوسروں کو فراموش کر دے۔

امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”اعتدال کی حد یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو اس کا واجبی حق دو اور اس سے اپنا واجبی حق لو، جبکہ ظلم کی حد یہ ہے کہ واجبی حق تو لو، مگر دو نہیں“ (١٢٧)۔

پس ایک مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق اپنے نفس کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے معاشرے کے حقوق بھی ادا کرے۔

اس کی رو سے مسلمان بہت سے مواقع پر اپنے نفس کے تعلق سے اپنے فرائض اس وجہ سے بھی ادا کرتا ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر نفس کے حوالے سے یہ ضروری ہیں، نہ کہ یہ سوچ کر کہ یہ اس کے اوپر نفس کے حقوق ہیں، جیسے وہ اوپر مذکور اپنے اوپر عائد معاشرے کے حقوق ادا کرتا ہے جن کا

---

(١٢٦) مسلم شریف، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ٦٦ (٢٥٨٦) بعض الفاظ میں اختلاف ہے۔ چنانچہ کسی روایت کے الفاظ وہی ہیں جو اوپر درج کیے گئے، جبکہ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں : «الْـمُسْلِمُونَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ؛ إِنِ اشْتَكَى عَيْنُهُ؛ اشْتَكَى كُلُّهُ، وَإِنِ اشْتَكَى رَأْسُهُ؛ اشْتَكَى كُلُّهُ» بخاری شریف میں بھی اس کے بعض الفاظ منقول ہیں، ملاحظہ ہو : کتاب الادب، حدیث: ٦٠١١۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم مسلمان آج اس شرعی فرض سے کتنے دور یا نزدیک ہیں۔ اس حوالے سے محض اظہار رنج و غم کافی نہیں، بلکہ اس حکم شرعی کے تقاضے کے مطابق عملی اقدام کی ضرورت ہے۔

(١٢٧) الأخلاق والسّيَر.. : ص ٣٢.

کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ معاشرے کو نقصان اور تکلیف نہ پہنچائے۔

معلوم ہوا کہ وہ نظام اور معاملہ جس پر ”کمیونزم“ کی بنیاد ہے، درست نہیں؛ اس لیے کہ وہ معاشرے کے حق کے نام پر فرد کو پیس ڈالتا ہے، اسی طرح ”سرمایہ دارانہ نظام“ بھی صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ وہ فرد کے حق کے نام پر معاشرے کو روند ڈالتا ہے۔

اسلامی نظام میں ”فرد“ ”معاشرے“ اور معاشرے کے افراد کا خیال رکھنے کی وجہ سے معاشرے کی تعمیر و ترقی کا فعال رکن ہوتا ہے اور اسی وجہ سے معاشرے میں اس کے بھی حقوق ہوتے ہیں، البتہ اگر کہیں فرد کے مفادات معاشرے سے ٹکرا جائیں یا دوسرے الفاظ میں مفاد عامہ کا شخصی منافع سے ٹکراؤ ہو جائے، تو ایسے موقعے پر اسلام مفاد عامہ کو ترجیح دیتا ہے، یا بالفاظ دیگر شخصی مفادات کو ساقط کر دیتا ہے۔

اسی وجہ سے اسلام میں ایک فرض بنام ”فرض کفایہ“ بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر قوم کے کسی بھی فرد نے اس کو ادا نہ کیا تو پوری قوم گناہ گار ہوگی اور اگر بعض افراد نے بھی ادا کر دیا تو ساری قوم اس کو نہ کرنے کے گناہ سے بری ہو جائے گی۔ (یعنی) جو شخص اس فرض یا واجب کو ادا کرنے کا اہل ہوتا ہے، اس پر وہ لازم ہو جاتا ہے (لیکن بعض کے ادا کرنے سے سب کے ذمے سے ادائیگی ختم ہو جاتی ہے)۔

ان طاعات کو بجالانا جن کا فائدہ (دنیا و آخرت میں) ایک فرد سے متجاوز ہو کر معاشرے کے دیگر افراد تک پہنچتا ہو، راجح و افضل ہے اور ان کا ثواب بھی اس طاعت سے کہیں زیادہ ہے، جس کا فائدہ صرف ایک فرد تک محدود ہو۔ مثلاً اگر دو معاملوں میں موازنہ درپیش ہو، ایک یہ کہ انسان بس نوافل پڑھے، دوم یہ کہ لوگوں کو علم سکھائے اور انھیں اللہ کی طرف بلائے، تو بلاشبہ اس کا یہ دوسرا عمل یعنی ”تزکیہ و تعلیم“ میں مشغول ہونا، جس میں خود اس کا بھی تزکیہ ہوتا ہے، (نوافل کے ذریعے) صرف اپنے نفس کے تزکیے میں مشغول ہونے سے زیادہ اہم اور افضل ہے۔

* * *

# تیسری بحث

## اخلاق کے شعبوں پر ایک نظر

اس بحث میں درج ذیل موضوعات شامل ہیں:

۱- اپنے نفس کو مفادِ عامہ اور دوسروں کے مفادات کا خیال رکھنے کا عادی بنائیں۔

۲- علم اور اس پر توجہ۔

۳- ایمان اور آخرت سے غفلت بُری عادت ہے۔

۴- صلہ رحمی۔

۵- داعی کے اخلاق۔

۶- فضول گوئی، عیب اور بے حیائی ہے۔

۷- اس کی عادت ڈالو کہ دوسرے کے لیے بھی اسی طرح جیو جس طرح اپنے لیے جیتے ہو۔

## ۱- اپنے نفس کو مفادِ عامہ اور دوسروں کے مفادات کے خیال رکھنے کا عادی بنائیں :

ہمیشہ اپنے آپ کو اس کا عادی بنانے کی کوشش کریں کہ مفادات عامہ کے جو کام آپ سے بن سکیں حتی المقدور انھیں انجام دیں، خواہ ان کا تعلق آپ کے چھوٹے معاشرے جیسے : خاندان، رفقائے سفر، رفقائے درس اور شرکائے عمل سے ہو، یا ان مفادات کا تعلق آپ کے بڑے معاشرے جیسے : اہل محلہ، اہل شہر، اہالیانِ ملک یا پوری قوم سے ہو۔

اس سلسلے میں دوسروں پر بھروسے کرنے والے نہ بنیں؛ کہ اس قبیل کی ہر چیز دوسروں پر چھوڑ دیں اور اپنے چھوٹے یا بڑے معاشرے یا قوم کے افراد سے یہ توقع رکھیں کہ جو کام آپ نے نہیں کیا، وہ کام یہ لوگ کریں اور جس کام میں آپ سے کوتاہی ہوئی، اس میں یہ کوتاہی نہ کریں؛ بلکہ آپ اپنا فرض ادا کریں اور دوسروں کا محاسبہ کرنے سے پہلے اس پر اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اپنے نفس کو اس خلق وعادت کا پابند بنائیں اور دوسروں کو اپنا فرض ادا کرنے کی دعوت دیں، مگر اسے اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے شرط نہ ٹھہرائیں۔

اس میدان میں آپ کسی بھی چھوٹے عمل کو معمولی نہ سمجھیں، خواہ کوئی خیر خواہی کی بات ہو، راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہو، مناسب اور حکیمانہ طریقے پر کسی منکر کے ازالے کی کوشش ہو، کوئی اچھی رائے ہو، مفید خیال ہو، کوئی منصوبہ ہو، اپنے مکان کی صفائی ستھرائی ہو، اس کی ترتیب ہو، کسی طرح کی کوئی خدمت ہو یا اس طرح کی کوئی بھی چیز جسے آپ کر سکتے ہوں اور جس کا فائدہ آپ سے زیادہ دوسروں کو، یا آپ کے ساتھ دوسروں کو حاصل ہونے والا ہو۔

کوشش کریں کہ اپنے نفس کو اس طرح کے کاموں کا عادی بنائیں، ناموری کے لیے نہیں، نہ لوگوں کی تحسین وتعریف کے لیے اور نہ ان سے صلہ وبدلہ حاصل کرنے کی غرض سے؛ بلکہ اپنے نفس کو اچھے خُلق کا پابند بنانے اور اللہ تعالی کے یہاں اجر وثواب کی نیت سے۔

## ۲- علم اور اس پر توجہ :

انسان کی ایک بُری خصلت یہ ہے کہ اس کی توجہ "علم" پر بہت کم ہو، اسے اپنے دنیاوی امور اور مادی ضروریات کا تو پورا پورا خیال ہو، مگر علم کو وہ یکسر فراموش کر ڈالے، جبکہ علم انسان کی اہم اور

خاص الخاص خصوصیت وضرورت ہے۔ چنانچہ علم، ایمان اور عمل صالح انسان کے اہم امتیازات ہیں۔ جب وہ صفتِ علم اور اس کے حصول پر توجہ کی صفت کھودے، تو وہ انسان کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق بن جاتا ہے، بھلے ہی اس کی شکل وصورت انسان جیسی ہی ہو۔

کسی آدمی کی بُری صفت یہ ہے کہ وہ طلبِ علم کے علاوہ ہر چیز کو آسان سمجھے؛ حالانکہ علم پر اس کی سعادت موقوف ہے اور اس کی انسانیت وآدمیت بھی۔

ہر مرد وعورت اور چھوٹے بڑے پر لازم ہے کہ ان کے پاس حصولِ علم کا ایک نظام ہو، جس کی بابت کوئی بھی اپنے آپ کو معذور نہ گردانے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ آپ ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ ساری زندگی ناخواندہ رہتا ہے؛ حالانکہ ایک رائے کے مطابق حروف تہجی کل انیتس ہیں اور اسے ان میں سے ہر حرف کو سیکھنے کے لیے ایک دن بھی بہت ہے، جبکہ اس نے ناخواندگی اور جہالت کی حالت میں دسیوں سال گزار دیے۔ اگر اس قسم کے لوگ علم حاصل کرلیتے تو عین ممکن ہے کہ نابغۂ روزگار بن جاتے۔

اسی طرح آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جہالت کی مختلف اقسام کو آپ بہ تدریج ختم کرسکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ پہلے آپ ثابت قدمی سے کام لیں، محنت کریں اور حصولِ علم کا شوق رکھیں۔

ضروری ہے کہ آپ ہمیشہ مفید چیز پڑھیں، اس کو سمجھیں، یاد کریں اور اسے سیکھیں۔

ایک مسلمان کی سب سے زیادہ قابل مواخذہ بات یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے کوئی دلچسپی نہ ہو، جو اس کے لیے پیغام الٰہی ہیں، مگر وہ ان کو نظر انداز کرے، انھیں پڑھنے کی فکر نہ ہو اور نہ ان پر غور کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے اپنی زندگی کا کوئی مناسب حصہ صرف کرے۔

## ۳- ایمان اور آخرت سے غفلت بُری عادت ہے :

سب سے بُرا خُلق جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ اپنے دنیاوی کاموں میں منہمک ہوکر آخرت، ایمان باللہ کی عظمت اور اس کے تقاضوں کو بھول جائے۔

یہ کوتاہ نظری اور خطرناک بیماری ہے جو انسان کی سعادت کو لے ڈوبتی ہے؛ بلکہ کبھی کبھی اسے

اس کی انسانیت سے بھی محروم کر دیتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

أَبُنَيَّ إِنَّ مِنَ الرِّجَال بَهِيْمَةً ❋ فِي صُوْرَةِ الرَّجُلِ السَّمِيْعِ الْمُبْصِرِ
فَطِنٌ بِكُلِّ مُصِيْبَةٍ فِيْ مَالِهِ ❋ وَإِذَا أُصِيْبَ فِيْ دِيْنِهِ لَمْ يَشْعُرِ!!(۱۲۸)

- میرے پیارے بیٹے! کچھ لوگ سننے اور دیکھنے والے انسان کی شکل میں جانور ہوتے ہیں۔
- اپنے مال پر آنے والی مصیبت میں بڑے ہوشیار، لیکن جب ان کے دین پر مصیبت آتی ہے تو بے حس و بے کار۔

اس لیے آپ کی نظر اس حد تک کوتاہ نہ ہو جائے کہ آپ اپنی دنیا کے امور کی اہمیت کو تو خوب سمجھیں، مگر اپنی آخرت، ایمان اور اس کے فرائض سے غافل ہو جائیں۔

بیشک! دنیا جسے صرف اپنی دنیا کی فکر ہو، اس پر کئی ایک بُرے اخلاق مسلط ہو جاتے ہیں، ایک بری عادت دوسری بری عادت کا سبب بنتی ہے، لیکن جس کا غمِ حیات ایمان اور آخرت ہو تو اس میں اس صفت کے سبب، متعدد اخلاقِ حمیدہ جمع ہو جاتے ہیں اور اچھی عادت ایک دوسری عادت کا باعث بنتی ہے؛ اس لیے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو لاتی ہے اور یہی حال برائی کا بھی ہے۔

## ۴- صلہ رحمی:

مسلمان کی زندگی میں صلہ رحمی اختیاری عمل نہیں؛ بلکہ فرض اور لازم ہے جسے اللہ تعالی نے فرض کیا ہے۔ رشتے داری کے درجات اور رشتے داروں کے حالات کے اختلاف کے مطابق ان کے حقوق کے درجات بھی مختلف بنائے گئے ہیں۔

صلہ رحمی سے عمر میں برکت ہوتی ہے، انسان کا تزکیہ ہوتا ہے، جبکہ قطع رحمی اس کی زندگی کو ننگ و عار سے آلودہ کر دیتی ہے، اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے اور قطع رحمی کرنے والے کو جہنم میں گرا دیتی ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ إِن تَوَلَّيۡتُمۡ أَن تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَتُقَطِّعُوٓاْ أَرۡحَامَكُمۡ ﴿٢٢﴾ أُوْلَٰٓئِكَ

---

(۱۲۸) ملاحظہ ہو: أدب الدنيا والدين: ص۱۲۶.

ٱلَّذِينَ لَعَنَهُمُ ٱللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰٓ أَبْصَٰرَهُمْ ﴿٢٣﴾ ﴾(۱۲۹)!!

”پھر تم سے اس کے علاوہ اور کیا توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی کی لعنت وپھٹکار ہے اور اللہ نے انھیں بہرا بنا دیا ہے اور ان کی آنکھیں اندھی کر دی ہیں“۔

ایسی معصیت سے اللہ کی پناہ جس کی یہ سزا ہو۔

بھائی! کیا آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالی نے قطع رحمی کرنے والے کے لیے کس طرح یہ بھیانک سزائیں یکجا کر دی ہیں۔

۱- ان پر لعنت بھیجی۔

۲- انھیں بہرا بنا دیا۔

۳- اور ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

اللہ تعالی کے لعنت بھیجنے کے بعد پھر باقی ہی کیا رہ جاتا ہے؟!

آپ غور کریں کہ: بہرا اور اندھا ہونے کے بعد کیا انسان کسی کام کا رہ جاتا ہے؟!

دیگر معاصی کی طرح اس معصیت کی بھی اللہ نے شریعت میں کوئی اجازت نہیں دی ہے۔

اس معصیت کے مرتکب سے اللہ تعالی ناراض ہوتے ہیں، اس پر لعنت بھیجتے اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دیتے ہیں؛ کیونکہ اس شخص نے اپنی شفقت ومہربانی سے ان رشتے داروں کو محروم کر دیا جن پر رحم وکرم کرنا اس پر فرض تھا۔ اللہ تعالی اسے (رحمت سے) کاٹ دیتے ہیں، اس لیے کہ اس نے وہ رشتہ کاٹ دیا، جسے کاٹنا اللہ نے حرام قرار دیا تھا اور اسے جوڑنا اس پر فرض کیا تھا۔

اس معصیت کی سزا یہ ہے کہ اس کے مرتکب کو ہدایت سے، حق کی روشنی سے، حق تک رسائی سے، اس کی معرفت اور اس کی اتباع کی نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بتایا ہے کہ وہ قطع رحمی کرنے والے کو بہرا اور اندھا کر دیتے ہیں؟ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ کان اور آنکھ ہی وہ ذرائع ہیں جن کے واسطے سے انسان دوسروں سے رابطہ کرتا ہے؟

---

(۱۲۹) ۲۲-۲۳ : محمد : ۴۷.

کیا آپ کو نہیں معلوم کہ کان اور آنکھ ہی حق و ہدایت اور نور کی معرفت کا تنہا ذریعہ ہیں؟ پس جو آدمی اپنے کان اور آنکھ کھو دے وہ ہدایت، علم اور معرفت حاصل کیسے کر سکتا ہے؟

اس سے اس معصیت کی سنگینی واضح ہوتی ہے، نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی ان معاصی میں سے ہے، جن کے مرتکب کو سزا یہ دی جاتی ہے کہ اسے حق، معرفت اور ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صلہ رحمی صرف اسی کا حق نہیں، جس کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے؛ بلکہ یہ تو صلہ رحمی کرنے والے کی اخلاقی ذمے داری بھی ہے اور اس پر واجب کیا گیا حق بھی؛ کیونکہ صلہ رحمی نہ کرنے سے اس کو نقصان ہوتا ہے اور کرنے پر نفع، اس طور پر کہ صلۂ رحمی کرنے سے اس کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اچھے اور بہترین عمل کے نتائج و ثمرات حاصل ہوں گے۔

اللہ کی خاطر کی گئی صلہ رحمی ناقابل تقسیم طاعت ہے، جو شخص اللہ کی خاطر صلہ رحمی کی قدر کما حقہ پہچانے گا، وہ صلح رحمی کو کسی کے ساتھ خاص نہیں کرے گا، جیسا کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں، چنانچہ کسی کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں اور کسی کے ساتھ قطع رحمی۔ ایک رحم دل آدمی ہر اس شخص کے ساتھ رحم کرتا ہے جو شرعاً اس کا مستحق ہو، وہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی مستحق کے ساتھ رحم دلی کرے اور دوسرے کو چھوڑ دے یا کچھ لوگوں پر رحم کرے اور دوسروں پر سختی۔ یہ رحم دلی تو جنگلی جانوروں کی اپنے بچوں پر رحم دلی کی مانند ہوگی، جو اپنے بچوں کے علاوہ دوسروں کو پھاڑ کھاتے ہیں۔ جس طرح رحم و کرم مستحقین میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں، ایسے ہی صلہ رحمی بھی (عام) ہونی چاہیے، ورنہ یہ جانوروں کی صلہ رحمی جیسی ہو جائے گی۔

صلہ رحمی کی کئی اقسام ہیں: صلہ رحمی مال کے ذریعے بھی ہوتی ہے، جاہ و منصب کے ذریعے بھی، خیر خواہی، رائے اور مشورے کے ذریعے بھی، جسمانی محنت کے ذریعے بھی، زیارت و ملاقات کے ذریعے بھی، دعا کے ذریعے بھی، شکر گزاری کے ذریعے بھی اور تعریف و تحسین کے ذریعے بھی۔ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ اس کی صرف ایک ہی قسم ہے مثلاً مال و دولت (ہی کے ذریعے صلہ رحمی کرنا)۔

انسان کے لیے ضروری ہے کہ ان سب اقسام پر عمل کرے، ان میں سے ہر ایک قسم کو مناسب موقع و محل میں صلہ رحمی و رشتے داری اور اپنی صلاحیت و قدرت کے مطابق مناسب طور پر انجام دیتا رہے۔ بعض لوگوں کو مال کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر انھیں اچھی رائے، ہمدردانہ مشورہ اور جسمانی مدد کی سخت ضرورت ہوتی ہے اور کچھ لوگ مال خرچ کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، مگر وہ اچھی رائے دے سکتے اور نصیحت کر سکتے ہیں۔

صلہ رحمی کوئی ایسا عمل نہیں ہے، جسے انسان بدلے کے طور پر کرے یا جس کے ساتھ صلہ رحمی کرے، اس سے دنیا میں صلے اور بدلے کی توقع رکھے، ہرگز نہیں؛ بلکہ یہ تو خالص اللہ کے لیے کیا جانے والا عمل ہے جو ہر اس شخص کے ساتھ کرنا چاہیے جو شرعاً اس کا حق دار ہو۔

حقوق کی کثرت کے وقت رشتے داروں کے درجات میں تفاوت کی وجہ سے حقوق کی ادائیگی میں درجہ بندی ”امر مطلوب“ ہے۔ اس ترتیب میں رشتے داری، شدتِ ضرورت اور رشتے داروں کے حالات کے اعتبار سے حقوق کے درجات کا لحاظ رکھا جائے۔

اس خُلق کے لیے تربیت کی ضرورت ہے، اس لیے مربی و مصلح کو اس پر توجہ دینی چاہیے اور اس کے لیے مشق و عادت ڈالنے کی بھی ضرورت ہے، اس لیے اللہ تعالی کے اجر و ثواب، اس کی رضا کے طلب گار اور اس کے عذاب و غضب سے ڈرنے والے متقی اہل ایمان کو اس سے دلچسپی لینی چاہیے۔

اس خُلق کی تحصیل متقاضی ہے کہ انسان اس پر اور اس کے مطابق عمل کرنے پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے، یہاں تک کہ یہ اس کی عادت اور طبیعت بن جائے۔

ہم پر اللہ تعالیٰ کا ایک انعام یہ ہے کہ اس نے صلہ رحمی کو صرف مال (خرچ کرنے میں منحصر) قرار نہیں دیا؛ بلکہ تمام سابقہ اقسام کے ذریعے صلہ رحمی کی انجام دہی ممکن ہے، بلکہ بیشتر اوقات تو اخلاقِ حسنہ اور معمولی کاموں سے ہی اس اہم فریضے کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے ہمیں اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم دیا ہے اور انھیں بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے، پھر ہمارے اس تعلق کو ہماری مروت یا مفادات، ہمارے مزاج یا ہماری جانب سے رشتے داریوں کے حقوق کی تعیین پر نہیں چھوڑا جیسا کہ جانوروں کے معاملے میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کس قدر اثر انگیز ہے:

﴿ يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ ﴾(۱۳۰):

”اللہ تعالی تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم کرتا ہے“۔

اس لیے میرے بھائی! ہمیں اس کو یاد رکھنا چاہیے، اسی طرح اس موضوع کی ابتدا میں جو دو آیتیں گزریں، انھیں اور قطع رحمی کرنے والے کے لیے ان میں مذکور سزاؤں کو بھی یاد رکھنا چاہیے۔

نیز ہم ایسی حدیث کو بھی یاد رکھیں جیسا کہ حضرت ابوہریرہؓ نے آپ ﷺ سے روایت کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ، قَالَتِ الرَّحِمُ: هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ؛ قَالَ: نَعَمْ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ، وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلَى يَا رَبِّ! قَالَ: فَهُوَ لَكِ». قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: ﴿ فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ إِن تَوَلَّيۡتُمۡ أَن تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَتُقَطِّعُوٓاْ أَرۡحَامَكُمۡ ﴾»(۱۳۱):

”اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب مخلوق کی تخلیق سے فارغ ہو گئے تو ”صلہ رحمی“ نے کہا: یہ قطع رحمی سے آپ کی پناہ کے طالب کی جگہ ہے۔ اللہ تعالی نے کہا: بیشک! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ جو تمھیں جوڑے میں بھی اسے جوڑوں اور جو تمھیں کاٹے میں بھی اسے کاٹ دوں؟ کہا: راضی ہوں میرے رب! فرمایا: تو یہ تمھارے لیے ہے“۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: ﴿ فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ إِن تَوَلَّيۡتُمۡ أَن تُفۡسِدُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَتُقَطِّعُوٓاْ أَرۡحَامَكُمۡ ﴾: ”پھر تم سے اس کے علاوہ اور کیا توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد برپا کر دو اور رشتے ناتے توڑ ڈالو“۔

ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جیسے صلہ رحمی کی کئی اقسام ہیں، ایسے ہی قطع رحمی کی بھی مختلف نوعیتیں ہیں۔ چنانچہ صلہ رحمی کی ہر قسم کے مقابلے میں قطع رحمی کی بھی ایک قسم ہے بالکل برابر برابر کہ ایک راستہ جنت کا ہے اور ایک جہنم کا، ایک راستہ اللہ تعالی کی رضا کا ہے اور ایک اس کی ناراضگی کا۔ نَسْأَلُ اللهَ السَّدَادَ وَالتَّوْفِيْقَ! (ہم اللہ تعالی سے راستی اور حسنِ توفیق کے طالب ہیں)۔

---

(۱۳۰) ۱۱: النساء: ۴.

(۱۳۱) بخاری شریف، کتاب الأدب، حدیث نمبر: ۵۹۸۷، و مسلم شریف، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۱۶(۲۵۵۴) بروایت ابو ہریرہؓ.

## ۵-داعی کے اخلاق :

اے دین کی دعوت میں مشغول بھائی! آپ پر اللہ کا انتہائی عظیم الشان انعام ہے کہ اس نے آپ کو اپنی طرف بلانے اور اپنے بندوں کی خیر خواہی کرنے والوں میں شامل فرمایا اور اغلب یہ ہے کہ اس نے اپنے بہت سے بندوں کے جنت میں داخل ہونے کا آپ کو سبب بنایا، مگر آپ کے لیے ضروری ہے کہ غور وفکر سے کام لیں، اپنے نفس کا پورا محاسبہ کریں اور اس سے کہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں نے دوسرے کو تو جنت کا راستہ بتا دیا، لیکن میں خود اس سے محروم نہ رہ جاؤں۔

ممکن ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو اپنے بہت سے بندوں کے لیے اپنی رضا کے حصول کا سبب بنا دیا ہو، آپ کے لیے لازم ہے کہ دیر تک اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اس سے کہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ میں نے اوروں کو تو اللہ کی رضا کا راستہ دکھا دیا، لیکن میں خود اس کے حصول میں ناکام نہ رہ جاؤں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے دوسرے کو تو حصولِ علم کی دعوت دی ہو، لیکن خود اس کی تحصیل میں کوتاہی برتی ہو، اس لیے اپنے نفس کو ہمیشہ یہ یاد دہانی کراتے رہیں۔

اسی طرح دوسرے امور ہیں، لہٰذا آپ آج ہی اپنا محاسبہ کریں، اس سے پہلے کہ کل اللہ تعالی آپ کا محاسبہ کریں یا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں آپ اس کی سزا کے حق دار بن جائیں۔ کسی گناہ یا ایسی کوتاہی کے باعث جس نے آپ کو کسی ایک نیکی یا بہت سی نیکیوں کو دیکھنے (اور ان کے حصول) سے غافل کر دیا ہو اور آپ اپنے گناہوں کو بھول گئے ہوں۔ وَاللهُ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ!!.

## ۶-فضول گوئی، عیب اور بے حیائی ہے :

بعض لوگ اپنے اخلاق میں لایعنی حرکتیں کرنے اور شرعاً، عقلاً اور ذوقاً نامناسب موقعوں پر ضرورت سے زیادہ تحقیق اور تجسس کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ آپ دیکھتے ہوں گے کہ جس آدمی میں یہ خصلت پائی جاتی ہے، وہ لوگوں کی ایسی باتوں میں مشغول رہتا ہے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً فلاں کا کیا قصہ ہے؟ فلاں کے ساتھ کیا ہوا؟ فلاں کے پاس کیا چیز ہے؟ فلاں کیا کرتا ہے؟ فلاں کہاں گیا؟ اور فلاں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟۔

لایعنی حرکتیں کرنے والا کم عقل، جوہر شرافت سے عاری اور بد ذوق آدمی ہوتا ہے، وہ شرم وحیا

کو کچھ نہیں سمجھتا؛ اس وجہ سے وہ جو چاہے کرتا پھرتا ہے، یہ وہی بات ہے جو نبیٔ اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمائی : «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِي؛ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ» (۱۳۲):

”پہلی نبوت کی جو باتیں لوگوں کو ملی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ : جب تمھارے اندر حیا وشرم نہ رہے تو جو چاہے کرتے پھرو“۔

یہ بری عادت انسان کو بہت سی بری عادتوں تک لے جاتی ہے جیسے غیبت، چغل خوری، فضول اور لغو باتوں کی کثرت، وقت کا ضیاع، حسد، بغض وکینہ وغیرہ اور اس قسم کی اور دوسری بُری عادتیں۔

اس بُری عادت سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور بہت سے مفادات ضائع ہو جاتے ہیں۔

اس بری عادت نے انسان کی زندگی اور پورے انسانی معاشرے کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔

تو کیا آپ کو اپنے نفس کی تربیت کے تعلق سے اپنی ذمے داری کا کچھ احساس اور ادراک ویقین ہوا، کہ آپ فضولیات سے دوری اختیاری کریں اور اخلاق ومذہب کی قیمت پر تحقیق وتجسس کی بے جا خواہش سے کنارہ کش رہیں!

اپنے نفس کو عادی بنائیں کہ جس چیز سے آپ کا کوئی تعلق اور لینا دینا نہ ہو، اس کے متعلق پوچھ گچھ نہ کرنے سے باز رہے اور جن چیزوں کا تم سے تعلق نہ ہو ان پر نظر نہ کرے۔ رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد یاد رکھیے : «مِنْ حُسْنِ إِسْلامِ الْـمَرْءِ: تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ» (۱۳۳)!!

”انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ جس چیز سے اسے غرض نہ ہو اسے چھوڑ دے“۔

## ۷- اس کی عادت ڈالو کہ دوسرے کے لیے بھی اسی طرح جیو جس طرح اپنے لیے جیتے ہو :

آپ اس بات کی عادت ڈالیں کہ صرف اپنے لیے زندہ نہ رہیں؛ بلکہ دوسرے کے بارے میں بھی سوچیں، دوسرے کے لیے بھی کوئی کام کریں اور اپنے کچھ مفادات دوسروں کے مفادات کے

---

(۱۳۲) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۶۱۲۰، كتاب الأدب، ۳۴۸۳، و۳۴۸۴، احادیث الانبیاء بروایت عبد اللہ بن مسعود رضي الله عنه.

(۱۳۳) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۳۱۷، وابن ماجہ شریف، حدیث نمبر: ۳۹۷۶ بروایت ابو ہریرہ رضي الله عنه.

لیے قربان کر دیں، جب آپ کو یہ یاد آئے کہ آپ کی کچھ ضرورتیں ہیں تو یہ بھی یاد کریں کہ دوسرے کی بھی کچھ ضرورتیں ہونگی۔ جب آپ یہ احساس کریں کہ آپ کے کچھ جذبات ہیں تو یہ بھی یاد کریں کہ دوسرے کے بھی کچھ جذبات ہونگے۔ پتھر کی طرح سنگ دل نہ بنیں؛ کہ اپنے آس پاس والوں کی تکلیفوں اور ان کی توقعات کا کوئی احساس نہ رہے۔ یہ پاکیزہ عادت و کردار، لوگوں کے ساتھ معاملہ اور ان کے ساتھ میل جول کے حوالے سے انسان اور دیگر مخلوقات کے درمیان سب سے اہم اور مابہ الامتیاز وصف ہے۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ اہم ترین مکارمِ اخلاق یہ ہیں کہ انسان سخاوت، ایثار اور قربانی کی صفات سے متصف ہو، ان صفات کی تعمیل و تکمیل کا حصہ یہ ہے کہ آپ کچھ چیزیں اللہ کی خاطر چھوڑ دیں اور کچھ چیزیں اس کی خاطر انجام دیں۔ اس دارِ فانی میں چھوٹ جانے والے اپنے بعض ذاتی اہم مفادات کی تکمیل کی بہ نسبت آپ کو اپنے اس طرزِ عمل سے زیادہ دلی مسرت و خوشی ہوگی۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ اس کے بغیر آپ کا ایمان بھی مکمل نہیں؛ کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ؛ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»(۱۳۴): ”تم میں سے کوئی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے“۔

واللہ الموفق!

* * *

---

(۱۳۴) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۳، و مسلم شریف، حدیث نمبر: ۷۱-۷۲(۴۵) بروایت انس رضی اللہ عنہ.

# چوتھی بحث

## نصیحت و خیر خواہی کے متعلق علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے شاندار نظریات

مندرجات:

تمہید۔

١- اپنی نصیحت پر عمل نہ کرنے والے ناصح کا حکم۔

٢- ماننے کی شرط پر نصیحت نہ کرو۔

٣- دوستی اور نصیحت۔

٤- نصیحت کے بعض طریقوں کے کچھ منفی پہلو۔

٥- بار بار نصیحت کرنا اور نصیحت میں مطلوبہ صفات۔

٦- خالق کو ناراض کرنا اور مخلوق کو راضی کرنا۔

٧- نصیحت میں مطلوب طریقہ۔

٨- جان دار اور بے جان چیزوں کے درمیان اثر اندازی و اثر پذیری۔

٩- خالق و مخلوق کی شکر گزاری۔

١٠- لوگوں کے عیوب بیان کرنا نصیحت نہیں ہے۔

١١- علمی مجلسوں میں حاضری کے آداب۔

# تمہید

نصیحت اور اس کی شرعی واخلاقی تدابیر واسالیب کے بارے میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے شاندار اقوال و آرا ہیں جو انھوں نے اپنی کتاب «الأخلاق والسير في مداواة النفوس»(۱۳۵) میں تحریر کیے ہیں۔

چونکہ اخلاق اور دوسروں کے ساتھ حسنِ معاملے کے طریقوں کے تعلق سے ان اقوال وآرا کی -مختصر ہونے کے باوجود- بڑی اہمیت ہے، اس لیے کتاب کے مطبوعہ نسخے میں طباعت کی اغلاط کی تصحیح اور عناوین کے اضافے کے بعد تتبع وتلاش کرکے ان کو یہاں نقل کیا جارہا ہے، امید ہے کہ یہاں ان کا ذکر کرنا مناسب ہوگا۔

## ۱- اپنی نصیحت پر عمل نہ کرنے والے ناصح کا حکم:

لوگوں پر خیر کا علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ پس جو شخص دونوں کا جامع ہو تو گویا اس نے دونوں فضیلتیں حاصل کرلیں اور جس نے علم تو حاصل کیا، مگر اس پر عمل نہ کیا تو اس نے تعلیم حاصل کرکے اچھا کیا، لیکن عمل نہ کرکے بُرا کیا۔ اس طرح اس نے عمل صالح اور عمل بد کو ملا دیا۔ تاہم یہ اس تیسرے آدمی سے بہتر ہے جس نے نہ خیر کا علم حاصل کیا اور نہ اس پر عمل کیا۔ البتہ یہ ناکارۂ بے فیض شخص جس میں کوئی خیر نہیں، اس آدمی سے بہتر وافضل اور کم بُرا ہے جو خیر کا علم حاصل کرنے سے روکے۔

اگر صرف وہی شخص ”شر“ سے روکے جس میں کوئی برائی نہ ہو اور ”خیر“ کا حکم اور تبلیغ صرف وہی شخص کرے جو تمام خوبیوں کا جامع ہو، تو نبی کریم ﷺ کے بعد ”شر“ سے روکنے والا اور ”خیر“ کا حکم دینے والا کوئی نہیں ملے گا۔ جو شخص ایسی رائے کا اظہار کرے وہ معاشرے میں فساد وانار کی اور

---

(۱۳۵) اخلاق کے موضوع پر یہ ایک اہم کتاب ہے اور اسم بامسمی ہے۔

بدحالی کا سبب بنے گا۔ اللہ ہمیں حسن توفیق عطا فرمائے۔

ابو محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے اعتراض کیا اور کہا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب کسی کام سے منع کرتے تو خود اسے بالکل نہ کرتے اور جب کسی چیز کا حکم دیتے، تو خود اس پر سختی سے عمل کرتے تھے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے بُری چیز یہ ہے کہ انسان کسی چیز کا حکم دے، مگر خود اس پر عمل نہ کرے یا کسی چیز سے منع کرے، اور خود اسے کرے۔ اس پر ابو محمد نے جواب دیا کہ : جس نے یہ بات کہی غلط کہی؛ کیونکہ اس سے بھی بُرا وہ آدمی ہے، جو نہ خیر کا حکم دے اور نہ شر سے روکے؛ بلکہ الٹا شر پر عمل کرے اور خیر بالکل نہ کرے۔

ابو محمد نے فرمایا کہ ابو الاسود دؤلی کا شعر ہے :

لَا تَنْهَ عَنْ خُلُقٍ وَتَأْتِيَ مِثْلَهُ * عَارٌ عَلَيْكَ إِذَا فَعَلْتَ عَظِيمُ
وَابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَانْهَهَا عَنْ غَيِّهَا * فَإِذَا انْتَهَتْ عَنْهُ فَأَنْتَ حَكِيمُ
فَهُنَاكَ يُقْبَلُ إِنْ وَعَظْتَ وَيُقْتَدَى * بِالْعِلْمِ مِنْكَ وَيَنْفَعُ التَّعْلِيمُ

-تم کسی ایسی عادت سے لوگوں کو مت روکو جسے تم خود کرتے ہو؛ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمھارے لیے بڑے شرم کی بات ہے۔

-(اصلاح کے باب میں) اپنے نفس سے ابتدا کرو اور اسے ادھر ادھر بھٹکنے سے روکو۔ اگر نفس اس سے رک گیا تو تم حکیم و دانا ہو۔

-اب اگر تم نصیحت کروگے تو مانی جائے گی اور تمھارے علم کی اقتدا کی جائے گی اور تمھاری تعلیم نفع دے گی۔

ابو محمد نے فرمایا کہ نکیر کرنے سے ابو الاسود دؤلی کا مقصد یہ ہے کہ جس بات سے انسان روکے اسے کرنا اس برائی کی قباحت کو بہت بڑھا دیتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ﴿أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ﴾ (۱۳۶) :

”کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو“۔ ابو الاسود کا یہی مقصد سمجھنا چاہیے۔

---

(۱۳۶) ۴۴ : البقرۃ : ۲۔ آیت کا باقی حصہ اس طرح ہے: ﴿وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾۔

رہا یہ کہنا کہ ابو الاسود دؤلی کا مقصد ”خلقِ مذموم سے منع کرنے سے روکنا ہے“، تو ہم اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، کہ یہ تو اس شخص کا کام ہے جس میں مطلق کوئی خیر نہ ہو۔ نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ”شر“ سے منع کرنا اسی کے لیے ضروری ہے جو ”شر“ کا ارتکاب نہ کرے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا کہ اگر ابلیس کا بس چلے تو وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ نہ کوئی کسی بُرائی سے روکے اور نہ ہی کسی نیکی کا حکم کرے۔ ابو محمد نے کہا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بالکل صحیح کہا، یہی بات ہم نے بھی ابھی کہی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں خیر کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہمیں رشد و ہدایت کی بصیرت بخشے اس لیے کہ انسان میں برائیاں اور خامیاں ہیں۔ اگر وہ ان ہی کو دیکھتا رہے تو یہ اسے تبلیغ و نصیحت کے کام سے روک دیں گی۔ اے اللہ! ہمیں اپنے رسول ﷺ کے طریقے پر وفات دیجیے۔ آمین یا رب العالمین (۱۳۷)۔

## ۲- ماننے کی شرط پر نصیحت نہ کرو :

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے مزید لکھا ہے :

”ماننے کی شرط پر نصیحت نہ کرو، نہ قبول کرنے کی شرط پر سفارش کرو اور نہ ہی بدلے کی شرط پر ہدیہ دو؛ بلکہ فضل و کرم کو بروئے کار لانے، نصیحت، سفارش اور نیکی کرنے کی جو ذمے داری تم پر ہے، اسے ادا کرنے کی نیت سے ایسا کرو“ (۱۳۸)۔

## ۳- دوستی اور نصیحت :

”ہر دوست ناصح اور خیر خواہ نہیں ہوتا، لیکن ہر ناصح اپنی نصیحت کے حوالے سے (حقیقی) دوست ہوتا ہے۔

نصیحت کی تعریف اور مطلب یہ ہے کہ جو چیز دوسرے کو نقصان پہنچائے، وہ اس ناصح انسان کو بُری لگے، خواہ دوسرے کو بُری لگے یا نہ لگے۔ نیز یہ کہ دوسروں کے لیے جو چیز نافع ہو، اس سے ناصح کو

---

(۱۳۷) الأخلاق والسّيَر في مداواة النفوس : ص ۹۲-۹۳.

(۱۳۸) الأخلاق والسّيَر... : ص ۴۱.

خوشی ہو، خواہ دوسرا خوش ہو یا ناخوش، نصیحت کی یہ شرط دوستی کی شرطوں پر مستزاد ہے“(۱۳۹)۔

”جو شخص آپ کی غلط بات پر اظہارِ ناراضگی کرے اور غصہ دکھائے وہ آپ سے تعلق اور دوستی قائم رکھنا چاہتا ہے اور جو آپ کی برائیوں کو معمولی سمجھے (اور روک ٹوک نہ کرے) تو اسے آپ سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں۔ دوست کے حق میں عتاب (اور غلطی پر اظہارِ ناراضگی) ایسا ہے جیسے کچے سونے کو آگ میں تپانا یا تو وہ میل کچیل سے صاف ہو جائے گا یا اسی کے ساتھ اڑ جائے گا“(۱۴۰)۔

## ۴۔ نصیحت کے بعض طریقوں کے کچھ منفی پہلو:

”نصیحت کی بعض اقسام کا چغل خوری سے امتیاز کرنا مشکل ہے؛ اس لیے کہ جس نے کسی انسان کو کسی کی ناحق مذمت کرتے ہوئے یا اس کے خلاف ظالمانہ طور پر سازش کرتے ہوئے سنا یا پایا پھر اس نے مذمت و سازش کا نشانہ بننے والے شخص سے یہ بات چھپائی، تو یہ چھپانے والا ظالم اور قابل مذمت ہو گا۔ اس کے بعد اگر وہ اس سے یہ بات جوں کی توں بتائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ مذمت کرنے والے اور ظالم کو ایسا نقصان پہنچا دے جس کا وہ اب تک سزاوار نہ ہوا ہو۔ لہٰذا وہ اس پر ہی ظلم کرنے والا ہو جائے گا اور یہ حق و انصاف کی بات نہیں کہ ظالم سے اس کے ظلم سے زیادہ بدلہ لیا جائے۔ الغرض اس باب میں ظلم سے بچ نکلنا عقلا کے علاوہ کسی اور کے لیے بہت مشکل ہے۔

اس جیسی صورتِ حال میں ایک عقل مند کی رائے یہ ہو گی کہ وہ برائی کیے جانے والے شخص کو برائی کرنے والے شخص سے بچائے، اور اس کی بات اُس تک نہ پہنچائے، کہ بات حد سے بڑھ کر اس کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ رہی سازش والی بات تو سننے والے پر اتنا لازم ہے کہ انتہائی خفیہ اور رازداری کے ساتھ اس شخص کو چالباز اور سازشی شخص کی سازش سے محفوظ کر دے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کرے۔ اور کسی کی بات سن کر دوسرے کو پہنچانا جبکہ اس بات سے اس دوسرے شخص کو کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو تو یہ چغل خوری ہے (اور بری عادت ہے)“(۱۴۱)۔ وباللہ التوفیق۔

---

(۱۳۹) الأخلاق والسّيَر... : ص۴۱.

(۱۴۰) الأخلاق والسّيَر.. : ص۳۹.

(۱۴۱) الأخلاق والسّيَر.. : ص۴۳-۴۴.

## ۵- بار بار نصیحت کرنا اور نصیحت میں مطلوبہ صفات :

”نصیحت دو مرتبہ کی جاتی ہے : پہلی مرتبہ فرض اور دیانت ہے۔ دوسری مرتبہ تنبیہ و تذکیر (یاد دہانی) ہے۔ جبکہ تیسری مرتبہ ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبیخ ہے، اس کے بعد تو بس لات گھونسا ہی رہ جاتا ہے۔ البتہ دیانت کے امور میں (ناصح) انسان پر بار بار نصیحت کرنا لازم ہے، جس کو نصیحت کی جائے وہ خوش ہو یا ناراض اور نصیحت کرنے والے کو اس سے ضرر پہنچتا ہو یہ نہ پہنچتا ہو۔

جب آپ کسی کو نصیحت کریں تو آہستہ سے کریں (کہ وہی سنے)، زور سے نصیحت نہ کریں۔ اشارے کنایے سے کریں، نہ کہ بہ صراحت، الا یہ کہ وہ اشارہ کنایہ نہ سمجھے تب صراحت کے ساتھ بات کریں۔

”آپ کی نصیحت مانی ہی جائے“ اس شرط پر نصیحت نہ کریں۔

اگر آپ نصیحت کے ان طریقوں سے تجاوز کرتے ہیں تو آپ ”ظالم“ ہیں ”ناصح“ نہیں، نیز آپ اس صورت میں شہرت دکھاوے اور اقتدار کے طالب ہوگے نہ کہ حق امانت اور حق اخوت ادا کرنے والے۔ نصیحت کا یہ طریقہ نہ عقل کا تقاضا ہے اور نہ ہی دوستی کا؛ بلکہ حاکم کا محکوم کے ساتھ اور آقا کا غلاموں کے ساتھ والا معاملہ ہے“(۱۴۲)!!۔

”جب آپ نصیحت کریں تو تنہائی میں کریں اور نرم کلامی کے ساتھ کریں۔ جس سے آپ بات کریں اس کی گالی گلوچ اول فول دوسرے کی طرف منتقل نہ کریں (یعنی دوسرے سے نہ کہیں، رازداری برتیں)، ورنہ آپ چغل خور کہلائیں گے۔ اگر آپ نے نصیحت میں سخت کلامی کی تو یہ لڑائی پر آمادہ کرنا اور بِدکانا ہوگا (نہ کہ نصیحت کرنا)۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ﴿فَقُولَا لَهُۥ قَوۡلٗا لَّيِّنٗا﴾(۱۴۳) : ”پھر تم دونوں (یعنی موسیٰ وہارون علیہما السلام) اس (فرعون) سے نرم بات کرنا“۔

نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : (لَا تُنَفِّرُوْا) تم لوگوں کو مت بِدکاؤ۔

اگر آپ نے اپنی بات منوانے اور قبول کرنے کی شرط پر نصیحت کی تو آپ ظالم قرار پائیں گے

---

(۱۴۲) الأخلاق والسّيَر... : ص ۴۴.

(۱۴۳) ۴۴ : طہ : ۲۰.

اور اپنی نصیحت کے طریقۂ کار میں غلطی پر بھی ہوں گے، اس صورت میں آپ اپنی غلطی کو دوسرے پر تھوپنے اور درست بات کو چھوڑنے کا مطالبہ کرنے والے بھی شمار ہوں گے“ (١٤٤)!!۔

## ٦- خالق کو ناراض کرنا اور مخلوق کو راضی کرنا :

”اگر ایسی صورت حال پیش آجائے کہ انسانوں اور اللہ تعالی میں سے ایک کو ناراض کرنا پڑ رہا ہو، یا خالق و مخلوق میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو آپ لوگوں کو ناراض کر دیں اور انھیں چھوڑ دیں، لیکن اللہ کو ناراض نہ کریں اور اللہ سے دوری (اور اس کی ناراضی) کو گوارا نہ کریں“ (١٤٥)!!۔

## ٧- نصیحت میں مطلوب طریقہ :

جاہلوں، گناہ گاروں اور رذائل میں مبتلا لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے میں نبیٔ پاک ﷺ کے اسوے کی اتباع لازم ہے۔ پس جس نے سخت کلامی اور ترش روئی کے ساتھ نصیحت کی، اس نے غلطی کی اور نبیٔ پاک ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر آگے بڑھا اور اکثر حالات میں ایسا شخص ”محتاجِ نصیحت“ کو اپنی غلط روش پر اڑے رہنے پر اکسانے والا قرار پائے گا، اس کے دل میں تند و خشک ناصح سے ضد، ناراضگی اور نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اس طرح وہ اپنی نصیحت میں اچھا نہیں برا شمار ہو گا۔

جو شخص ہنس کر، مسکرا کر اور نرمی کے ساتھ وعظ و نصیحت کرے جیسے کسی کو مشورہ دے رہا ہو، اور محتاجِ نصیحت کا عیب اور خرابی، اس کو اس طرح بتائے جیسے کسی اور کے بارے میں بتا رہا ہو تو ایسا شخص وعظ و نصیحت میں زیادہ کامیاب اور اس کا وعظ زیادہ موثر ہوتا ہے۔ اگر محتاجِ نصیحت پند و موعظت قبول نہ کرے تو واعظ کو چاہیے کہ وقار و شائستگی کے ساتھ اسے تنہائی میں سمجھائے۔ اگر اب بھی قبول نہ کرے تو اس شخص کی موجودگی میں سمجھائے جس سے اس کو شرم آتی ہو۔ معلوم رہے کہ نصیحت میں نرمی کے ساتھ بات کرنا اللہ تعالی کی طرف سے بتایا گیا ادب ہے۔

---

(١٤٤) الأخلاق والسّيَر... : ص ٤٨.

(١٤٥) الأخلاق والسّيَر... : ص ٦٢.

آپ ﷺ براہِ راست مخاطب بنا کر کسی کو نصیحت نہیں فرماتے تھے(۱۴۶)؛ بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں۔ نیز آپ ﷺ نے نرمی کرنے کی تحسین فرمائی اور آسانی پیدا کرنے کی تلقین کی اور لوگوں کو متنفر کرنے سے منع فرمایا۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : ﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلْقَلْبِ لَٱنفَضُّوا۟ مِنْ حَوْلِكَ ۖ ﴾(۱۴۷) :

”اللہ تعالی کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے منتشر جاتے“۔

”جہاں تک سختی اور شدت کا تعلق ہے تو یہ حدود و قصاص میں لازم ہے، چنانچہ جو شخص (مثلاً بادشاہ و حاکم) حد جاری کرنے پر قادر ہو، اس کے لیے اس میں نرمی برتنا جائز نہیں۔

اسی طرح نصیحت و موعظت میں بد عمل کے سامنے اس انسان کی تعریف کرنا بھی مفید ہے جس نے اس کے برعکس (اچھا) عمل کیا ہو؛ کیونکہ اس میں خیر کی طرف تلقین و تبلیغ ہے۔ میرے علم میں حبِّ مدح و تحسین کا بس یہی ایک موقع و اسلوب درست ہے، جس میں مدح و تحسین سننے والا شخص، ممدوح شخص کی اقتدا کرے۔ بنابریں فضائل و رذائل دونوں کی تاریخ و سرگزشت بیان کی جائے، تاکہ سننے والے کو اس برائی سے نفرت ہو جائے، جو کسی دوسرے کے متعلق بیان کی جا رہی ہو اور اس نیکی سے رغبت ہو جائے، جو اس سے پہلے کے کسی شخص کی بیان کی جا رہی ہو اور وہ گزرے ہوئے لوگوں اور ان کے واقعات سے نصیحت حاصل کرے“ (۱۴۸)۔

## ۸- جان دار اور بے جان چیزوں کے درمیان اثر اندازی و اثر پذیری :

”میں نے آسمان کے نیچے کی ہر چیز پر غور کیا، اور بہت غور کیا، تو میں نے پایا کہ ہر چیز خواہ ذی

---

(۱۴۶) اگر امام ابن حزم –رحمہ اللہ– یہ لکھتے کہ: ”آپ ﷺ ہمیشہ براہ راست مخاطب بنا کر کسی کو نصیحت نہیں فرماتے تھے“ تو یہ زیادہ درست ہوتا، کیونکہ یہ بات علی الاطلاق درست نہیں ہے، بلکہ حکمت کے تقاضے کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے کبھی براہ راست مخاطب بنا کر نصیحت فرمائی اور کبھی عمومی طور پر، جیسا کہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ بعض اوقات اس طرح کہا کرتے تھے: ”لوگوں کو کیا ہو گیا ہے...“، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہمیشہ اس کا التزام فرمایا ہے، اور نہ اس سے اس کے برعکس طریقے کی نفی کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱۴۷) آل عمران : ۱۵۹.

(۱۴۸) الأخلاق والسّيَر... : ص ۶۲-۶۳.

روح ہو یا غیر ذی روح، اس کی طبیعت یہ ہے کہ اگر اس میں طاقت و قوت ہو تو وہ دوسری انواع سے اس کی کیفیات کو سلب کر لے اور اس کو اپنی صفات میں رنگ دے۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہو کہ ایک فاضل و باکمال انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ سارے لوگ باکمال ہو جائیں جبکہ ناقص انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ تمام لوگ ناقص ہو جائیں۔ اور آپ دیکھتے ہو کہ ہر وہ شخص جو کسی چیز کا ذکر کرتا ہے اور اس پر مخاطب کو ابھارتا اور اکساتا ہے تو یوں کہتا ہے کہ میں نے ایسا اور ایسا کیا۔ اسی طرح ہر مسلک ومذہب کا آدمی چاہتا ہے کہ سارے لوگ اس کے ہم مذہب و ہم مسلک ہو جائیں۔ یہ بات تم کو عناصر یعنی غیر ذی روح اشیا میں بھی نظر آئے گی۔ اگر ایک غیر ذی روح عنصر دوسرے کی بہ نسبت مضبوط ہوتا ہے تو دوسرے کو اپنی نوعیت میں تبدیل کر لیتا ہے۔ یہ بات شجرکاری میں اور پودوں اور درختوں کے؛ پانی اور زمین کی رطوبت کو غذا بنانے اور ان دونوں کے اس غذا کو اپنی نوعیت کی طرف تبدیل کر لینے میں بھی نظر آتی ہے۔ نہایت پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو بنایا اور ایسی تدبیر کی۔ سچ ہے کہ بس وہی ذات معبود بنائے جانے کے لائق ہے“ (۱۴۹)۔

## ۹- خالق و مخلوق کی شکر گزاری:

”منعم و محسن کی شکر گزاری فرض اور لازم ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ محسن کے احسان کے بقدر، بلکہ اس سے زیادہ اس کے احسان کا بدلہ دیا جائے، اس کے معاملے سے دلچسپی لی جائے، بہتر طور پر سنجیدگی سے اس کا دفاع کیا جائے، اس کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد بھی اس کے ساتھ اور اس کے متعلقین و اہل خانہ کے ساتھ وفاداری کی جائے۔ اس سے برابر محبت رکھی جائے، راست بازی کے ساتھ اس کی خوبیوں کو عام کیا جائے اور تا زندگی اس کی بُرائیوں کی پردہ پوشی کی جائے، اسی طرح اپنی اولاد اور اہل تعلق میں بھی یہ صفت منتقل کی جائے۔

جبکہ گناہوں میں تعاون کرنا، اور اس کا دین و دنیا برباد کرنے والی چیزوں کے بارے میں اس کو، اس کی نصیحت نہ کرنا، یہ اس کی شکر گزاری نہیں ہے؛ بلکہ جس نے اپنے محسن کی کسی غلط حرکت پر اس کا تعاون کیا تو اس نے اس کے ساتھ دھوکا کیا اور اس کے ساتھ ناشکری اور احسان فراموشی کی۔ یہاں

---

(۱۴۹) الأخلاق والسّيَر... : ص٦٣.

یہ بھی یاد رہے کہ اللہ تعالی کا انعام واحسان، ہر حال میں کسی بھی محسن و منعم کے احسان وانعام سے کہیں زیادہ بڑا، مقدم اور زیادہ خوشگوار ہے، کہ اس نے ہمارے جسم میں دیکھنے والی آنکھیں بنائیں، سننے والے کان دیے، سب سے فائق اور کامل حواس ہم کو دیے، ہمیں قوت گویائی اور عقل و تمیز عطا کی جن کے سبب ہم اس کے خطاب کے اہل ہوئے، زمین وآسمان کی تمام مخلوقات اور کواکب کو ہمارے فائدے کے لیے مسخر کر دیا اور ہمارے اوپر ملائکۂ مقربین کے سوا کسی بھی مخلوق کو فوقیت نہیں دی۔ پھر یہ فرشتے بھی صرف آسمانوں کو آباد کرنے والے ہیں نہ کہ زمین کو۔

سوچو کہ دیگر انعام واحسان کرنے والوں کے انعام واحسان کی ان نعمتوں کے سامنے کیا حیثیت ووقعت ہے؟

پس جس کا یہ خیال ہو کہ کسی باطل اور غلط حرکت پر اپنے محسن کا تعاون کر کے یا ناجائز کام پر اس سے صرفِ نظر کر کے، اس کی شکر گزاری اور قدر دانی کر رہا ہے تو اس نے ”منعم اعظم“ کی نعمت کی ناشکری کی اور ”محسن اکبر“ کے احسان کا انکار کیا۔ نہ اس نے شکر گزاری کے اصل مستحق یعنی اللہ تعالیٰ کا کماحقہ شکریہ ادا کیا، نہ کماحقہ اس کی حمد وثنا بیان کی۔

لیکن جو شخص اپنے محسن اور اس کی غلط حرکت کے درمیان حائل ہو جائے اور حق کی تلخی کے باوجود اسے اس پر قائم کر رکھے، تو اس نے واقعی اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنے اوپر اس کے واجبی حق کو بھرپور طریقے سے ادا کیا۔ وَللهِ الْحَمْدُ أَوَّلًا وَآخِرًا وَعَلَى كُلِّ حَالٍ(۱۵۰)۔

## ۱۰-لوگوں کے عیوب بیان کرنا نصیحت نہیں ہے:

”یہ بات یقینی طور پر جان لینی چاہیے کہ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کے علاوہ کوئی بھی انسان نقص اور خامی سے محفوظ نہیں ہے۔ لہٰذا جس شخص پر اپنے عیوب ونقائص پوشیدہ رہیں، وہ تباہ ہوا اور بے وقعتی، رذالت، خسّت، بے عقلی، کم فہمی اور دناءت میں اس درجے کو پہنچ گیا جس سے کوئی بھی کمینہ پیچھے نہ ہوگا اور نہ اس سے نیچے دناءت کا کوئی درجہ ہوگا۔ ایسے شخص کو اپنے عیوب ونقائص تلاش کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

---

(۱۵۰) الأخلاق والسّيَر... : ص۸۸-۸۹.

میری نظر میں لوگوں کے عیوب سننے کا کوئی جواز نہیں، الا یہ کہ انسان انھیں سن کر ان سے نصیحت حاصل کرے، ان سے اجتناب کرے اور اللہ تعالی کی توفیق سے ان کے ازالے کی کوشش کرے۔

جہاں تک لوگوں کے عیوب و نقائص کو بیان کرنے کی بات ہے تو یہ بہت بڑا عیب ہے اور کسی بھی حال میں درست نہیں؛ بلکہ اس سے اجتناب لازم ہے، سوائے اس آدمی کی خیر خواہی کی خاطر جس کے اس عیب دار شخص کے ہاتھوں تکلیف میں پڑنے کا اندیشہ ہے یا پھر خود پسند اور مغرور انسان کو اس کے منہ پر خاموش اور لاجواب کرنے کے لیے (پیٹھ پیچھے تو اس کے عیوب بیان کرنا بھی درست نہیں)۔ اس کے بعد اس خود پسند اور مغرور سے کہے کہ اپنے آپ پر نظر ڈالو، اگر آپ نے اپنے نفس کے عیوب کو پہچان لیا تو آپ نے اپنے غرور اور خود پسندی کا علاج کر لیا، نیز اس سے کہے کہ آپ اپنے نفس کے سامنے اس سے زیادہ عیوب والے کی مثال نہ دو، ورنہ نفس رذائل اور خراب عادتوں کو اور آسان سمجھ لے گا اور وہ اہل شر کا پیروکار بن جائے گا، جبکہ (بعض اوقات) اہلِ خیر کی بھی پیروی مذموم اور ممنوع ہے، چہ جائے کہ اہل شر کی؟ بلکہ اپنے نفس کے لیے اس سے بہتر و برتر کی مثال پیش کرو، تب تمھارا عجب اور غرور ختم ہو گا اور اس بُرے مرض سے تم شفایاب ہوگے جس کے باعث تم دوسروں کی تذلیل واستہزا کرتے ہو، حالانکہ ان میں سے کچھ لوگ یقیناً تم سے بہتر ہوتے ہیں۔ پھر جب تم ناحق ان کی تذلیل کروگے تو وہ تمھاری تذلیل کرنے میں حق بجانب ہونگے؛ کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَجَزَٰٓؤُاْ سَيِّئَةٖ سَيِّئَةٞ مِّثۡلُهَاۖ﴾ (۱۵۱): ”اور بُرائی کا بدلہ اس جیسی بُرائی ہے“۔

پس اس کے نتیجے میں تم خود اپنی تذلیل کا سبب بن جاؤگے؛ بلکہ در حقیقت اللہ تعالی کی ناراضگی اور اپنی ہر خوبی کو مٹانے کا بھی سبب بن جاؤگے“ (۱۵۲)۔

## ۱۱- علمی مجلسوں میں حاضری کے آداب :

”جب آپ کسی علمی مجلس میں جائیں تو اپنے علم میں اضافہ اور حصول ثواب کی نیت سے

---

(۱۵۱) ۴۰ : الشورى : ۴۲.

(۱۵۲) الأخلاق والسّيَر... : ص۶۵-۶۶.

جائیں، اپنے علم کے زعم میں مستغنی بن کر دوسرے کی لغزش اور غلطیاں پکڑنے اور ان کی تشہیر کرنے کی غرض سے نہ جائیں اور نہ کسی عجیب وغریب بات کو سن کر اور پکڑ کر اس کو بدنام اور طعن وتشنیع کرنے کی نیت سے جسے آپ بعد میں عام کرتے پھریں؛ کہ یہ تو انتہائی کمینہ صفت لوگوں کی حرکت ہے جو حصولِ علم میں کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

اگر پہلی نیت سے حاضر ہوئے تو آپ کو بہر صورت خیر حاصل ہوگی۔ لیکن اگر دوسری نیت سے حاضر ہوئے تو آپ کا اپنے گھر بیٹھے رہنا زیادہ راحت بخش، زیادہ باعث عزت اور دین کی حفاظت کے لیے زیادہ مفید ہے۔

اگر ہماری ذکر کردہ (حصولِ علم وثواب کی) نیت سے آپ حاضر ہوئے تو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو اختیار کریں، چوتھی کوئی شکل نہیں ہے۔

- یا تو ناواقف اور جاہل کی طرح خاموش رہیں تو آپ کو حاضرِ مجلس کی نیت کا اجر ملے گا، نیز قلّتِ فضول گوئی پر آپ کی تعریف ہوگی، ہم نشینی کے شرف اور ان اہل علم سے محبت کا ثواب بھی جن کے پاس آپ اٹھتے بیٹھتے ہوں گے۔
- اگر آپ (ناواقف اور جاہل کی طرح) خاموش نہیں رہ سکتے تو طالب علم کی مانند سوال کریں، اس طرح آپ مذکورہ چار اچھائیوں کے علاوہ ایک پانچویں خوبی ”علم میں اضافے“ کی بھی حاصل کرسکتے ہیں۔
- طالب علم کی طرح سوال کا طریقہ یہ ہے کہ جو بات آپ کو معلوم نہ ہو اس کے متعلق سوال کریں؛ کیونکہ جو بات پہلے سے معلوم ہو اس کے بارے میں سوال کرنا بے وقوفی اور کم عقلی ہے اور اپنے کلام اور وقت کو اس کام میں صرف کرنا ہے جس میں نہ آپ کا فائدہ ہے اور نہ کسی دوسرے کا۔ پھر اس سے بعض مرتبہ دشمنی جنم لیتی ہے، اور یہ بالکل عبث اور فضول بھی ہے؛ اس لیے آپ پر لازم ہے کہ فضول اور بے فائدہ کام کرنے والے نہ بنیں کہ یہ بُری عادت ہے۔

اگر آپ کو سوال کا کافی جواب مل جائے تو بات ختم کردیں، لیکن اگر کافی وشافی جواب نہ ملے یا آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو کہہ دیں کہ میں نے سمجھا نہیں۔ ایک مرتبہ پھر بتادیجیے۔ اگر انھوں نے مزید وضاحت نہ کی اور خاموش رہے یا صرف پہلی ہی بات دہرائی تو پھر آپ باز رہیں، مزید کچھ نہ کہیں، ورنہ برائی اور دشمنی پیدا ہوسکتی ہے، مزید جواب کی توقع نہیں ہے۔

- اور تیسری شکل یہ ہے کہ ایک عالم کی طرح علمی مذاکرہ و مباحثہ کریں۔

اس کی صورت یہ ہے کہ مخاطب کے جواب کا دلیل کے ساتھ معارضہ پیش کریں (اس کی دلیل کے خلاف اپنی دلیل پیش کریں)۔ اگر ایسی صلاحیت آپ کے اندر نہ ہو اور محض بات کا تکرار ہو یا اسے مدّ مقابل معارضہ نہ سمجھے تو چپ ہو جائیں، کیونکہ اس تکرار سے نہ آپ کو کوئی اجر ملے گا نہ آپ تعلیم و تعلّم کا کوئی کام انجام دے سکیں گے، بلکہ یہ طرزِ عمل آپ کے اور مدّ مقابل کے لیے غیظ وغضب کا باعث ہوگا اور باہم مخالفت کا سبب بھی بن سکتا ہے جس سے نقصانات ہو سکتے ہیں۔

ایک ضدی اور بڑائی جتانے والے کی طرح سوال نہ کریں جو بغیر علم اپنا غلبہ اور برتری چاہتا ہے کہ یہ دونوں بری عادتیں ہیں اور بد خلقی، بے دینی، بے ہودگی، فضول گوئی، کم عقلی اور بڑی حماقت کی دلیل ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

اگر آپ کے سامنے کوئی بات آئے یا آپ کسی کتاب کی تحریر پر اعتراض کریں تو اس کے ساتھ اس طرح کا نہ معاملہ کریں جیسے غلبہ حاصل کرنے کے محرک کے طور پر پیدا شدہ غیظ وغضب کی صورت میں ہوتا ہے، بلکہ پہلے دلیل قطعی سے اس کے غلط ہونے کا ثبوت حاصل کریں، اسی طرح جب تک کسی دلیلِ قطعی سے اس کے درست ہونے کا یقین نہ ہو جائے، تب تک اس کی تحسین و تصدیق کرنے والے کی طرح اس سے دلچسپی نہ لیں کہ ان دونوں صورتوں میں اپنے آپ پر زیادتی ہوگی اور حقیقت کے ادراک سے آپ دور ہو جائیں گے؛ بلکہ آپ اختلاف سے اور کسی ایک طرف رجحان و میلان سے خالی الذہن ہو کر اس پر توجہ دیں اور اس شخص کی مانند دلچسپی لیں جو سنی ہوئی اور دیکھی ہوئی ہر چیز میں اپنا جائز حصہ چاہتا ہو۔ پھر اگر وہ بات صحیح ہو تو مزید علم حاصل کرنے اور قبول کرنے کی نیت ہو اور اگر غلط ہو تو تردید پیش نگاہ ہو۔ اس صورت میں آپ کو اجر و ثواب بھی ملے گا، تحسین و تعریف بھی حاصل ہوگی اور آپ کا فضل و کمال بھی ظاہر ہوگا"(۱۵۳)!!۔

* * *

---

(۱۵۳) الأخلاق والسّيَر في مداواة النفوس: ص٩٠-٩١.

# چھٹی فصل

## انسانی تصرفات میں ذوق وادب

یہ فصل مندرجہ ذیل موضوعات پر مشتمل ہے:

**پہلی بحث:** اسلام میں ذوق وادب:

اس کے نکات:

۱- اسلامی اخلاق میں ذوق وادب۔

۲- اخلاقِ نبوی ﷺ میں ذوق وادب۔

**دوسری بحث:** انسانی تصرفات میں ذوق وادب:

اس کے نکات:

۱- اپنے عمل کو دوسروں کی نظر سے دیکھیں!

۲- کھانے کے لیے بیٹھنے میں غلطیاں۔

۳- بیت الخلا کے استعمال میں غلطیاں۔

۴- عام غلطیاں۔

۵- خاتمہ۔

# پہلی بحث

## اسلام میں ذوق وادب

### ١- اسلامی اخلاق میں ذوق وادب :

اسلام سراسر ”اعلیٰ ادب وذوق“ کا نام ہے، ہم پر اللہ تعالی کے اس ”دین“ کے نزول کے احسان سے قبل انسان کی اس ادب عالی اور ذوق رفیع تک رسائی نہ تھی؛ بلکہ اس کا علم بھی اس کو نہ تھا۔ اور اللہ تعالی کی تعلیم وتربیت اور تزکیے کے بغیر انسان کو اس کا علم ہو بھی نہیں سکتا تھا، اسلام کی سبھی تعلیمات واحکام میں اس کا یہ امتیاز نمایاں ہے۔

اس کا تصور آپ ان احکام میں کر سکتے ہیں جو اسلام نے لوگوں کے ساتھ معاملات اور حقوق کے بارے میں دیے ہیں، مثلاً :

- سلام کو عام کرنا۔
- محسن کا شکر گزار ہونا۔
- صداقت۔
- امانت داری۔
- اچھی بات کہنا۔
- ظاہری ومعنوی طہارت ونظافت۔
- بُرائی اور پاکیزہ اخلاق کی مخالف چیزوں سے اجتناب۔
- مختلف صورتوں میں کار خیر اور حسنِ سلوک کی دعوت۔
- قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی اور صلہ رحمی۔
- اللہ تعالی کے لیے مسلمان بھائی سے ملنا جلنا۔

- اجازت لینے کا حق۔ فرمان باری ہے ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَدۡخُلُواْ بُيُوتًا غَيۡرَ بُيُوتِكُمۡ حَتَّىٰ تَسۡتَأۡنِسُواْ وَتُسَلِّمُواْ عَلَىٰٓ أَهۡلِهَاۚ ذَٰلِكُمۡ خَيۡرٞ لَّكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُونَ (۲۷) فَإِن لَّمۡ تَجِدُواْ فِيهَآ أَحَدٗا فَلَا تَدۡخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤۡذَنَ لَكُمۡۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ٱرۡجِعُواْ فَٱرۡجِعُواْۖ هُوَ أَزۡكَىٰ لَكُمۡۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ عَلِيمٞ (۲۸)﴾(۱۵۴):

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں رہنے والوں کو سلام نہ کر لو، یہی تمھارے لیے سراسر بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اگر وہاں تمھیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر (بھی) اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ جاؤ، یہی بات تمھارے لیے پاکیزہ ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالی خوب جانتا ہے"۔

- مختلف مقامات اور حالات میں صبر۔
- کرم وسخاوت۔
- حلم وبردباری۔
- اخوت کا احساس اور اس کے مختلف حقوق کی ادائیگی۔
- عدل وانصاف۔
- غور وفکر اور احتیاط سے کام لینا۔
- ان کے علاوہ اور دوسری اسلامی تعلیمات اور احکام ہیں جن پر عمل پیرا ہونے والا ناکام نہیں ہو سکتا۔

## ۲- اخلاقِ نبوی ﷺ میں ذوق وادب :

رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی بلند ذوق اور اعلیٰ ادب سے عبارت تھی، اس کا جیتا جاگتا ثبوت اللہ تعالی کی کتاب قرآن کریم، حدیث نبوی اور سیرتِ نبوی ہیں۔ اللہ تعالی نے خود آپ ﷺ کے بارے میں گواہی دی ہے : ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٖ﴾(۱۵۵)- اور بلاشبہ آپ عظیم اخلاق کے حامل ہیں-

---

(۱۵۴) ۲۷-۲۸: النور: ۲۴.

(۱۵۵) ۴ : القلم : ۶۸.

نیز فرمایا: ﴿ فَبِمَا رَحۡمَةٖ مِّنَ ٱللَّهِ لِنتَ لَهُمۡۖ وَلَوۡ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ ٱلۡقَلۡبِ لَٱنفَضُّواْ مِنۡ حَوۡلِكَۖ فَٱعۡفُ عَنۡهُمۡ وَٱسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِي ٱلۡأَمۡرِۖ فَإِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَكَّلۡ عَلَى ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُتَوَكِّلِينَ ﴾(۱۵۶):

”اللہ تعالی کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ ان سے درگذر کریں اور ان کے لیے استغفار کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں، پھر جب آپ کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ تعالی پر بھروسا کریں، بیشک اللہ تعالی توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے“۔

عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا کہ کیا توریت میں آپ ﷺ کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا بیشک! آپ کی بعض صفاتِ قرآنی تورات میں بھی ہیں ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ شَٰهِدٗا وَمُبَشِّرٗا وَنَذِيرٗا ﴾(۱۵۷):

”اے نبی! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے“۔

نیز آپ کو ان امّیوں کے لیے پناہ گاہ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام ”متوکل“ رکھا ہے۔ نہ آپ سخت مزاج ہیں، نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں گھومنے پھرنے والے۔ یہ ”رسول“ بُرائی کو بُرائی سے ختم نہیں کرتے، بلکہ معاف اور درگذر کر دیتے ہیں۔ اللہ ان کی روح قبض نہ کرے گا یہاں تک کہ ان کے ذریعے اس کجرو ملت کو سیدھا کر دے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لیں اور اس کلمے کے ذریعے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے“(۱۵۸)۔

فرمان باری تعالی ہے: ﴿ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُولٞ مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ عَزِيزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيصٌ عَلَيۡكُم بِٱلۡمُؤۡمِنِينَ رَءُوفٞ رَّحِيمٞ ﴾(۱۵۹):

---

(۱۵۶) ۱۵۹ : آل عمران : ۳۔

(۱۵۷) ۴۵ : الاحزاب : ۳۳۔

(۱۵۸) بخاری شریف، کتاب البیوع، حدیث نمبر : ۲۱۲۵۔

(۱۵۹) ۱۲۸ : التوبہ : ۹۔

”تمھارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تم میں سے ہیں جن کو تمھاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمھاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، مومنوں پر بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں“۔

فرمانِ نبوی ہے: «إِنِّي لَأَقُومُ إِلَى الصَّلاةِ، وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ؛ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلاتِي؛ كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ» (۱۶۰):

”میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ ہوتا ہے، پھر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو نماز مختصر کر دیتا ہوں؛ کہ مجھے یہ بات ناگوار ہوتی ہے کہ اس کی ماں کو پریشانی میں ڈالوں“۔

فرمانِ نبوی ہے: «لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي؛ أَوْ عَلَى النَّاسِ؛ لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلاةٍ» (۱۶۱): ”اگر مجھے اپنی امت یا لوگوں کے لیے دشواری کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا“۔

فرمان نبوی ہے: «أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ! فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ؛ فَلْيُخَفِّفْ؛ فَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ، وَالضَّعِيفَ، وَذَا الْحَاجَةِ» (۱۶۲): ”لوگو! تم بدکانے والے ہو؟ جو شخص نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے؛ اس لیے کہ مقتدیوں میں بیمار، کمزور اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں“۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: «خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي: أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتَهُ؟ وَلا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ: لِمَ تَرَكْتَهُ؟ وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَلا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ، وَلا حَرِيرًا، وَلا شَيْئًا، كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَلا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ، وَلا عِطْرًا، كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ

---

(۱۶۰) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۷۰۷، كتاب الأذان، باب الإيجاز فى الصلاة وإكمالها، بروایت ابو قتادہ ؓ، اور ۷۰۹، ۷۱۰، اور مسلم شریف، كتاب الصلاة، حدیث نمبر: ۱۹۲(۴۷۰) بروایت انس ؓ۔

(۱۶۱) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۸۸۷، كتاب الجمعة، و ۷۲۴۰ كتاب التمني، اور مسلم شریف، حدیث نمبر: ۴۲(۲۵۲) بروایت ابو ہریرہ ؓ۔

(۱۶۲) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۹۰، كتاب العلم، باب الغضب فى الموعظة والتعليم...، اور مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۸۲(۴۶۶) بروایت ابو مسعود الانصاری ؓ۔

رَسُولِ اللهِ ﷺ!» (١٦٣)!!

”میں نے دس سال تک نبیٔ پاک ﷺ کی خدمت کی ہے، لیکن آپ نے مجھے کبھی ”اُف“ تک نہ کہا اور نہ کسی کام کے لیے جسے میں نے کیا یوں کہا کہ: کیوں کیا؟ اور نہ کسی کام کے لیے جسے نہیں کیا یہ کہا کہ: کیوں نہیں کیا؟ رسول اللہ ﷺ کا اخلاق لوگوں میں سب سے اچھا تھا۔ میں نے کبھی اون اور ریشم اور کوئی ایسی چیز نہیں چھوئی جو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ ملائم ہو۔ نہ میں نے کبھی کوئی مشک یا کوئی دوسرا عطر سونگھا جو رسول اللہ ﷺ کے پسینے سے زیادہ خوشبو دار ہو“۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے: «مَا مَسِسْتُ حَرِيرًا، وَلا دِيبَاجًا، أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ النَّبِيِّ ﷺ، وَلا شَمَمْتُ رِيحًا قَطُّ، أَوْ عَرْفًا قَطُّ، أَطْيَبَ مِنْ رِيحِ، أَوْ عَرْفِ النَّبِيِّ ﷺ!» (١٦٤)!!

”میں نے ایسی کوئی ریشم اور دیباج نہیں چھوا جو نبیٔ پاک ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ ملائم ہو اور نہ میں نے کبھی کوئی ایسی خوشبو سونگھی جو نبیٔ پاک ﷺ کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہو“۔

بطور مثال آپ ﷺ کی زندگی کے مندرجہ ذیل پہلوؤں میں ذوق و ادب کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

- آپ ﷺ کی نرم مزاجی، تواضع، لوگوں کے ساتھ بے تکلفی، ملاطفت اور مزاح۔
- آپ ﷺ کی صداقت، آپ ﷺ کی عفت، آپ ﷺ کی شرم و حیا۔
- صحابۂ کرام کے ساتھ آپ ﷺ کا رائے مشورہ کرنا۔
- ہر ایک کو سلام کرنا، چھوٹا ہو یا بڑا، پہچان کا ہو یا اجنبی۔
- کسی کے احسان پر شکریہ ادا کرنا، احسان نہ بھولنا اور اس کی پاسداری کرنا۔
- حسن کلام، حسن فعل، نرم برتاؤ، بلند آواز میں گفتگو۔
- آپ ﷺ کی نظافت و طہارت اور خوشبو۔
- ہر ناقص اخلاق اور خلافِ عدل و مروت امور (جن سے بعض اوقات سربلندی کے خواہاں لوگ بچ نہیں پاتے) سے دوری اور بُرے اخلاق سے اجتناب۔

---

(١٦٣) ترمذی شریف، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في خُلُقِ النبي ﷺ حدیث نمبر: ٢٠١٥، اور فرمایا: حدیث حسن صحیح ہے۔

(١٦٤) بخاری شریف، حدیث نمبر: ٣٥٦١، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، بروایت انس رضی اللہ عنہ.

- آپ ﷺ ہر حال میں اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے، خوشی کی حالت ہو یا ناراضگی کی، سرور ہو یا غم، فراخی ہو یا شدت، چھوٹے کے ساتھ ہو یا بڑے کے ساتھ، اپنا ہو یا پرایا، دوست ہو یا دشمن۔
- آپ ﷺ میں وہ تمام فضائل یکجا موجود تھے جو لوگوں میں انفرادی طور پر پائے جاتے ہیں۔
- آپ ﷺ کے اخلاق قرآنی تعلیمات کا نمونہ تھے، اس کی پسندیدہ چیزوں کو پسند فرماتے اور اس میں مذکور قابل غضب چیزوں پر غصہ فرماتے۔
- آپ ﷺ اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے، اللہ تعالی نے آپ ﷺ کا یہی وصف بیان فرمایا ہے۔
- آپ ﷺ اپنے اقوال، افعال اور تمام حالات میں اس شخص کے لیے نمونہ تھے جو اعلیٰ اخلاق حاصل کرنا چاہتا ہو اور جو دنیا و آخرت میں راہِ مستقیم پر رہنا چاہتا ہو۔

* * *

# دوسری بحث

## انسانی تصرفات میں ذوق وادب

### ۱- اپنے طرزِ عمل کو دوسروں کی نظر سے دیکھیں:

انسان کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ وہ یہ جانے کہ دوسروں کی نظر میں اس کی کیا تصویر ہے؟ تاکہ دوسروں کے ساتھ اپنی روش میں کیا صحیح اور کیا غلط ہے، اس کو معلوم ہو سکے اور اس سلسلے میں وہ ذوق وادب کی حدود کی پاسداری بھی کر سکے۔

جس شخص کو اس سے سروکار نہیں، وہ بے شعور انسان ہے، اجمال و تفصیل ہر لحاظ سے اس کا ذوق ختم ہو گیا ہے۔ جو کام وہ کرتا ہے، اور جس کام سے وہ بچتا ہے، اس میں کیا مناسب ہے، کیا غیر مناسب؟ اس کی اسے کوئی تمیز و پہچان نہیں ہوتی۔ البتہ جو شخص لوگوں کی نگاہ میں اپنی تصویر کی اہمیت کو سمجھتا ہو، اس کے لیے اس مقصد کی تحصیل کے تین طریقے ہیں:

پہلے یہ جاننا چاہیے کہ لوگوں کے ساتھ اس کی روش اور معاملات کے بارے میں ان لوگوں کا کیا احساس ہے؛ کیونکہ اس طرح اس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس کی کیا چیز لوگوں کو اچھی لگتی ہے اور کیا بُری لگتی ہے۔ پھر وہ اسلام کی بتائی ہوئی ہدایات واحکام کی حدود میں رہتے ہوئے اس کی رعایت رکھے۔

دوسرے اس بات کا اندازہ لگائے کہ وہ اپنے تئیں لوگوں کی روش کے جو آثار خود دیکھ رہا ہے، اس کو اپنے دل میں کیسا محسوس کر رہا ہے، پھر اس کے نتیجے میں اس کے دل میں خوشی پیدا ہوتی ہے یا ناراضگی؟

تیسرے اگر کوئی ایسا خیر خواہ دوست مل جائے جو اس کے عیوب اور غلطیوں سے اس کو مطلع کرتا رہے تو یہ اس کے لیے اس کی زندگی کا بسا غنیمت سرمایہ ہو گا، اسی کے ساتھ باتوفیق والدین کی خود پر کی گئی محنت و کاوش کو یاد کرے اور قدر کی نگاہ سے دیکھے۔

ایک عقل مند کو چاہیے کہ وہ ان تینوں طریقوں کو حرز جان بنائے۔

اگر آپ کبھی ٹیلی ویژن کیمرے کے سامنے بیٹھے ہوں، پھر آپ اس کے لیے گئے مناظر کو مبصّرانہ وناقدانہ نظر سے دیکھیں تو بلا شبہ آپ کو بہت سے ایسے مناظر دیکھنے کو ملیں گے جن کے بارے میں آپ معذرت پیش کرنا چاہیں گے یا ان سے دور رہنا چاہیں گے خواہ وہ کتنے ہی معمولی ہوں۔

اگر آپ کی زندگی کی تاریخ میں کیمرہ نادر یا مفقود ہے تو آپ ہمیشہ یہ یاد رکھیں کہ آپ کے تمام اعمال وتصرفات دائمی ریکارڈنگ کی حالت میں ہیں، خفیہ یا ظاہری کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی۔ آپ لوگوں کے سامنے ہیں، اللہ تعالی کے فرشتوں کے سامنے ہیں اور سننے والے اور دیکھنے والے اللہ تعالی کے سامنے ہیں۔ تو کیا اِس صورت میں آپ کا وہی لطیف شعور اور حساسیت باقی رہے گی یا آپ اس سے روگردانی کر کے بھولتے جائیں گے ؟

ذیل میں بعض وہ غلطیاں ذکر کی جا رہی ہیں جو شعوری یا غیر شعوری طور پر لوگوں سے صادر ہوتی ہیں جن سے وہ خود اپنے اور دوسروں کے ساتھ بُرا کرتے ہیں۔ اس کا مقصد اس طرح کی پھیلی ہوئی خلافِ ادب اور خلافِ وذوق غلطیاں جاننے کی خواہش رکھنے والے کا تعاون کرنا ہے، تاکہ جس کا جی چاہے ان سے بچے اور اس کے بارے میں اپنا محاسبہ کر لے۔ ہم نے ان کو حسب ذیل ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے :

- کھانے کے لیے بیٹھنے میں غلطیاں۔
- بیت الخلا کے استعمال میں غلطیاں۔
- عام غلطیاں۔
- خاتمہ۔

## ۲- کھانے کے لیے بیٹھنے میں غلطیاں :

اگر مجھے خیر خواہی، حقِ اخوت کی مخلصانہ ادائیگی کا جذبہ اور ان اچھے لوگوں کی خواہش کی قدر نہ ہوتی جو غلطیوں سے بچنا چاہتے ہیں پھر بھی ان سے غیر شعوری طور پر غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں تو میں ان غلطیوں کو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کا ہرگز ارادہ نہ کرتا۔ اس موضوع کو چھیڑنے کا محرک

یہی ہے (عمل کا مدار نیت پر ہوتا ہے) یہ غلطیاں حسب ذیل ہیں:

۱- کھانے سے پہلے اور بعد میں اچھی طرح ہاتھ نہ دھونا۔

۲- پورا کھانا یا کچھ منہ میں رہتے ہوئے بات چیت کرنا جس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ آدمی لقمے اور گفتگو کے درمیان مناسب ترتیب قائم نہیں رکھ پاتا جس کی وجہ سے دائرۂ ادب وذوق سے نکل جاتا ہے۔

۳- اس طرح ڈکارنا کہ دوسروں کو اذیت ہو، یعنی ڈکار کی آواز کے ساتھ بو ہو، خواہ کھانے کے دوران یا کھانے کے بعد کہیں اور۔

۴- دستر خوان پر ہاتھ جھاڑنا خواہ برتن میں ہو یا باہر۔

۵- ہر لقمے کے بعد ہاتھ یا انگلیاں چاٹنا، یا کھانے کے دوران اور اس سے فراغت سے پہلے رک رک کر چاٹنا۔

۶- چاٹے ہوئے یا کھانا لگے ہوئے ہاتھ سے دوسروں کو کھانا وغیرہ دینا، اسی طرح جھوٹے چمچے یا اسے منہ سے نکال کر کسی کو کھانا وغیرہ دینے کی حرکت کرنا۔

۷- کھانے والے کا ایسا انداز اختیار کرنا کہ کھانے کی مختلف انواع ایک دوسرے میں مل جائیں اور اس گھٹیا طریقے سے کھانا کہ جس سے دوسرے کو گھن آئے۔

۸- کھانا چبانے میں بد ذوقی بسا اوقات دوسروں کے لیے باعث اذیت ہوتی ہے۔ کچھ لوگ اس طرح کھانا چباتے ہیں جیسے جانور جگالی کر رہا ہو، کچھ لوگ کھانے کے دوران اپنا منہ اس طرح کھلا رکھتے ہیں کہ منہ کے اندر کی چیز دکھائی دیتی ہے اور منہ سے پریشان کن آواز نکلتی ہے۔

۹- اس طور پر دانتوں میں خلال کرنا کہ دوسروں کو بُرا لگے خواہ کھانے کے دوران ہو یا بعد میں۔

۱۰- کھاتے وقت کثرت سے کھانا گرانا۔

۱۱- ساتھ کھانے والے کی حق تلفی اور اس کا خیال نہ کرتے ہوئے صرف خود کھانے کی حرص؛ کیونکہ کبھی کبھی کھانا کم ہوتا ہے اور ساتھ والا بھوکا یا زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے۔

۱۲- شرعی حد سے تجاوز کرکے بہت زیادہ کھانا؛ کیونکہ یہ صحت کے لیے بھی مضر ہے اور ذوق

وادب کے خلاف بھی ہے۔

۱۳- کھانے کے آغاز میں بسم اللہ نہ پڑھنا اور کھانے سے فراغت پر اللہ کی تعریف اور شکر ادا نہ کرنا۔

۱۴- بیٹھنے کا ایسا انداز اختیار کرنا جس میں دوسروں کی رعایت نہ ہو؛ کبھی آدمی خود چہار زانو (چوکڑی مار کر) بیٹھ جاتا ہے اور دوسرے کو بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی۔

۱۵- کھانا کھاتے وقت گفتگو کے دوران ذوق کی رعایت نہ کرنا: کھانا کھاتے وقت بعض ایسی چیزوں کا ذکر چھیڑ دینا کہ اس کی وجہ سے بعض لوگ کھانا چھوڑ کر اٹھ جائیں۔

۱۶- اپنے سامنے کے بجائے دوسرے کے سامنے سے کھانا کھانا، قریب کا کھانا چھوڑ کر دوسرے کے پاس کا کھانا لینا، البتہ جہاں اس کی گنجائش ہو تو الگ بات ہے۔

## ۳- بیت الخلا کے استعمال میں غلطیاں :

بیت الخلا کے استعمال میں بھی بہت سے لوگ غلطیاں کرتے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں :

- بیت الخلا کی صفائی کے لیے سیفون (فَلش) کا استعمال نہ کرنا اور یہ ذمے داری دوسروں پر چھوڑ دینا۔
- بیت الخلا سے فراغت کے بعد ہاتھوں کو اچھی طرح صابن سے نہ دھونا۔
- بیت الخلا سے نکلنے کے بعد یا بیت الخلا میں (استنجے میں استعمال کیے گئے) ہاتھ کو صابن سے دھونے سے قبل اسی ہاتھ سے پانی کی ٹونٹی یا صابن کو پکڑنا۔

اس صورت میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ بیت الخلا جانے کے بعد کسی کام کے لیے بایاں ہاتھ استعمال نہ کرے، تا آنکہ اس کو صابن سے دھولے یعنی اس طرح کہ :

۱- فَلش کو دائیں ہاتھ سے کھینچے۔

۲- بیت الخلا میں فراغت کے بعد پانی کی ٹونٹی دائیں ہاتھ سے بند کرے۔

۳- بیت الخلا کا دروازہ دائیں ہاتھ سے کھولے اور بند کرے۔

۴- پانی کی ٹونٹی دائیں ہاتھ سے کھولے۔

۵- صابن دائیں ہاتھ سے لے۔

۶- دائیں ہاتھ پر صابن بقدر ضرورت رگڑے۔

۷- پھر اس صابن سے بائیں ہاتھ کو دھوئے، لیکن اس سے پانی کی ٹونٹی یا ہاتھ دھونے کے ٹب کو نہ پکڑے۔

- ہاتھ دھونے یا بیت الخلا کے ٹب کو کسی طرح گندہ کرنا اور اس کو یوں ہی چھوڑ دینا، تاکہ بعد میں آنے والا صفائی کی مطلوبہ ذمے داری نبھائے؛ تو کسی کو بھی کسی دوسرے کو اس کام میں لگانے کا کیا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ کچھ لوگ گندگی پھیلائیں اور دوسرے اس کو صاف کریں؟ کیا یہ عقل، شریعت یا ذوق کے اعتبار سے صحیح ہے؟
- پانی کے استعمال میں فضول خرچی، خواہ دھونے کے لیے ہو یا بیت الخلا کے لیے یا وضو کے لیے۔
- استعمال کے بعد ٹیشو پیپر کو بیت الخلا میں جہاں تہاں پھینک دینا کہ لوگوں کو بُرا لگے یا کسی ایسی جگہ پھینک دینا کہ بیت الخلا بند ہو جائے۔
- یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ استعمال کی عام چیزوں کو استعمال کرنے کے بعد اسی حالت میں چھوڑیں جس حالت میں آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو ملے یا آپ کے بھائیوں کو ملے۔

## ۴- عام غلطیاں:

عام غلطیاں جن میں کثرت سے لوگ مبتلا ہیں، ان کو شمار کرنا دشوار ہے۔ مثلاً:

- ناک میں انگلی ڈالنا اور گھمانا۔
- استعمال کے فوراً بعد مسواک کو ہاتھ سے صاف کرنا۔
- جس ہاتھ سے دانت کرید ا ہو، یا ناک میں انگلی ڈالی ہو یا اسی ہاتھ سے مسواک کو صاف کیا ہو یا اس ہاتھ سے جس میں لعاب دہن لگا ہو یا صاف نہ ہو، اسی ہاتھ سے لوگوں سے مصافحہ کرنا۔
- ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں بات کرنا۔
- تیز آواز میں ہنسنا اور قہقہے لگانا۔

- بے موقع اور بلا سخت ضرورت گاڑی کا ہارن بجا کر یا اس کی آواز بلند کر کے یا کچھ دیر تک بجتا چھوڑ کر دوسروں کو پریشان کرنا۔
- اپنی گاڑی کو بے ڈھنگے طریقے پر دوسروں سے آگے بڑھا کر اذیت دینا۔
- اپنے جسم کی عمومی صفائی ستھرائی کا خیال نہ کر کے خود کو اور دوسروں کو تکلیف دینا۔
- غیر ضروری یا بے موقع، گاڑی کی لائٹ آن کر کے دوسروں کو اذیت دینا۔
- راستے اور غیر مناسب جگہوں پر تھوک کر لوگوں کو اذیت دینا۔
- نامناسب جگہ پر گاڑی پارک (کھڑی) کر کے دوسروں کو تکلیف پہنچانا۔
- دوسروں کا خیال نہ رکھنا اور ان پر بالکل رحم نہ کرنا۔
- عوامی جگہوں پر سگریٹ نوشی کر کے لوگوں کو اذیت دینا۔
- دوسروں کے حقوق (خواہ مالی ہوں یا غیر مالی) کی پروانہ کرنا۔
- ناک کی ریزش نکالنا اور ہاتھ سے صاف کرنا۔

ان کے علاوہ اور بہت سی خلافِ شرع وادب غلطیاں ہیں جن کو شمار کرنا مشکل ہے۔ البتہ ایک عام ضابطہ یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ ہر ایسا عمل جس کا شریعت نے حکم نہیں دیا اور اپنے دل میں اس سے نفرت محسوس کرے یا دوسروں کو اس سے نفرت محسوس ہو وہ عمل خلاف ذوق وادب ہے۔

## ۵-خاتمہ:

نظافت سے متعلق ہماری اس فکر مندی اور ہدایات کے مطالعے کے بعد شاید کوئی شخص جسے نظافت اور ذوق کی نہ کوئی فکر ہو اور نہ اس بارے میں اس کی کوئی رائے ہو، کہہ سکتا ہے کہ یہ تو شدت پسندی ہے، یا وسوسہ ہے۔ یا یہ کہ اللہ تعالی کی طرف سے اس کی کوئی دلیل اور مطالبہ نازل نہیں ہوا یا اس طرح کی کوئی اور نامناسب بات کہے جس کا شریعت، عقل اور ذوق میں کوئی اعتبار نہیں۔

جس کو نظافت وذوق کا زیادہ اہتمام نہیں یا سرے سے اہتمام ہی نہیں، اس باب میں اسلامی تعلیمات کے بیان کرنے سے، چونکہ اس کے عیوب کا پول کھلتا ہے، بنابریں ان ہدایات پر وہ اعتراض کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حیرت واستعجاب تو اس بات پر ہے کہ ایسا شخص اسلام کے نام سے نظافت اور ذوق وادب پر حملہ اور اعتراض کرتا ہے وہ یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ اسلام اور وحی الٰہی کی تعلیمات سے آراستہ ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ اس ناکام جنگ میں اسلام اس کی مدد کرے۔ اس کے لیے بہتر تھا کہ وہ خود سے شرماتا، اپنے عیوب کی پردہ پوشی کرتا اور ناصح کا شکر گزار ہوتا۔ دین اور دین کی ان باتوں کی طرف لوٹ آتا جس میں اس کے لیے دنیا وآخرت کی سعادت وکامرانی ہے۔ لیکن اللہ تعالی کی مخلوق میں عجیب عجیب لوگ ہیں، لوگوں کی اصل، عقلیں اور اخلاق مختلف اور متفاوت ہیں۔ اگر اللہ تعالی آپ کو اس قسم کی آفت سے بچالیں تو ان کے ثناخواں وشکر گزار بنیں۔

عقل مند نصیحت قبول کرتا ہے، خواہ کہیں سے ملے اور رہنمائی قبول کرتا ہے خواہ کوئی بھی رہنمائی کرے اور کسی بھی موضوع یا کسی بھی انداز پر ہو؛ بلکہ بُری باتوں پر چشم پوشی اختیار کرنے اور نرمی برتنے کی بہ نسبت نصیحت میں سختی سے پیش آنا اس کو کرنا زیادہ پسند ہوتا ہے(۱۶۵)۔

"ناصح کی مار (اور سختی) دشمن کے سلام (اور نرمی) سے بہتر ہے" (۱۶۶)۔

"کھلا عتاب اور ناراضگی چھپے ہوئے کینے سے افضل ہے اور بسا اوقات عتاب کا فائدہ عفو ودرگذر سے زیادہ ہوتا ہے" (۱۶۷)۔

میں نے ان صفحات میں اپنی تحریر کے مقصد سے تجاوز نہیں کیا، یعنی اخلاق کے باب میں حق وباطل اور صحیح وغلط کیا ہے اسی کو بیان کیا ہے۔ کسی کو بُرا بھلا نہیں کہا، کسی کو گالی نہیں دی؛ اس لیے کہ یہ کسی بھی طرح اچھا اخلاق نہیں۔ اچھے اخلاق کی دعوت اچھے اخلاق کے بغیر درست نہیں۔ بعض غلطیوں کا سننا بھی کانوں کے لیے ناگوار ہوتا ہے۔ عربی کی کہاوت ہے: "بُرائی کا سن لینا ہی کافی ہے" تاہم کچھ چیزیں نصیحت اور وضاحت کی غرض سے ذکر کرنی پڑتی ہیں۔ واللہ المستعان۔

* * *

---

(۱۶۵) ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم الوزیر۔ الروض الباسم في الذب عن سنة أبي القاسم ﷺ: ص ۱۱۔

(۱۶۶) یہ محدث ابن حبان کا مقولہ ہے، دیکھیے: روضۃ العقلاء: ص ۱۹۵۔

(۱۶۷) یہ بھی ابن حبان کا مقولہ ہے، دیکھیے: روضۃ العقلاء: ص ۱۸۱۔

# ساتویں فصل

## مخالف کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق

**موضوعات:**

تمہید۔

**پہلی بحث:** مسلمان مخالف کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق۔

مشتملات:

**اول:** برتاؤ کے ضروری شرعی اصول۔

**دوم:** غلط تصورات کی کچھ شکلیں۔

**دوسری بحث:** غیر مسلم مخالف کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق۔

مشتملات:

- تمہید۔
- غیر مسلم غیر حربی کے ساتھ مسلمان کے تعلقات کے شرعی اصول۔
- غیر مسلم حربی کے ساتھ مسلمان کے تعلقات کی شکلیں۔
- بعض غلط تصورات کی شکلیں۔

# تمہید

"انسان کے اخلاق" کے تحت اس کی سرگرمیاں، اس کے تعلقات اور رجحانات سبھی آتے ہیں؛ اس لیے یقینی طور پر اور وسیع معنی میں مخالف کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق و طریقہ بھی اس میں داخل ہے۔

مخالف مختلف طرح کے ہوتے ہیں، تاہم مذہبی لحاظ سے ان کی دو قسمیں ہیں:

- مسلمان مخالف۔
- غیر مسلم مخالف۔

اعلیٰ اخلاق کی پابندی کا اصول ہر طرح کے مخالف کے ساتھ اس کی پابندی کا متقاضی ہے۔ لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ مخالف کے ساتھ برتاؤ میں صحیح کیا ہے اور اعلیٰ اخلاق کیا ہیں؟

مخالف کے ساتھ برتاؤ میں اچھے اخلاق کا علم و عمل دو چیزوں پر موقوف ہے:

۱- شرعی علم اور اس موضوع سے متعلق شرعی احکام کی صحیح معرفت پر۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی مخالف کے ساتھ غلطی اور نادانی میں غلط برتاؤ کرتا ہے، یہ سوچ کر کہ یہی شرعی حکم ہے۔ جبکہ شرعی نصوص کو جاننے کے بعد بھی بعض ایسے ہوتے ہیں جو نص میں بیان کردہ شرعی حکم کو سمجھتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھتے۔

۲- ان ذاتی نفسیاتی اخلاق پر جو دل میں راسخ اور انسانی تصرفات اور برتاؤ کے محرک ہوتے ہیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے برتاؤ کے شرعی حکم کو جانتا ہے، لیکن اس کو نظر انداز کر کے اپنی طبیعت، مزاج اور خواہش کے تقاضے کو پورا کرتا ہے۔

لہذا یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس موضوع سے متعلق تصورات اور اخلاق و آداب کی تعیین میں یہ شرط ہے کہ اس سلسلے میں انسان

کتاب وسنت کو بنیاد بنا کر چلے، شرعی نصوص کی صحیح سمجھ اور اخلاص کا طالب ہو۔ کاتب سطور نے اپنے لیے حسب استطاعت یہی شرط رکھی ہے۔

اس موضوع سے متعلق بعض اخلاق (جو کاتب سطور کی نظر میں اہم ہیں) کی طرف آئندہ سطروں میں اشارہ کیا جائے گا (۱۶۸)۔

---

(۱۶۸) دیکھیے: فصل چہارم، بحث دوم "لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں اخلاق"۔

# پہلی بحث

## مخالف مسلمان کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق

### اول: برتاؤ کے ضروری شرعی اصول:

اللہ تعالی نے لوگوں کے آپسی برتاؤ اور ایک دوسرے کے تئیں اخلاق و کردار کی ضروری (واجب العمل) صورتوں کو طے فرما دیا ہے جیسا کہ خالق سبحانہ کے تئیں مخلوق کی لیے واجبی اخلاق و کردار کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی نے یہ بھی بیان فرمایا کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرے، خواہ اس کا مخالف ہو یا موافق۔

سوال یہ ہے کہ مخالف مسلمان بھائی کے ساتھ برتاؤ میں ایک مسلمان کے ذمے عمومی طور پر کیا ضروری ہے؟

عمومی و قابلِ اتباع اور لائقِ عمل ضابطہ یہ ہے کہ اخوت دینی کی رعایت کرے، اخوت کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھے، ہمیشہ اچھے اخلاق کی پابندی کرے، اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے، کہ اس کی اذیت رسانی حرام ہے۔ ایک مسلمان بھائی کی عزت و آبرو، خون اور مال حرام ہے۔ مسلمانوں کے باہمی حقوق و ذمے داریوں سے متعلق شرعی نصوص حسب ذیل ہیں:

### الف– اس موضوع سے متعلق آیات کریمہ:

ذیل میں بعض آیات کریمہ پیش ہیں، جو اس برتاؤ سے متعلق شرعی فریضے کو بتاتی ہیں، مثلاً فرمانِ باری ہے:

۱- تمام مسلمانوں کے درمیان باہمی ایمانی اخوت کے اصول کے بارے میں فرمایا:

﴿إِنَّمَا ٱلۡمُؤۡمِنُونَ إِخۡوَةٞ فَأَصۡلِحُواْ بَيۡنَ أَخَوَيۡكُمۡۚ﴾(۱۶۹)۔

-اہل ایمان بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کراؤ۔

۲- نبی پاک ﷺ اور مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مُّحَمَّدٞ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ﴾(۱۷۰)۔

-محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لیے سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔

۳- مہاجرین کے تذکرے کے بعد انصار صحابہ اور بعد کے مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا(۱۷۱):

﴿وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلۡإِيمَٰنَ مِن قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّونَ مَنۡ هَاجَرَ إِلَيۡهِمۡ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمۡ حَاجَةٗ مِّمَّآ أُوتُواْ وَيُؤۡثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٞۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفۡسِهِۦ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ۝٩ وَٱلَّذِينَ جَآءُو مِنۢ بَعۡدِهِمۡ يَقُولُونَ رَبَّنَا ٱغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَٰنِنَا ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِي قُلُوبِنَا غِلّٗا لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٞ رَّحِيمٌ ۝١٠﴾(۱۷۲)۔

-اور (ان کے لیے) جو مہاجرین سے پہلے اس گھر (یعنی مدینے) میں اور ایمان میں جگہ بنائے ہوئے ہیں اور اپنی طرف ہجرت کرکے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی خلش نہیں پاتے؛ بلکہ (ان کو) خود اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ

---

(۱۶۹) ۱۰: الحجرات: ۴۹۔

(۱۷۰) ۲۹: الفتح: ۴۸۔

(۱۷۱) اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعد کے مسلمانوں کی بھی یہی شان ہونی چاہیے، ان کے اندر یہی اوصاف ہونے چاہییں، اب آدمی خود وقت نکل جانے سے پہلے اپنا محاسبہ کرلے تاکہ صرف اللہ تعالیٰ کا حساب لینا رہ جائے، جس کے لیے ظاہر و باطن دونوں برابر ہیں!۔

(۱۷۲) ۹-۱۰: الحشر: ۵۹۔

ان پر فاقہ و تنگی ہو، (بات یہ ہے) کہ جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچایا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔ اور (ان کے لیے) جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفقت و مہربانی کرنے والا ہے۔

یاد رہے کہ (الَّذِيْنَ آمَنُوْا) میں عموم اور (غِلًّا) میں نکرہ کا مصداق ہر طرح کا "غل" ہے، خواہ کتنا ہی معمولی ہو۔

۴۔ مسلمانوں کے بجائے کافروں سے دوستی کی حرمت کے بیان میں فرمایا:

﴿لَّا يَتَّخِذِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْكَـٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ ٱللَّهِ فِى شَىْءٍ إِلَّآ أَن تَتَّقُوا۟ مِنْهُمْ تُقَىٰةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ ٱللَّهُ نَفْسَهُۥ ۗ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ﴾(۱۷۳):

"مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالی کی کسی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح کا بچاؤ مقصود ہو اور اللہ تعالی خود تمھیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ تعالی ہی کی طرف لوٹ جانا ہے"۔

نیز فرمایا: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْكَـٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا۟ لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَـٰنًا مُّبِينًا﴾(۱۷۴):

"اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صاف حجت قائم کر لو"۔

نیز فرمایا: ﴿وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾(۱۷۵):

"مومن مرد اور مومن خواتین ایک دوسرے کے جگری دوست ہیں"۔

---

(۱۷۳) ۲۸ : آل عمران : ۳.

(۱۷۴) ۱۴۴ : النساء : ۴.

(۱۷۵) ۷۱ : التوبۃ : ۹.

۵- مسلمان بھائی کے قتل کی حرمت کے بیان میں فرمایا :

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـَٔاۚ﴾ الآیۃ(۱۷۶) :

"اور کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کرے، مگر یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے"۔

نیز فرمایا :

﴿وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ جَهَنَّمُ خَٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا عَظِيمًا﴾(۱۷۷) :

"اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اسے اللہ مردود کر دے گا اور اللہ نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

بلکہ اللہ تعالی نے بعض مواقع پر اپنے مومن بندوں پر کافروں کے بھی حقوق بیان کیے ہیں، چہ جائے کہ مسلمان بندوں کے لیے، تاکہ اسلام کی تبلیغ ہو، اللہ کی حجت قائم کی جاسکے اور انسانوں کو جہنم سے بچایا جاسکے۔

قرآن کریم کے اندر فرمان باری تعالی ہے :

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ٱسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَٰمَ ٱللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُۥۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ﴾(۱۷۸)!!

"اور اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے امان طلب کرے تو آپ اسے امان دے دیجیے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اسے اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دیجیے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ جانتے نہیں"۔

---

(۱۷۶) ۹۲ : النساء : ۴.

(۱۷۷) ۹۳ : النساء : ۴.

(۱۷۸) ۶ : التوبۃ : ۹.

۶- مسلمان بھائی کے عقیدہ ونیت پر الزام تراشی کے بارے میں فرمایا :

﴿وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَـٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا﴾(۱۷۹) :

”اور جو تمھیں سلام پیش کرے تو اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔ تم دنیاوی زندگی کا سامان چاہتے ہو“۔

۷- نوح علیہ السلام کی دعا نقل کرتے ہوئے فرمایا :

﴿رَّبِّ ٱغْفِرْ لِى وَلِوَٰلِدَىَّ وَلِمَن دَخَلَ بَيْتِىَ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتِ وَلَا تَزِدِ ٱلظَّـٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًۢا﴾(۱۸۰) :

”اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میرے ماں باپ اور جو بھی ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آئے اور تمام مومن مردوں اور تمام مومن عورتوں کو بخش دے اور کافروں کو سوائے بربادی کے اور کسی بات میں نہ بڑھا“۔

۸- آپس میں سلام کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے فرمایا :

﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا۟ بِأَحْسَنَ مِنْهَآ أَوْ رُدُّوهَآ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ حَسِيبًا﴾(۱۸۱) :

”اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے“۔

۹- بعض مسلمانوں کی طرف سے واقعۂ افک کی تائید پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا :

﴿لَّوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَـٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا۟ هَـٰذَآ إِفْكٌ مُّبِينٌ﴾(۱۸۲) :

---

(۱۷۹) ۹۴ : النساء : ۴.
(۱۸۰) ۲۸ : نوح : ۷۱.
(۱۸۱) ۸۶ : النساء : ۴.
(۱۸۲) ۱۲ : النور : ۲۴.

”اسے سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے لوگوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح بہتان ہے“۔

### ۱۰- دشمنانِ اسلام مشرکوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴾(۱۸۳):

”یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتے داری کا یا عہد کا مطلق لحاظ نہیں کرتے، یہ ہیں ہی حد سے گزرنے والے“۔

اس سلسلے کی آیات کا شمار کرنا مشکل ہے، کیونکہ یہ بہت کثرت سے ہیں اور ان کے دائرے بھی متعدد ہیں۔ کتاب اللہ میں ان کو معلوم کرنے کی صورتیں بھی متعدد بیان کی گئی ہیں، مثلاً بہت سی موضوعات و آیات ایسی ہیں جن میں (اخوت) یا (برتاؤ) کا لفظ مذکور نہیں، تاہم ان کا تعلق اسی اصل موضوع سے ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں نیکی، اچھائی، خیر، عدل و انصاف اور احسان کا حکم دینے کے بارے میں(۱۸۴)، اسی طرح ظلم، زیادتی اور اذیت سے ممانعت کے بارے میں عام طور پر بہت کچھ مذکور ہے۔

## ب- اس موضوع سے متعلق احادیث شریف:

ذیل میں بعض احادیث نبویہ لکھی جاتی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ ایک مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کے تئیں برتاؤ شرعاً کیسا ہونا ضروری ہے۔

### ۱- صاحب حق مسلمان کی تعیین:

فرمانِ نبوی ہے: «مَنْ صَلَّى صَلاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا؛ فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ، الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللهِ، وَذِمَّةُ رَسُولِهِ؛ فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِي ذِمَّتِهِ» (۱۸۵):

---

(۱۸۳) ۱۰ : التوبہ : ۹.

(۱۸۴) عدل و انصاف کے موضوع سے متعلق آیات کا تتبع کرنے سے اخلاق و برتاؤ کا انتہائی اعلی درجے کا پہلو میرے سامنے آیا جو اللہ تعالی کے نیک بندوں میں آپسی برتاؤ میں ہونا چاہیے اور یہ اتنا بلند اور عظیم ہے کہ اس کا تصور وہ شخص نہیں کر سکتا جو اس دین الٰہی اور عظیم انعام ربانی سے محروم ہو اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو اپنے دل اور نگاہ کی بصیرت اور بصارت کھو چکا ہو۔ اللہ تعالی نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ وہ حساب و جزا کے باب میں اپنے بندوں کے ساتھ یہی معاملہ فرمائے گا۔ اللہ کے بندے اللہ کے ”فضل اور عدل“ کی دونوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے باہر نہیں ہونگے۔

(۱۸۵) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۳۹۱، کتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة، بروایت انس رضی اللہ عنہ.

”جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے، ہمارے قبلے کا استقبال کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہے۔ لہٰذا تم اللہ کے عہد کو پامال مت کرو“۔

### ۲- مسلمان کی عزت، خون اور مال کی حرمت :

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : «كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ: دَمُهُ، وَمَالُهُ، وَعِرْضُهُ» (۱۸۶):

”ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے“۔

### ۳- عام مسلمان کے جنازے کے ساتھ جانے اور نماز جنازہ میں شامل ہونے کے بارے میں :

«مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ؛ إِيمَانًا، وَاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهُ حَتَّى يُصَلَّى عَلَيْهَا، وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ مِنَ الأَجْرِ بِقِيرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ. وَمَنْ صَلَّى عَلَيْهَا، ثُمَّ رَجَعَ، قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ، فَإِنَّهُ يَرْجِعُ بِقِيرَاطٍ» (۱۸۷) :

”جو شخص کسی مسلمان کے جنازے کے پیچھے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی امید میں چلے اور وہ اس کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھ لی جائے اور اس کے دفن سے فارغ ہو جائے تو وہ دو ”قیراط“ اجر و ثواب لے کر لوٹتا ہے، ہر قیراط ”احد“ پہاڑ کے برابر ہوگا اور جو شخص صرف اس کی نماز پڑھے، پھر تدفین سے پہلے پہلے واپس آجائے تو وہ ایک ”قیراط“ اجر کے ساتھ لوٹے گا“۔

میت کی کوئی تخصیص و تعیین نہیں فرمائی، بس یہ کہ مسلمان ہو، اس کی مخصوص صفات کا ذکر نہیں فرمایا، مسلمان ہونا کافی ہے۔ لوگوں کے بھیدوں کا ذمے دار (اور جاننے والا) تو صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

---

(۱۸۶) یہ الفاظ ابو داود کی روایت میں مستقل طور پر آئے ہیں: سنن ابی داود، كتاب الأدب، حدیث نمبر: ۴۸۸۲، طبع الدعاس، اور بحیثیت جزء حدیث: ”المسلم أخو المسلم“ مسلم شریف میں ہے، كتاب البر والصلة والآداب، حدیث نمبر: ۲۲(۲۵۶۴) آیا ہے۔ (شرح نووی ۱۶/ ۱۲۰-۱۲۱) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ.

(۱۸۷) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۴۷، كتاب الإيمان، باب اتباع الجنائز من الإيمان، و مسلم شریف، حدیث نمبر: ۵۲ (۹۴۵)، بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ.

### ۴- مسلمان سے دشمنی اور اس کو اذیت پہنچانے کی حرمت :

حدیث قدسی ہے : «إِنَّ اللهَ قَالَ : مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ...»(۱۸۸):

”اللہ تعالی نے فرمایا : جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کرے تو میرا اس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے“۔

نیز فرمایا : «مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لأَخِيهِ : مِنْ عِرْضِهِ، أَوْ شَيْءٍ؛ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ، قَبْلَ أَنْ لا يَكُونَ دِينَارٌ وَلا دِرْهَمٌ، إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ، وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ» (۱۸۹):

”جس کے ذمے اپنے بھائی کا اس کی عزت وآبرو کے بارے میں یا کسی اور چیز کے بارے میں کوئی حق ہو تو اس سے آج ہی پاک ہو جائے، اس روز سے پہلے جب نہ دینار ہوگا اور نہ درہم۔ اگر اس کے پاس کچھ نیک عمل ہوں گے تو اس سے لے کر صاحب حق کو اس کے حق کے بقدر دیدیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس صاحب حق کی بُرائیاں (گناہ) لے کر اس کے اوپر لاد دی جائیں گی۔

نیز آپ ﷺ نے فرمایا : «أَتَدْرُونَ مَا الْـمُفْلِسُ؟!»۔ قَالُوا : الْـمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ. فَقَالَ : «إِنَّ الْـمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا؛ فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ. فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ، قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ، أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ، فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ» (۱۹۰):

”تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ ؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ آدمی ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کوئی سامان، تو آپ ﷺ نے فرمایا : میری امت میں مفلس وہ آدمی ہے جو روزِ قیامت نماز، روزہ اور زکوۃ کے ساتھ آئے گا، لیکن اس حال میں کہ کسی کو گالی دے رکھی ہوگی، کسی پر بہتان لگا رکھا ہوگا،

---

(۱۸۸) بخاری شریف، حدیث نمبر : ٦٥٠٢، كتاب الرقاق، باب قول النبي ﷺ : «بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ»، بروایت ابوہریرہ ؓ۔

(۱۸۹) بخاری شریف، حدیث نمبر : ۲۴۴۹، كتاب المظالم، باب مَن كانت له مظْلَمَةٌ عند الرجل فحللها له ...، بروایت ابوہریرہ ؓ۔

(۱۹۰) مسلم شریف، كتاب البر والصلة والآداب، حدیث نمبر : ۵۹ (۲۵۸۱)، (شرح نووی: ۱۶/ ۱۳۵-۱۳۶) بروایت ابوہریرہ ؓ۔

کسی کا مال کھا رکھا ہو گا، کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کی پٹائی کی ہو گی تو اس کی نیکیوں میں سے ان (سب) کو دے دیا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیاں اس کے ذمے حساب بے باق ہونے سے پہلے ختم ہو گئیں تو ان کی غلطیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی، پھر اس کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا“۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: «إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْـمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ» (۱۹۱):

”بلا شبہ شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ جزیرۂ عرب میں مسلمان اس کی عبادت کریں گے، لیکن ان کے درمیان جھگڑے کراتا رہے گا“۔

## ۵- مسلمان کی ضرورت پوری کرنے کی فضیلت اور اس کی اذیت رسانی کی حرمت کے بارے میں:

آپ ﷺ نے فرمایا: «الْـمُسْلِمُ أَخُو الْـمُسْلِمِ؛ لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ. وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ؛ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً؛ فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا؛ سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (۱۹۲)!!

”ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو ظالموں کے سپرد کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے اللہ تعالی اس کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ جو کسی مسلمان کی کوئی مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی مصیبتوں میں سے ایک (بڑی) مصیبت دور کریں گے اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کریں گے“۔

یہ اللہ تعالی کا کتنا بڑا فضل و کرم ہے، لیکن ہم لوگ اتنی غفلت میں ہیں کہ اللہ کی پناہ! بعض لوگ ان اخلاق کے بالکل برعکس عمل کرتے ہیں، آپ ان کے بارے میں کیا کہیں گے؟ جیسا کہ آج بعض مسلمانوں میں ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حدیث میں مذکور (اچھے) اخلاق پر جو ثواب ہے اگر اس کے برعکس

---

(۱۹۱) مسلم شریف، صفات المنافقين وأحكامهم، حدیث نمبر: ۶۵(۲۸۱۲).

(۱۹۲) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۲۴۴۲، كتاب المظالم، اور مسلم شریف، كتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۵۸(۲۵۸۰) بروایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما.

(برے) اخلاق اختیار کریں گے تو کیا سزا نہیں ہو گی؟ مزید برآں یہ کہ اس کے بارے میں خصوصی طور پر سزا کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالی ہمیں عافیت نصیب فرمائے اور ہمارے اعمال کی نحوست کے سبب ہمیں اپنے فضل و کرم سے محروم نہ فرمائے۔ آپ غور کریں کہ ایک مسلمان اپنے بھائی پر ظلم کرے اور دوسرا (ظلم سے اس کی حفاظت کرے اور) اس کو ظالموں کے سپرد نہ کرے، (اور اس کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے)، ان دونوں طرز عمل میں کتنا عظیم فرق ہے؟ اسی طرح ایک مسلمان اپنے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ کر ظالم کے حوالے تک نہ کرے (اور اس کا ساتھ دے) اور دوسرا اس کو (ناحق) ظلم و زیادتی سے دبائے، بلکہ اس کے دین و عقیدے اور نیت کو نقصان پہنچانا چاہے ان دونوں کے کردار میں کتنا بین فرق ہے۔

نیز فرمایا: «إِنَّ الْـمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ، كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا». وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ(۱۹۳):

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے“۔ (اس موقعے پر آپ نے اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر سمجھائیں)۔

نیز فرمایا: «اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا نَنْصُرُهُ مَظْلُومًا، فَكَيْفَ نَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟! قَالَ: «تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ» (۱۹۴):

”اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! مظلوم بھائی کی ہم مدد کریں یہ تو ٹھیک ہے، لیکن ظالم ہو تب کیسے اس کی مدد کریں؟ فرمایا: اُس کا ہاتھ پکڑ لو“۔

نیز فرمایا: «لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ؛ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ» (۱۹۵)!

”کوئی شخص کسی دوسرے پر فسق اور کفر کا الزام نہیں لگاتا، لیکن اگر وہ ایسا نہ ہو تو وہ اسی پر لوٹ آتا ہے جس نے الزام لگایا ہے“۔

نیز فرمایا: «...وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا؛ فَهُوَ كَقَتْلِهِ، وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ؛ فَهُوَ

---

(۱۹۳) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۴۸۱، كتاب الصلاة، باب تشبيک الأصابع في المسجد وغيره، اور مسلم شریف، كتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۶۵ (۲۵۸۵) بروایت ابوموسی رضی اللہ عنہ۔

(۱۹۴) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۲۴۴۳، و۲۴۴۴، كتاب المظالم، باب: أعن أخاك ظالماً أو مظلوماً، بروایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

(۱۹۵) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۶۰۴۵، كتاب الأدب، باب ما يُنْهى مِن السباب واللعن، اور مسلم شریف، كتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۱۱۲ (۶۱)، بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ۔

كَقَتْلِهِ» (۱۹۶)!

”اور جس نے کسی مومن پر لعنت بھیجی تو یہ اسے قتل کرنے کی طرح ہے اور جس نے کسی مومن پر کفر کا الزام لگایا تو یہ بھی اس کے قتل کرنے کی طرح ہے“۔

نیز فرمایا: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ» (۱۹۷): ”چغل خور جنّت میں نہیں جائے گا“۔

”قَتَّات“ سے مراد وہ چغل خور ہے جو لوگوں کے درمیان بگاڑ پیدا کرنے کے لیے لگائی بجھائی کرے۔

نیز فرمایا: «لَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، وَلا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلاثَةِ أَيَّامٍ» (۱۹۸):

”آپس میں نہ بغض اور نفرت رکھو، نہ ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ ایک دوسرے کو پیٹھ دکھاؤ (یعنی قطع تعلق اور دشمنی نہ کرو) بلکہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترکِ تعلق کرے“۔

نیز فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ! فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا» (۱۹۹)!

”تم بد ظنی سے بچو، اس لیے کہ بد گمانی سب سے جھوٹی بات ہوتی ہے، اور کسی کو سونگھتے نہ پھرو، کسی کی ٹوہ میں نہ رہو، خرید و فروخت میں ایک دوسرے کے خلاف قیمتیں نہ بڑھاؤ، نہ آپس میں حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بغض اور نفرت رکھو، نہ پیٹھ دکھاؤ (یعنی قطع تعلق اور دشمنی نہ کرو)؛ بلکہ اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو“۔

بہت سے مسلمانوں کے حالات دیکھیے کیا یہ چیزیں ان میں نہیں ملتیں؟ ان کی بابت آپ کیا کہیں گے؟

---

(۱۹۶) بخاری شریف، حدیث نمبر: ٦٠٤٧، كتاب الأدب، باب ما يُنْهى مِن السباب واللعن، اور مسلم شریف، كتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۱۷۶(۱۱۰) بروایت ثابت بن الضحاک رضی اللہ عنہ.

(۱۹۷) بخاری شریف، حدیث نمبر: ٦٠٥٦، كتاب الأدب، باب ما يُكرَه مِن النميمة، اور مسلم شریف، كتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۱۶۹(۱۰۵) بروایت حذیفہ رضی اللہ عنہ.

(۱۹۸) بخاری شریف، حدیث نمبر: ٦٠٦٥، كتاب الأدب، بَاب مَا يُنهَى عَن التَّحَاسُدِ والتَّدَابُرِ اور مسلم شریف، كتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۳(۲۵۵۹) بروایت انس رضی اللہ عنہ.

(۱۹۹) بخاری شریف، حدیث نمبر: ٦٠٦٦، كتاب الأدب، باب ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱجْتَنِبُواْ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ﴾، اور مسلم شریف، كتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۲۸(۲۵۶۳) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ.

### ٦- عمومی طور پر مسلمان کے ساتھ حسنِ معاملہ کی ترغیب :

اللہ تعالی نے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کے کچھ خاص اور کچھ عام حقوق رکھے ہیں جن میں قدرِ مشترک حسن معاملہ ہے کہ مسلمان بھائی کو خیر پہنچائے اور اس سے بُرائی کو روکے۔ اس میں حسن استقبال، بشاشت و خندہ روئی اور ملنے پر اظہار خوشی سب داخل ہیں۔

فرمان نبوی ہے : «تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنْ المُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلالِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ، وَالشَّوْكَةَ، وَالْعَظْمَ عَنْ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ(۲۰۰) فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ» (۲۰۱):

”اپنے بھائی کے سامنے تمھارا مسکرانا بھی تمھارے لیے صدقہ ہے، بھلائی کا حکم کرنا اور بُرائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، بھٹکے ہوئے کسی آدمی کی رہنمائی کر دینا بھی تمھارے لیے صدقہ ہے، کمزور نظر والے آدمی کو راستہ دکھا دینا بھی تمھارے لیے صدقہ ہے، راستے سے پتھر، کانٹا اور ہڈی ہٹا دینا بھی تمھارے لیے صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی تمھارے لیے صدقہ ہے“۔

لفظ (لَكَ صَدَقَةٌ) پر غور کیجیے، یہ نہیں کہا (عَلَى أَخِيْكَ صَدَقَةٌ) کہ تمھارے بھائی کے اوپر صدقہ ہے۔

نیز فرمان نبوی ہے : «لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ المَعْرُوْفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ» (۲۰۲):

”تم کسی بھی نیکی کو حقیر مت سمجھو، چاہے اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا ہی کیوں نہ ہو“۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : «أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِسَبْعٍ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ، أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ المَرِيضِ، وَاتِّبَاعِ الْجِنَازَةِ، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، وَإِجَابَةِ الدَّاعِي، وَإِفْشَاءِ

---

(۲۰۰) دَلْوٌ : چمڑے یا اسی قسم کی کسی چیز سے بنے ہوئے آلے کا نام ہے جس کے ذریعے کنویں سے پانی نکالا جاتا ہے [ڈول - بالٹی]۔

(۲۰۱) ترمذی شریف، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في صنائع المعروف، حدیث نمبر: ۱۹۵۶، اور فرمایا: یہ حدیث ”حسن غريب“ ہے، اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنے ”صحیح سنن ترمذی“ کے اندر ذکر کیا ہے، حدیث نمبر: ۱۵۹۴، اور سلسلہ احادیث صحیحہ، حدیث نمبر : ۵۷۲۔

(۲۰۲) مسلم شریف، كتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۱۴۴ (۲۶۲۶)، (شرح النووی ۱۶/۱۷۷)، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے: «اَلبِرُّ شَيْءٌ هَيِّنٌ: وَجْهٌ طَلِيْقٌ، وكَلَامٌ لَيِّنٌ»!!. یعنی نیکی بڑی آسان چیز ہے، خندہ چہرہ ہو اور نرم گفتگو۔

السَّلاَمِ، وَنَصْرِ المَظْلُومِ، وَإِبْرَارِ المُقْسِمِ... »(۲۰۳):

”ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا: حکم دیا بیمار کی تیمار داری کرنے کا، جنازے کے ساتھ چلنے کا، چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینے کا، کھانے کی دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنے کا، سلام کو عام کرنے کا، مظلوم کی مدد کرنے کا اور کھانے والے کی قسم پوری کر دینے کا“۔

نیز فرمانِ نبوی ہے: «لاَ تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا، وَلاَ تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا. أَوَلاَ أَدُلُّكُمْ عَلَى شَيءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟! أَفْشُوا السَّلاَمَ بَيْنَكُمْ» (۲۰۴):

”تم جنت میں داخل نہ ہوگے یہاں تک کہ ایمان لے آؤ اور تم مومن کامل نہ ہوگے یہاں تک کہ آپس میں محبت کرو، کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب تم اسے کرو تو آپس میں محبت ہو جائے؟ آپس میں سلام کو پھیلاؤ“۔

«وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا» کے الفاظ پر غور کیجیے اور اس پر کہ تمام مسلمانوں کو مخاطب بنایا اور سب کے لیے اس حق کو ثابت کیا، کسی گناہ گار یا بدعتی کا بھی استثنا نہیں کیا۔

نیز فرمانِ نبوی ہے: «فُكُّوا الْعَانِيَ [يَعْنِي: الأَسِيرَ] وَأَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ» (۲۰۵):

”قیدی کو چھڑاؤ، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو“۔

نیز فرمایا: «حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلامِ، وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ، وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ، وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ» (۲۰۶):

”ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں. سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا،

---

(۲۰۳) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۲۴۴۵، کتاب المظالم، باب: نصْر المظلوم، ومسلم شریف، کتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۳(۲۰۶٦)، واللباس والزينة، حدیث نمبر: ۳(۲۰٦٦) بروایت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ.

(۲۰۴) مسلم شریف، کتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۹۳(۵۴) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ.

(۲۰۵) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۳۰۴۶، کتاب الجهاد والسِّيَر، باب فكاك الأسير، بروایت ابو موسی رضی اللہ عنہ.

(۲۰٦) بخاری شریف، کتاب الجنائز، حدیث نمبر: ۱۲۴۰، ومسلم شریف، کتاب السلام، حدیث نمبر: ۴(۲۱٦۲) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ.

جنازے کے ساتھ چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کو جواب دینا"۔

کتنے ہی مسلمانوں کے اخلاق آج اس کے بالکل برعکس ہیں۔ گویا اللہ تعالی نے ان کو اسی کا حکم دیا اور مذکورہ بالا باتوں سے روکا ہو؟

بہت سی احادیث میں حسنِ اخلاق کی فضیلت اور اس کے ثواب کا ذکر آیا ہے، مثلاً فرمانِ نبوی ہے:

«مَا شَيْءٌ أَثقَلَ فِي مِيزَانِ الْـمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ، وَإِنَّ اللهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ» (۲۰۷):

"قیامت کے روز مومن کی ترازو میں کوئی چیز "حسن اخلاق" سے زیادہ بھاری نہ ہوگی اور اللہ تعالی نفرت کرتے ہیں گندے کام کرنے والے، گندی باتیں کرنے والے، اور ایذا رساں باتیں کرنے والے سے"۔

نیز فرمایا: «مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْـمِيزَانِ، أَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلاةِ» (۲۰۸):

"(قیامت کے دن) میزان (عمل) میں رکھی جانے والی کوئی بھی چیز "حسنِ اخلاق" سے زیادہ بھاری نہ ہوگی۔ "حسنِ اخلاق" کا حامل اس کی وجہ سے نمازی اور روزہ دار کے مرتبے کو پہنچ جائے گا"۔

مزید ارشاد ہے: «وعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ: «تَقْوَى اللهِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ»، وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ فَقَالَ: «الْفَمُ وَالْفَرْجُ» (۲۰۹):

"حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اُس عمل کے بارے میں دریافت کیا گیا جو لوگوں کے جنت میں زیادہ داخل ہونے کا سبب ہو؟ تو فرمایا: اللہ سے تقوی اور حسنِ اخلاق۔ نیز آپ ﷺ سے اس عمل کے بارے میں سوال کیا گیا، جو لوگوں کے سب سے زیادہ جہنم میں داخلے کا سبب

---

(۲۰۷) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۰۰۲، بروایت ابو ہریرہ ؓ، اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ترمذی میں ذکر کیا ہے، حدیث نمبر: ۱۶۲۸۔

(۲۰۸) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۰۰۳، بروایت ابو الدرداء ؓ. اور فرمایا: یہ حدیث اس طریقے سے غریب ہے، اور اس کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح ترمذی میں ذکر کیا ہے، حدیث نمبر: ۱۶۲۹۔

(۲۰۹) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۰۰۴، اور کہا: یہ حدیث "صحيح غريب" ہے، اور اس کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح ترمذی" میں ذکر کیا ہے، حدیث نمبر: ۱۶۳۰۔

بنے گا تو فرمایا: منہ اور شرم گاہ"۔

امام ترمذی نے سند کے ساتھ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا یہ قول "حسنِ خلق" کے تعارف میں نقل کیا ہے: «هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ، وَبَذْلُ الْـمَعْرُوْفِ، وَكَفُّ الْأَذَى» (۲۱۰)!!" کہ حسن اخلاق: چہرے کی مسکراہٹ، نیکی کرنا اور اذیت رسانی سے باز رہنا ہے"۔

نیز فرمانِ نبوی ہے: «اِتَّقِ دَعْوَةَ المَظْلُومِ؛ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ» (۲۱۱): "مظلوم کی بد دعا سے بچو، کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں"۔

اس مفہوم کی تمام احادیث کو جمع کرنا مشکل ہے جیسا کہ آیاتِ قرآنیہ کے بارے میں بتایا گیا کہ ان کو جمع کرنا مشکل ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں مجھے ان کی کثرت، وسعت اور انسانی اخلاق وکردار کی تمام صورتوں اور وجوہات کو محیط وجامع ہونے پر حیرت واستعجاب ہے۔ ان ہی تمام صورتوں میں عدل وانصاف، رحمت، احسان، تعلیم اور استقامت (دین پر ثابت قدمی) شامل ہیں۔ اللہ جانے کیسے کچھ مسلمانوں کی نگاہ ان سے ہٹ کر دوسری طرف چلی گئی۔ اللہ تعالی ہمیں عفو ودرگذر اور سلامتی سے نوازے۔ اے ہمارے پروردگار! ہدایت سے نوازنے کے بعد ہمارے دلوں کو کج نہ کیجیے اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (خاصہ) عطا فرمائیے۔

برادرانِ اسلام! یہ کافی ہے کہ ان پیاری عبارتوں میں ان پیاری باتوں کو پڑھیں جو دل میں اترنے والی اور ہر صحیح سالم فطرت کو پیاری ہیں۔ آپ اچھے دل سے ان کو پورے طور پر قبول کرلیں، کمینے اخلاق وسلوک والوں کو چھوڑ دیں، انھیں اپنی گمراہی میں بھٹکنے دیں، آپ راہِ مستقیم کے پابند بن جائیں، مردود شیطان سے اللہ تعالی کی پناہ مانگیں، دین میں نزاع سے بچیں، جاہلوں اور دینی خیر خواہی کے نام پر مسلمانوں سے کینہ رکھنے والوں سے بحث ومباحثے سے دور رہیں، اپنے لیے یہ مختصر راستہ اختیار کریں کہ اللہ تعالی اور رسول پاک ﷺ (جو اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے) کی بات کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ یہ یاد رکھیں کہ

---

(۲۱۰) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۰۰۵۔

(۲۱۱) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۰۱۴، بروایت معاذ بن جبل ؓ، اور فرمایا: یہ حدیث "حسن صحیح" ہے، اور اس کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے "صحیح ترمذی" میں ذکر کیا ہے، حدیث نمبر: ۱۶۳۸۔

آپ ﷺ نے احکام الٰہی کو کھلے طور پر پہنچادیا ہے۔ دین میں کسی کمی بیشی کرنے والے کی؛ کم یا زیادہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی؛ اس لیے اس کی پابندی کریں کہ کسی حدیث کو نہ چھوڑیں تا آنکہ کوئی دوسری حدیث جو ناسخ ہو یا تخصیص کرنے والی یا قید لگانے والی ہو، نہ آجائے۔ کتاب وسنت میں جو عام نصوص وارد ہیں، جب تک کوئی دوسری آیت یا حدیث نہ ہو، ان میں اپنی طرف سے تخصیص یا قید لگانے کا کسی انسان کو کوئی حق نہیں، مگر یہ کہ وہ نئے رسول ہونے کا دعوی کر بیٹھے۔ اللہ تعالی کی مراد کو جاننے کے لیے زبردستی کی تاویل کے بغیر نصوص شرعیہ کا پڑھنا ہی آپ کے لیے کافی ہے۔

ان نصوص سے منحرف راستوں اور باطل طریقوں کے بطلان پر یہی دلیل کافی ہے کہ آپ باطل اور اہل باطل کے سامنے یہ آیات واحادیث پڑھیں اور بس۔

پھر ایمان، فطرت اور عقل : سبھی انسان کے اندر سے کتاب وسنت کی ان نصوص سے سمجھ میں آنے والے احکام پر شاہد عدل ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے طریقے کے اصول اسی پر قائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی نگاہ میں ان اصول کی عظمت ہے۔

## ج- ان نصوص کا عام مفہوم :

کتاب وسنت کی ان (مذکورہ) نصوص اور ان جیسی دوسری نصوص کا مفہوم عام ہے، یہ تمام حالات کو شامل ہیں اور عمل کرنے والے دونوں فریق کے ہر فرد کو عام ہیں؛ کیونکہ ان میں ان اخلاق کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کسی حالت یا کسی مسلمان شخص یا اشخاص کو متعین نہیں کیا گیا کہ ان ہی کے ساتھ ان اخلاق کو برتا جائے، دوسروں کے ساتھ نہیں اور نہ ان نصوص میں کسی معین شخص یا مذکورہ صفات کے علاوہ کسی صفت کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ یہ حکم اسی کے ساتھ متعلق ہو۔ لہذا کتاب وسنت کا یہ عموم اپنی حالت پر باقی رہے گا اور جب تک اللہ ورسول کی طرف سے کسی کو اس سے الگ نہ کیا جائے، سب اس کے تحت آئیں گے اور واقعہ یہ ہے کہ کتاب وسنت میں کسی کا استثنا وارد نہیں۔

پس ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ تعلقات اور برتاؤ میں ان (مذکورہ) اخلاق کو بروئے کار لائے جن پر آپسی تعلقات کی استواری اور دینی استقامت کا مدار ہے اور ان سے ہٹ کر دونوں میں بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔

اللہ تعالی نے ان ایمانی برادرانہ حقوق کو اپنے دین سے مربوط کیا ہے جو ایمان اور شریعت کے

دونوں پہلوؤں میں واضح ہے۔ چنانچہ ایمان کے حقوق میں سے یہ ہے کہ ہر مسلمان کے تئیں ان فرائض کی پابندی کی جائے اور شریعت الٰہی پر عمل میں یہ داخل ہے کہ مسلمانوں کے تئیں ان فرائض کو پابندی سے انجام دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع کی احادیث، حدیث کی کتابوں میں : کتاب الایمان میں، نیز کتاب الادب والبر والصلۃ اور کتاب المظالم وغیرہ میں آئی ہیں؛ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایمان کے ساتھ مربوط فرمایا ہے۔

اسی طرح بہت سے شرعی احکام کا مقصد اخوت اسلامی، مسلمانوں کے باہمی حقوق، ان کے مابین اتحاد واتفاق اور ان کی شیرازہ بندی کی حفاظت ہے، خواہ ان کا تعلق خرید وفروخت کے احکام سے ہو یا معاملات سے یا ان کے علاوہ کسی اور سے۔

نصوص میں ان حقوق اور عمومی طور پر مسلمانوں کی باہمی ذمے داریوں کا اثبات واقرار اس طور پر آیا ہے کہ یہ کسی معصیت یا دین کے نام پر اختلاف یا ذاتی رائے یا کسی اور وجہ سے ساقط نہیں ہوسکتے۔ حضرت عمر بن خطاب ؓ کی حدیث میں ہے : أَنَّ رَجُلًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللهِ، وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا، وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ قَدْ جَلَدَهُ فِي الشَّرَابِ، فَأُتِيَ بِهِ يَوْمًا؛ فَأَمَرَ بِهِ فَجُلِدَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ؛ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ! فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : «لَا تَلْعَنُوهُ؛ فَوَاللهِ، مَا عَلِمْتُ : أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ» (٢١٢):

”نبیٔ پاک ﷺ کے عہد میں ایک شخص کا نام عبد اللہ اور لقب حمار تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتے تھے۔ نبیٔ پاک ﷺ نے شراب کے سلسلے میں انھیں کوڑے بھی لگوائے تھے، پھر ایک روز ان کو لایا گیا اور آپ ﷺ کے حکم سے انھیں کوڑے لگائے گئے۔ ایک صاحب نے کہا : اس پر اللہ کی لعنت ہو، کتنی مرتبہ اس شخص کو لایا جاچکا ہے؟ نبیٔ پاک ﷺ نے فرمایا : اس پر لعنت مت بھیجو، اللہ کی قسم مجھے معلوم ہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے“۔

معنوی لحاظ سے اس فرمانِ نبوی میں کس قدر ہم آہنگی ہے اس کو تو دیکھیے، فرماتے ہیں: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ؛ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا». وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ... (٢١٣):

---

(٢١٢) بخاری شریف، حدیث: ٦٧٨٠، کتاب الحدود، باب: ما يُكْره مِن لعْن شارب الخمر، بروایت عمر بن الخطاب ؓ.

(٢١٣) بخاری شریف، حدیث نمبر: ٤٨١، کتاب الصلاة ، باب: تشبيك الأصابع في المسجد وغیرہ، اور مسلم شریف، =

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کے مانند ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے“۔ (اس موقعے پر آپ نے اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر سمجھایا)۔

ایک مسلمان کی شان یہی ہے اور ایمان کا یہی اثر ہے۔ پس جسے ایمان کا دعوی ہو وہ دیکھے کہ اس میں یہ صفت کس قدر موجود ہے؟ نیز اس صفت ایمان اور مومن کے برتاؤ میں کس قدر ہم آہنگی ہے؟ اسی طرح اس فرمانِ نبوی میں بھی ہم آہنگی ہے: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ؛ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ..» (۲۱۴)۔

-تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے اسی چیز کو پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

اسی طرح اسلام کے نزدیک ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ہاتھ اور اس کی زبان سے حفاظت میں ہم آہنگی ہے، جیسا کہ اس فرمانِ نبوی میں ہے: «المُسْلِمُ: مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ..» (۲۱۵):

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں“۔

وفي الحديث عن أبي موسى ﷺ، قال: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ...» (۲۱۶)!!

اور حدیث میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! کون سا اسلام سب سے افضل ہے؟ فرمایا: اس شخص کا جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

دیکھیے کس طرح رسول اللہ ﷺ نے حصر کے انداز میں مسلمان کے متعلق بتایا کہ ”مسلمان

---

=

کتاب البر والصلة، حدیث نمبر: ۶۵ (۲۵۸۵) بروایت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ۔

(۲۱۴) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۳، اور مسلم شریف، حدیث نمبر: ۷۱-۷۲ (۴۵)، كتاب الإيمان، بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

(۲۱۵) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۰، كتاب الإيمان، باب: المسلم مَن سَلِمَ المسلمون مِن لسانه ويده، اور مسلم شریف، کتاب الإیمان، حدیث نمبر: ۶۴ (۴۰) بروایت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما۔

(۲۱۶) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۱، کتاب الإیمان، باب: أيُّ الإسلام أفضل؟، اور مسلم شریف، كتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۶۶ (۴۲) بروایت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ۔

وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں"۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: «اَلْحَجُّ عَرَفَةُ...» (۲۱۷) گویا عرفہ حج کا سب سے اہم حصہ ہے، اسی کے ذریعے حج، حج ہوگا، اسی طرح گویا یہ صفت مسلمان میں سب سے اہم ہے، اسی سے مسلمان، مسلمان ہوگا۔

## دوم: غلط تصورات کی کچھ شکلیں:

اس سلسلے میں بہت سے غلط تصورات ہیں، بسا اوقات آدمی ان کے بارے میں یہ سوچ کر بیٹھا رہتا ہے کہ یہ دین کا حصہ ہے، حالانکہ وہ دین کا حصہ نہیں ہیں۔ مثلاً:

### ۱- یہ خیال کہ رائے میں اختلاف دشمنی اور ایذا رسانی کا سبب ہے:

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ رائے میں اختلاف یا مسلک میں اختلاف، طریقۂ فہم یا طور طریقے وغیرہ میں اختلاف سے یہ جواز فراہم ہوتا ہے کہ آدمی اپنے مخالف بھائی پر عقیدے یا کسی چیز میں تہمت لگادے۔ جبکہ اس خیال کی شریعت یا عقل یا فطرت کسی میں کوئی دلیل نہیں۔

### ۲- یہ خیال کہ مخالف مسلمان کی اچھائی کا تذکرہ یا اس کے ساتھ انصاف کرنا درست نہیں:

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مخالف مسلمان کی کسی اچھائی کا تذکرہ ٹھیک نہیں، اس کے حق میں یا اس کے ساتھ برتاؤ میں عدل وانصاف کرنا صحیح نہیں ہے۔ جبکہ اس روش کی کوئی دلیل نہیں، کتاب و سنت میں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس طرح کی رائے صرف وہی رکھ سکتا ہے جس نے غیر جانب داری کے ساتھ نصوص کو نہ سمجھا ہو یا اجتہادی غلطی میں مبتلا ہو یا کوئی تیسری وجہ ہو، اللہ تعالی ہمیں محفوظ رکھے! جو شخص سلامت روی چاہتا ہے اس کا فریضہ ہے کہ اس باب میں حق اور فطرت سے ہٹانے والے تمام اسباب سے گلوخلاصی حاصل کرے۔

### ۳- یہ خیال کہ مخالف مسلمان کے ساتھ حسن ظن جائز نہیں:

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مخالف مسلمان کے ساتھ حسنِ ظن بھی جائز نہیں، بلکہ بد ظنی ضروری ہے۔ یہ بھی کتاب و سنت کی نصوص کے مفہوم کے خلاف ہے اور حقیقتِ حال سے

---

(۲۱۷) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۸۸۹، اور ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۳۰۱۵ بروایت عبد الرحمن بن یعمر الدیلی رضی اللہ عنہ۔

متصادم ہے؛ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ انسان کا ہر مخالف برائی اور غلطی پر نہیں ہوتا اور اگر کوئی اس بات کا قائل ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ: اختلاف رکھنے والے فریقین میں سے کسی ایک کے حق میں یہ فیصلہ کرنے والا کون ہو گا کہ فریقین میں سے کون پاک صاف (اور صحیح) ہے اور کون اس کے برعکس (غلط ہے)؟ حالانکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا تُزَكُّوٓاْ أَنفُسَكُمۡۖ هُوَ أَعۡلَمُ بِمَنِ ٱتَّقَىٰٓ﴾(۲۱۸):

"پس تم اپنے آپ کا تزکیہ نہ کرو، اللہ کو اس شخص کا بخوبی علم ہے جس نے تقوی اختیار کیا"۔

نیز فرمایا: ﴿أَلَمۡ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمۚ بَلِ ٱللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَآءُ وَلَا يُظۡلَمُونَ فَتِيلًا ٤٩ ٱنظُرۡ كَيۡفَ يَفۡتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَۖ وَكَفَىٰ بِهِۦٓ إِثۡمٗا مُّبِينًا ٥٠﴾(۲۱۹):

"کیا آپ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کو جو اپنی پاکیزگی کا دم بھرتے ہیں؟ بلکہ اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے بقدر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ دیکھیے یہ لوگ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اور یہی ایک صریح گناہ کافی ہے"۔

نیز فرمایا: ﴿وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَـَٔانُ قَوۡمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعۡدِلُواْۚ ٱعۡدِلُواْ هُوَ أَقۡرَبُ لِلتَّقۡوَىٰۖ﴾(۲۲۰):

"اور تمھیں کسی قوم سے دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو۔ تم انصاف کرو کہ یہی تقوے سے زیادہ قریب ہے"۔

اللہ تعالی نے لفظ "قوم" کو کچھ لوگوں کے ساتھ خاص نہیں فرمایا، لہذا لفظ "قوم" کا عموم اپنے حال پر باقی رہے گا، تاکہ اس میں سبھی لوگ آجائیں، بلکہ مسلمانوں کی بھی تخصیص نہیں فرمائی، لہذا یہ لفظ مسلمان اور غیر مسلم دونوں پر صادق آئے گا۔ ذرا سوچیے کہ دین کے نام پر اس غلط روش کی بنیاد پر اپنی ذات اور دوسروں پر ظلم کرنے والے کہاں جائیں گے؟

## ۴- یہ خیال کہ لوگوں کے عقیدے کے سلسلے میں محض گمان کی بنیاد پر فیصلہ کیا جاسکتا ہے:

بعض لوگ دوسروں کے عقائد کے بارے میں محض اٹکل و تخمین سے فیصلہ کر دیتے ہیں، بھلے

---

(۲۱۸) ۳۲: النجم: ۵۳.

(۲۱۹) ۴۹-۵۰: النساء: ۴.

(۲۲۰) ۸: المائدۃ: ۵.

ہی وہ بذات خود صحیح طریقے پر ہوں، لیکن ان کا (دوسرے کے عقائد کے حوالے سے) یہ عمل درست نہیں؛ کیونکہ یہ کتاب وسنت کے دلائل کے خلاف ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ لوگ یہ طرزِ عمل اس لیے جائز سمجھتے ہیں کہ انھوں نے تنہا خود کو تمام مسلمانوں کے دین کے محافظ کے منصب پر فائز کر لیا ہے اور بزعم خویش ان کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگوں کو دین کی راہ پر لگا دیں، حالانکہ اس سے صلاح واصلاح نہیں ہوتی اور اس کا ثبوت بھی کتاب وسنت میں نہیں ہے۔

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے: فَقَامَ رَجُلٌ غَائِرُ الْعَيْنَيْنِ، مُشْرِفُ الوَجْنَتَيْنِ، نَاشِزُ الْجَبْهَةِ، كَثُّ اللِّحْيَةِ، مَحْلُوْقُ الرَّأْسِ، مُشَمَّرُ الإِزَارِ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ اِتّقِ اللهَ، قَالَ: «وَيْلَكَ، أَوَ لَسْتُ أَحقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللهَ؟!». قَالَ: ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ. قَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ: يَا رَسُوْلَ اللهِ ، أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ؟. قَالَ: «لَا، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُوْنَ يُصَلِّي». فَقَالَ خَالِدٌ: وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ. قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنقِّبَ قُلُوبَ النَّاسِ وَلاَ أَشُقَّ بُطُونَهُمْ». قَالَ: ثُمَّ نَظَرَ إِلَيْهِ وَهُوَ مُقَفٍّ، فَقَالَ: «إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا، قَوْمٌ: يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ رَطْبًا، لا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ» وَأَظُنُّهُ قَالَ: «لَئِنْ أَدْرَكْتُهُمْ لأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ ثَمُودَ» (۲۲۱):

"تو ایک شخص کھڑا ہوا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، دونوں رخسار ابھرے ہوئے تھے، پیشانی کی ہڈی نکلی ہوئی تھی، داڑھی گھنی تھی، سر منڈائے ہوئے تھا اور تہبند چڑھائے ہوئے تھا، وہ کہنے لگا اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا ناس ہو، کیا اللہ سے ڈرنے کا روئے زمین پر میں سب سے زیادہ حق دار نہیں ہوں؟ راوی کہتے ہیں، پھر وہ شخص واپس لوٹنے لگا تو خالد بن ولید نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا میں اس کی گردن نہ مار دوں؟ تو آپ ﷺ فرمایا: نہیں، شاید یہ نماز پڑھتا ہو۔ خالد بن ولید نے عرض کیا: کتنے نماز پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں، جو ان کے دل میں نہیں ہوتی؟ اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے نہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ

---

(۲۲۱) بخاری شریف، كتاب المغازي، حدیث نمبر: ۴۳۵۱، اور دوسری جگہوں پر بھی وارد ہے، حدیث نمبر: ۳۶۱۰، ۴۶۶۷، ۶۹۳۴، ۷۴۳۲، اور مسلم شریف، کتاب الزكاة، حدیث نمبر: ۱۴۳ (۱۰۶۴) بروایت ابو سعید خدریؓ.

لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کے دیکھوں اور نہ اس کا کہ ان کے پیٹ چیر کر دیکھوں۔ راوی کہتے ہیں اس آدمی کو لوٹتے ہوئے آپ نے دیکھا تو فرمایا: اس کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن کی تلاوت سے زبان کو تر رکھیں گے، مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا، وہ دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ راوی کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اگر میں نے ان لوگوں کو پالیا تو میں ان کو قومِ ثمود کی طرح قتل کروں گا"۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: أَنَّ الرَّسُوْلَ ﷺ قَالَ: «إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا، أَوْ فِي عَقِبِ هَذَا، قَوْمًا: يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ، مُرُوقَ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ، يَقْتُلُونَ أَهْلَ الإِسْلامِ، وَيَدَعُونَ أَهْلَ الأَوْثَانِ، لَئِنْ أَنَا أَدْرَكْتُهُمْ لَأَقْتُلَنَّهُمْ قَتْلَ عَادٍ»(۲۲۲)۔

-رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اس شخص کی نسل میں یا اس کی اولاد میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کریم پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا، یہ لوگ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے انھیں پالیا تو قوم عاد کی طرح انھیں قتل کر ڈالوں گا۔

ناظرین! آپ یہ حدیث ایک بار پھر پڑھیں اور اس پر غور کریں کہ:

- یہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کو تقوے کا حکم دے رہا ہے، وہ خود کن صفات کا حامل ہے؟
- کس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دے رہا ہے؟
- ہمارے دور کے بعض مبلغین (جن کو کچھ لوگ مبلغ شمار کرتے ہیں) اس شخص کی صفات اور اس کی نام نہاد دعوت و تبلیغ سے مطابقت رکھتے ہیں۔
- رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی۔
- آپ ﷺ کا ارشاد: «لَا، لَعَلَّهُ أَنْ يَّكُوْنَ يُصَلِّيْ»، نیز: «إِنِّى لَمْ أُوْمَرْ أَنْ أَنَقِّبَ قُلُوْبَ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ»، نیز: «قَوْماً يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ

---

(۲۲۲) بخاری شریف، کتاب الأنبياء، حدیث نمبر: ۳۳۴۴.

حَنَاجِرَهُمْ، يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ»، نیز: «يَقْتُلُوْنَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وِيَدَعُوْنَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ»!

جس شخص کا یہ طریقہ ہو، اگر وہ یہ حدیث پڑھے تو کیا وہ اپنے آپ پر غصہ ہو گا یا اپنی گمراہی سے باز آئے گا؟

بلا شبہ اس حدیث میں ایسے شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے پاس (سمجھ دار) دل ہو یا وہ کم از کم دل سے متوجہ ہو کر بات کی طرف کان لگا دے اور خواہش نفس یا بدعت اس کی ہدایت کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بدعت کے خلاف جنگ کے نام پر مبلغین اسلام پر حملہ کرنا اور ان میں سے بہت سے مبلغین کو بدعت کا الزام دینا، خود کو بدعت سے بری کرنے کے لیے کافی ہے۔ حالانکہ ان کو یہ پتہ نہیں کہ اس طرزِ عمل سے اس نے خود بدعت ایجاد کرلی اور بدعت (کی نحوست) میں جا پڑا؛ کیونکہ یہ کتاب و سنت اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے دور ہے اور یہ طریقہ اس کے لیے بدعت سے براءت کا ثبوت نہیں اور نہ اس سے اس کی دین داری کی تائید ہوتی ہے۔

کتاب و سنت کے طریقے سے ہٹ کر بدعت پر حملہ بولنے والے بعض لوگ بدعت کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ گویا ہر بدعت کا تعلق ”عقیدے“ سے ہے اور ہر بدعت کفر ہے اور اہل سنت کے لیے ایسے شخص سے نفرت اور تکفیر ہی کا معاملہ رکھنا چاہیے؛ حالانکہ اس سے تعامل کے یہ سب طریقے دین کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

اس طریقے کو اپنانے والے (جانے انجانے میں) نصوص شرعی کی روشنی میں بدعتی سے برتاؤ کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ وہ بصد افسوس بدعت کی تائید ہے۔ حالانکہ (کسی بھی طرح کی) بدعت کی تردید اور مسلمان کے ساتھ شرعی برتاؤ اور شرعی معنی کے اعتبار سے ظالم و مظلوم ہونے کی حالت میں، اس کی مدد کرنے کے مابین کوئی تعارض نہیں ہے۔

عقل و فہم سے عاری، اے مسکین شخص! تمھیں یہ مہر کس نے دی کہ اللہ تعالی کے جس بندے پر چاہو من مانے طور پر یہ مہر لگا دو کہ فلاں ”سنی“ ہے، فلاں ”بدعتی“ ہے۔ تمھاری خواہش کے موافق کیا اللہ تعالی نے تمھیں یہ حکم دیا ہے یا تم اللہ تعالی پر الزام رکھ رہے ہو؟ کیا آپ اپنے علاوہ کسی

دوسرے کو یہ اجازت دیں گے کہ آپ کے بعد وہ بھی یہ ڈیوٹی انجام دے یا آپ کے ساتھ اس عمل میں شریک ہو کر یہ مہرہاتھ میں لے؟ یا یہ خاص آپ کے لیے ہے، اللہ تعالی نے اپنے تمام بندوں میں خصوصی طور پر آپ کو یہ مہر دی ہے؟

اے اللہ! ہمیں اخلاص، اتباع اور سمجھ بوجھ عطا فرما! إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون، اے اللہ! اپنے دین، اپنے بندوں اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کی حفاظت فرما۔

عبّاد بن عبّاد نے کیا خوب فرمایا، وہ کہتے ہیں: «وَلَا تَكْتَفُوْا مِنَ السُّنَّةِ بِانْتِحَالِهَا بِالْقَوْلِ، دُوْنَ الْعَمَلِ بِهَا؛ فَإِنَّ اِنْتِحَالَ السُّنَّةِ دُوْنَ الْعَمَلِ بِهَا كَذِبٌ بِالْقَوْلِ مَعَ إِضَاعَةِ الْعَمَلِ. وَلَا تَعِيْبُوْا بِالْبِدَعِ تَزَيُّنًا بِعَيْبِهَا؛ فَإِنَّ فَسَادَ أَهْلِ الْبِدَعِ لَيْسَ بِزَائِدٍ فِي صَلَاحِكُمْ، وَلَا تَعِيْبُوْهَا بَغْيًا عَلَى أَهْلِهَا؛ فَإِنَّ الْبَغْيَ مِنْ فَسَادِ أَنْفُسِكُمْ. وَلَيْسَ يَنْبَغِي لِلْمُطَبِّبِ أَنْ يُدَاوِيَ الْـمَرْضَى بِمَا يُبْرِؤُهُمْ وَيُمْرِضُهُ...» (٢٢٣)!!

”زبان سے سنت سنت کہنے پر اکتفا نہ کرو، جبکہ اس پر عمل نہ ہو؛ کیونکہ عمل کے بغیر محض سنت کا نام لینا، جھوٹ کے ساتھ ساتھ عمل کو ضائع کرنا بھی ہے۔ اپنی پارسائی کے اظہار کے لیے دوسروں کو بدعت کا الزام نہ دو؛ کیونکہ اہل بدعت کا بگاڑ، تمھاری پارسائی اور صلاح میں اضافہ کرنے والا نہیں۔ اہل بدعت کو بدعت کا ناحق الزام نہ دو؛ کیونکہ حق تلفی کا بگاڑ خود تمھارے اندر ہے۔ طبیب کو ایسا علاج نہیں کرنا چاہیے جس سے مریض تو شفایاب ہو جائیں اور خود طبیب مریض ہو جائے“۔

## ٥- مخالف مسلمان کے ساتھ معاملہ کرنے میں متعدد حرام طریقوں کو جائز سمجھنا:

مذکورہ بالا گمان یعنی بزعم خویش دین کی نصرت کے لیے مسلمانوں کے عقیدے پر طعن واعتراض کو جائز سمجھنے کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اس مقصد کے لیے بہت سے ناجائز طریقوں کو جائز سمجھا جاتا ہے جو (قرآن کی زبان میں) ”اوپر تلے بہت سے اندھیرے“ یعنی سراسر گمراہی کے مصداق ہیں!

مثلاً یہ طریقے:

- ناحق مسلمانوں کے عیوب ٹٹولنے کو جائز سمجھنا، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے فرماتے ہیں کہ: صَعِدَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمِنبَرَ، فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ، فَقَالَ: «يَا

---

(٢٢٣) سنن الدارمي: ١/١٧٠.

مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ، وَلَمْ يُفْضِ الإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ، لا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلا تُعَيِّرُوهُمْ، وَلا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ؛ فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ، تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ تَتَبَّعَ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ، وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ» (۲۲۴):

- آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے گویا ہوئے:

”اے اُن لوگوں کی جماعت جو اپنی زبان سے اسلام لائے ہیں اور ایمان ان کے دلوں تک نہیں پہنچا ہے! تم لوگ مسلمانوں کو تکلیف مت پہنچاؤ، نہ انھیں عار دلاؤ اور نہ ان کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہو؛ اس لیے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کمزوری کی ٹوہ میں لگتا ہے اللہ تعالی اس کی کمزوری کی ٹوہ میں لگ جاتا ہے، اور جس کی کمزوری کی ٹوہ میں اللہ تعالی لگ جائے اس کو ”رسوا“ ہی کر دیتا ہے۔ چاہے وہ اپنے کجاوے کے اندر ہی کیوں نہ ہو“۔

یہ حدیث مسلمانوں کے عیوب ٹٹولنے والے کے بارے میں آئی ہے، پھر مسلمانوں پر ناحق الزام لگانے والے کے بارے میں کیا کہیں گے؟

اگر ایسا کرنے والا آپ سے کہے کہ وہ اسلام کی خاطر ایسا کر رہا ہے تو اس سے کہیں کہ تم جھوٹے ہو، بات یہ نہیں اس لیے کہ یہ حدیث ہے اور اسلامی احکام رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیے جائیں گے، آپ جیسے لوگوں سے نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ؛ أَفْسَدْتَهُمْ، أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ» (۲۲۵):

”اگر تم لوگوں کی کمزوریوں کے پیچھے پڑے تو تم انھیں خراب ہی کر دو گے یا خراب کرنے کے

---

(۲۲۴) ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۲۰۳۲، ترمذی کی ہی روایت میں ہے کہ "ایک دن ابن عمر نے بیت اللہ یا کعبے کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: ”تو کس قدر عظیم ہے اور تیری حرمت کس قدر عظیم ہے، لیکن اللہ تعالی کے نزدیک ایک مسلمان کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے“۔ امام ترمذی نے فرمایا: "یہ حدیث حسن غریب ہے..."، اور اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کیا ہے حدیث نمبر: ۱۴۹۴۔ ملاحظہ فرمائیں: غاىة المرام بتخريج احاديث ”الحلال والحرام“ از البانی رحمہ اللہ، حدیث نمبر: ۴۲۰۔ اور البانی رحمہ اللہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

(۲۲۵) اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا: سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۴۸۸۸، اور ابن حبان، حدیث نمبر: ۵۷۳۰، بروایت معاویہ ؓ۔ دیکھیے: غاية المرام بتخريج أحاديث ”الحلال والحرام“ از البانی رحمہ اللہ، حدیث نمبر: ۴۲۴، اور البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح کہا ہے۔

قریب کر دوگے"۔

نیز فرمایا: «إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ»(۲۲۶):

"اگر حاکم لوگوں کی مشتبہ چیزوں کی کھوج میں پڑے تو ان کو خراب کر دے گا"۔

- لوگوں کو دھوکا دینا اور ان کے ساتھ خیر خواہی کے بجائے انھیں رسوا کرنے کی کوشش کرنا، یہ طریقۂ واردات اس طرح کے لوگوں کو بہت اچھا لگتا ہے کہ کسی کو مثلاً بدعتی ثابت کر دیں۔ اس کی خاطر وہ متعدد ناجائز مادی و معنوی وسائل اختیار کرتے ہیں، تاکہ اس مقصد کی تکمیل ہو سکے۔ بسا اوقات کسی سے ملاقات کے لیے جانے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے، حالانکہ فی الواقع نہ اس سے ملنے کو جی چاہتا ہے اور نہ اس سے محبت ہوتی ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جس کی بات سننا پسند نہیں اس کی بات سنے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ بات کرنے والا بھی بسا اوقات نہیں چاہتا کہ آنے والا اس کی بات سنے۔ پھر یہ ملاقاتی جان بوجھ کر کلام میں ہیرا پھیری اور کذب اندازی کرتا ہے یا بلا سمجھے بوجھے اِدھر اُدھر نقل کرتا ہے۔ یہ سب کچھ بزعم خویش دین کی نصرت اور بدعت کے خلاف جنگ کے مقصد سے ہوتا ہے۔ اس طرح کے امراض سے عافیت اور سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے(۲۲۷)۔

فرمانِ نبوی ہے: «...وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ، وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ، صُبَّ فِي أُذُنِهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ...»(۲۲۸):

"جو شخص کسی قوم کی بات سنے جبکہ لوگوں کو ناپسند اور ناگوار ہو یا اس سے بھاگیں تو قیامت کے دن اس کے کان میں رانگ پگھلا کر ڈالا جائے گا"۔

ہو سکتا ہے کہ یہ سوچ کہ چونکہ ابھی قیامت نہیں آرہی اس لیے ابھی اس کے کان میں رانگ نہیں ڈالا جائے گا، اس بے بصیرت شخص کو اتنا اندھا کر دے کہ وہ اس گناہ کی ہلاکت آفرینی اور اس

---

(۲۲۶) اس حدیث کو روایت کرنے والے ہیں: امام احمد مسند کے اندر، حدیث نمبر: ۶/۴، اور ابو داود حدیث نمبر: ۴۸۸۹، بروایت ابی امامۃ رضی اللہ عنہ۔ دیکھیے: غاية المرام بتخريج أحاديث "الحلال والحرام" از البانی رحمہ اللہ، حدیث نمبر: ۴۲۵، اور اس کو صحیح کہا ہے۔

(۲۲۷) اس طرح کی حرکت بسا اوقات طالب علم اپنے استاذ کے ساتھ کرتا ہے، حالانکہ وہ طالب علم ہے –وہ سلف کے منہاج اور اسلامی اخلاق سے نہایت نابلد ہے- آخر یہ طالب علم کب سے اسلام کا ٹھیکے دار ہو گیا اور اپنے استاذ کا نگراں بن گیا اور کب سے استاذ، اسلام اور مسلمانوں کے تئیں موردِ الزام بن گیا؟!

(۲۲۸) بخاری شریف، کتاب التعبير، باب مَن كَذَبَ في حُلمه، حدیث نمبر: ۷۰۴۲، (فتح الباری ۱۲/۴۲۷).

سے نفرت کو دیکھ ہی نہ پائے۔

کبھی آدمی اپنے ایسے مسلمان بھائی کی ملاقات کو جاتا ہے جس کے ساتھ کچھ چیزوں میں (جو شاید اجتہادی ہوں) اختلاف رکھتا ہے اور ان چیزوں میں اجتہاد کے نتائج کفر وایمان تک نہیں لے جاتے؛ بلکہ صرف ان کا تعلق خطا وصواب کی حد تک ہوتا ہے اور وہ ملاقات اللہ تعالی کے لیے نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کی خطا یا گناہ کو تلاش کرنا مقصد ہوتا ہے، اس میں سے جو بھی مل جائے خوش ہو جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس سے ملاقات کے لیے گیا ہے وہ اخلاص اور صدق دل سے اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، کبھی کبھی اس کو اپنا مخلص دوست سمجھ کر اپنا راز بھی اس کو بتا دیتا ہے، حالانکہ بے چارے کو پتہ نہیں کہ وہ دوست نما دشمن ہے۔ یہ دو چہرے والے دوغلے منافق ان بدترین لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ خبر دے چکے ہیں۔

## ٦- یہ خیال کہ مخالف مسلمان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا یا اس کو اس کے حقوق دینا جائز نہیں :

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مخالف مسلمان کے ساتھ کسی طرح کا اچھا برتاؤ جائز نہیں، اس سے ملاقات جائز نہیں، ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان کی ادائیگی جائز نہیں؛ حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ ایک یہودی لڑکے کے پاس تشریف لے گئے جو بیمار تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرمایا : «كَانَ غُلامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ، فَمَرِضَ؛ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ، فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَقَالَ لَهُ: «أَسْلِمْ»؛ فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ، وَهُوَ عِنْدَه، فَقَالَ لَهُ: أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ؛ فَأَسْلَمَ؛ فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ، وَهُوَ يَقُولُ: «اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ»!(٢٢٩) :

”ایک یہودی لڑکا نبیٔ پاک ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گیا تو نبیٔ پاک ﷺ اس کی عیادت (مزاج پرسی) کے لیے اس کے گھر تشریف لائے، اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے، پھر اس سے کہا : اسلام قبول کرلو۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، جو وہیں موجود تھا، تو باپ نے اس سے کہا : ابو القاسم کی بات مان لے۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر نبیٔ اکرم ﷺ یہ

---

(٢٢٩) بخاری شریف، حدیث نمبر: ١٣٥٦، کتاب الجنائز ، باب إذا أسلم الصبي، فمات، هل يُصلَّى عليه؟، بروایت انس رضی اللہ عنہ.

کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ اس اللہ کی حمد و ثنا جس نے اس کو جہنم سے نجات دے دی"۔

یہ ایک یہودی ہے، اس سے ملاقات کے لیے اللہ کا دین پہنچانے والے اللہ کے رسول ﷺ بذات خود جارہے ہیں۔ اے دین کا نام لیکر اندھیرے اور غلط راستے میں بھٹکنے والے کیا اب تمھارے پاس کوئی جواب ہے؟ دین میں تو اس طریقے کی کوئی اجازت و گنجائش ہی نہیں۔

### ۷- یہ خیال کہ مخالف مسلمان کو بے عزت کرنا جائز ہے :

بعض لوگ یہ جائز سمجھتے ہیں کہ مخالف مسلمان کی عزت وآبرو پر (محض اس اختلاف کی بنیاد پر) مختلف طریقوں سے طعن کریں؛ بلکہ وہ اس کو واجب سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس اس کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے جس سے استدلال کرکے کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنا درست ہو جائے؟ عام شرعی دلیلوں (جن سے اس کی سخت ممانعت معلوم ہوتی ہے) کے مقابلے میں کوئی دلیل کیسے بن سکتی ہے؟

### ۸- مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی کی ایذا رسانی کو اللہ کے یہاں باعث تقرب خیال کرنا :

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمان کو مختلف انداز سے (مثلاً اس کو دیکھ کر منہ بسورنا یا اس کے سلام کا جواب نہ دینا) اذیت پہنچا کر اللہ تعالی کا تقرب حاصل ہوتا ہے، اللہ تعالی اس نام نہاد "تقرب" سے بے نیاز ہیں۔ اس کا اس طرح کا یہ برتاؤ اپنے ذاتی جذبات واحساسات کا اظہار ہے جن کو آدمی دین کا لبادہ پہنا دیتا ہے۔ اللہ تعالی کا دین اس سے بری اور پاک ہے۔ افسوس کہ یہ دین کے نام پر اسلامی سماج میں کینہ، اذیت اور بداخلاقی کو راسخ (وعام) کرنے کا سبب ہے، جبکہ درحقیقت دینِ اسلام اس سے پاک ہے؛ بلکہ اس کی تعلیمات اس کے بالکل برعکس ہیں۔ اس میں اخوت، عدل وانصاف، حسنِ ظن، سلام کو عام کرنا، احسان، رواداری، سچائی، احتیاط اور اس طرح کی دوسری چیزیں ہیں جو دینی تصورات وافکار اور دینی اخلاق و مقاصد میں شامل ہیں۔

اس طرح کے اوہام کا احاطہ مشکل ہے اور یہاں ہمارا یہ مقصد بھی نہیں ہے۔

### سوم : مذکورہ خیالات اسلامی شریعت سے متصادم ہیں :

البتہ یہاں یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ یہ سبھی چیزیں شرعی نصوص میں موجود ان حقوق کے اصول وفروع کے خلاف ہیں۔ سلام کرنے، سلام کا جواب دینے کا عمومی حکم، اچھی بات کہنے، صدقہ

وخیرات کرنے، عام لوگوں، قریب اور پڑوس والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا عمومی حکم وغیرہ، سب ایسے عام احکام ہیں جو اس طرح کی تمام غلط فہمیوں کی تردید کرتے ہیں۔ مثلاً فرمانِ نبوی ہے : «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ؛ فَلا يُؤْذِي جَارَهُ ...» (۲۳۰):

"جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے"۔

ایک اور روایت میں ہے : «فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ» (۲۳۱):

"اس کو چاہیے کہ پڑوسی کی عزت کرے"۔

ایک اور روایت میں ہے : «...فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ ...» (۲۳۲):

"وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرے"۔

اس طرح کی دوسری احادیث سے ان غلط خیالات اور غلط سوچ کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً ان احادیث میں پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کسی شرط کا ذکر نہیں۔ باقی شرعی نصوص میں بھی اس طرح کی کسی شرط کا ذکر نہیں۔

اس کی ایک مثال وہ شرعی نصوص بھی ہیں، جن میں عمومی طور پر ظلم کی حرمت وارد ہے، مثلاً : ابو ذر غفاری ؓ سے مروی حدیث قدسی میں ہے : عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَّـهُ قَالَ : «يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلا تَظَالَمُوا ...» (۲۳۳):

"کہ اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالی سے نقل فرماتے ہیں : میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کیا ہے اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے، اس لیے ایک دوسرے پر ظلم مت کرو"۔

---

(۲۳۰) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۵۱۸۵، و۶۰۱۸، اور مسلم شریف، کتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۷۵ (۴۷) بروایت ابوہریرہ ؓ، اس میں «فلا يؤذي»، کے الفاظ ہیں۔ بعض روایات میں یا کے ساتھ ہیں [یعنی فَلا يُؤْذِيْ]، اور بعض میں بغیر یا کے [یعنی فَلا يُؤْذِ]۔

(۲۳۱) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۶۰۱۹، اور مسلم شریف، کتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۷۷ (۴۸) بروایت ابو شریح ؓ، نیز بخاری شریف، حدیث نمبر: ۶۴۷۵، اور مسلم شریف، کتاب الإيمان، حدیث نمبر: ۷۴ (۴۷) بروایت ابوہریرہ ؓ۔

(۲۳۲) بخاری شریف، حدیث نمبر : ۶۴۷۵، اور مسلم شریف، کتاب الإيمان، حدیث نمبر : ۷۶، ۷۷ (۴۸)، بروایت ابو شریح خزاعی ؓ۔

(۲۳۳) مسلم شریف، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر : ۵۵ (۲۵۷۷)۔

---

ظلم کی حرمت کے اس عموم (یعنی کسی بھی طرح کا ہو، کسی بھی شخص پر ہو اور کسی کی بھی طرف سے ہو اسے خود اللہ تعالی نے بھی اپنے لیے حرام قرار دیا ہے) اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ کسی مسلمان یا کسی انسان یا کسی جانور پر ظلم کے جائز ہونے کی کسی کے پاس کوئی دلیل ہو تو پیش کرے۔

دینِ اسلام میں اخلاق وآداب اس سے بھی کہیں بلند ہیں۔ بہت سی ایسی نصوص اور احکام موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا ارادہ بھی کسی مسلمان کو اذیت دینا جائز نہیں ہے۔ مثلاً: مسجد آنے سے پہلے لہسن اور پیاز کھانے سے سخت نفرت دلائی گئی، اس لیے نہیں کہ یہ حرام ہیں؛ بلکہ اس وجہ سے کہ نمازیوں اور اللہ کے فرشتوں کو ان سے اذیت ہوتی ہے(۲۳۴)!!۔

تمیم داری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ»، قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: «لله، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ»(۲۳۵):

”دین خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا کس کی خیر خواہی؟ فرمایا: اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے ائمہ وحکام کی اور عام مسلمانوں کی“۔

معلوم ہوا کہ واجب یہی خیر خواہی ہے اور اسی عموم کے ساتھ خیر خواہی کرنی واجب ہے، اس کی انجام دہی میں کوئی قید یا شرط نہیں اور جب دین نصیحت و خیر خواہی کا نام ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خیر خواہی کرنا ہر مسلمان کے ذمے واجب ہے۔ ان نصوص سے نصیحت کے بارے میں جو عموم معلوم ہو رہا ہے، اسی پر قائم رہیے۔ امام ابن حبان اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ”عقل مند پر واجب ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے لازماً خیر خواہی کرے۔ دل، زبان اور عمل ہر لحاظ سے، خیانت سے بچے، اس لیے کہ آپ ﷺ صحابۂ کرام سے بیعت کے وقت یہ شرط لگاتے تھے کہ وہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے، نیز نماز کا اہتمام کریں گے اور زکوۃ ادا کریں گے“(۲۳۶)!!۔

یہاں اس بات کا خیال رکھنا اہم ہو گا کہ آدمی میں یا تو نصیحت اور خیر خواہی ہو گی یا نہیں ہو گی، ایک یہ ناقابلِ تقسیم صفت ہے۔ لہذا جو شخص ناصح و مخلص ہو گا وہ ہر اس شخص کے لیے ناصح و مخلص ہو گا جس کے حق میں اللہ تعالی نے نصیحت واخلاص کو واجب کیا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالی، اس کے

---

(۲۳۴) مسلم شریف، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، حدیث نمبر: ٦٨-٧٨ (٥٦١-٥٦٧)، اور اس کا زیادہ تر حصہ بخاری شریف میں بھی موجود ہے۔

(۲۳۵) مسلم شریف، كتاب الإيمان، حدیث نمبر: ٩٥ (٥٥)۔

(۲۳۶) "روضة العقلاء ونزهة الفضلاء": ص ١٩٤.

رسول، اس کی کتاب، مسلمانوں کے ائمہ وحکام اور عام مسلمان سبھی کے لیے ناصح وخیر خواہ ہوگا۔ اب اگر آپ کسی کو کسی خاص میدان میں اخلاص کا دعوی کرتے ہوئے دیکھیں، سنیں تو سمجھ لیں کہ وہ صرف دعوے دار ہے سچا نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ میں عام مسلمانوں کا خیر خواہ ہوں، حکام کا نہیں تو سمجھ لیجیے کہ وہ جھوٹا ہے اور اگر کوئی کہے کہ میں حکام کے لیے مخلص ہوں جبکہ وہ عام مسلمانوں کو دھوکا دے رہا ہو تو سمجھ لیجیے کہ اس کا دعوی غلط ہے۔

نصیحت کا ہر موقع اخلاق ودین سے عبارت ہے، دونوں میں تفریق صحیح نہیں۔ تفریق کا ایک ہی مطلب ہے یعنی عدمِ اخلاص۔ اللہ تعالی ہمیں اس سے نجات دے۔

صفتِ "اخلاص" ہی کے مانند صفت "رحمت" بھی ہے۔ "رحم دل" انسان رحم کے مختلف مواقع پر رحم دل ثابت ہوگا، خاص کسی ایک موقعے پر نہیں۔ اگر "آدمی" صرف اپنی اولاد پر رحم کرے، دوسروں پر رحم نہ کرے تو یہ انسان کے ساتھ "انسان والی" یا "رحم دل" کے رحم کے مواقع پر کی جانے والی رحم دلی نہیں کہلائے گی؛ بلکہ یہ تو چوپایوں والی رحم دلی اور ان لوگوں کی رحم دلی کہلائے گی جو اپنی خواہشات کے اسیر ہیں۔

مذکورہ بالا نصوص اور ان کی ہم معنی نصوص کے عموم کے بارے میں بھی یہی (مذکورہ بالا تفصیل) بیان کی جاسکتی ہے اسی طرح لوگوں کے باہمی معاملات کے بارے میں بھی یہی بات کہہ سکتے ہیں یہ سب باتیں اور معاملات مجموعی طور پر دینی حکمتوں اور احکام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بلاشبہ اسلام ہی کا حصہ ہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہم ان تمام تفصیلات سے غافل ہیں۔ إِنَّا لِلهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُون!

صرف ان غلطیوں کا ارتکاب ہی قابل تعجب نہیں؛ بلکہ ان پر حریص ہونا اور ان کو دین وقربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھنا (بھی عجیب) ہے، جبکہ دین میں ان کی گنجائش نہیں؛ بلکہ دین اس کے بالکل برعکس (صحیح طرزِ عمل اختیار کرنے کا) حکم دیتا ہے۔

- جعفر بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: "دین میں اختلاف ولڑائی سے بچو، اس لیے کہ اس سے دل میں غفلت اور نفاق پیدا ہوتا ہے" (۲۳۷)۔

---

(۲۳۷) تہذیب سیر اعلام النبلاء: ص ۵۳۶۔

۔ فضیل رحمہ اللہ کہتے ہیں : ''اللہ کی قسم! کسی کتے یا خنزیر کو بھی ناحق اذیت پہنچانا جائز نہیں، پھر تم کسی مسلمان کو کیسے اذیت دیتے ہو''(۲۳۸)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ مسکراہٹ کی بابت تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ''ان سب میں نہایت بلند صفت ''مسکرانا اور خندہ پیشانی ہے'' اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے : «تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ» (۲۳۹) : ''اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا بھی تمھارے لیے صدقہ ہے''۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں آپ ﷺ کا برتاؤ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں : «وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي ... » (۲۴۰) : ''جب بھی مجھے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تو مسکرائے''۔

یہ ہے اسلامی اخلاق، لہذا سب سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ آدمی رات میں رونے والا اور دن میں مسکرانے والا ہو(۲۴۱)۔

آگے کہتے ہیں : ''ایک چیز رہ گئی وہ یہ ہے کہ زیادہ ہنسنے، مسکرانے والے کو اس میں کمی اور اپنے نفس کو ملامت کرنی چاہیے، مبادا دوسرے لوگ اس کو ناپسند کرنے لگیں۔ جبکہ ترش رو اور منقبض طبیعت والے کو مسکرانا چاہیے۔ اپنے اخلاق کو اچھا بنانا چاہیے اور بد اخلاقی کو اپنے نفس کے لیے برداشت نہیں کرنا چاہیے۔ راہِ اعتدال سے کسی بھی طرح ہٹنا مذموم ہے۔ نفس کے ساتھ مجاہدہ اور اس کو ادب سکھانا ضروری ہے''(۲۴۲)۔

ان شرعی نصوص کی روشنی میں مذکورہ بالا خیالات کا غلط ہونا اور دنیا و آخرت میں ان غلطیوں کا

---

(۲۳۸) تہذیب سیر اعلام النبلاء : ص ٦٦٣.

(۲۳۹) ترمذی شریف، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في صنائع المعروف، حدیث نمبر : ١٩٥٦، اور ترمذی نے اس کو ''حسن غریب'' کہا ہے، اور شیخ البانی نے اس حدیث کو ''صحیح سنن ترمذی'' میں ذکر کیا ہے، حدیث نمبر: ۱۵۹۴، نیز سلسلة احادیث صحیحہ، حدیث نمبر : ۵۷۲۔

(۲۴۰) بخاری شریف، كتاب الجهاد والسير، حدیث نمبر : ٣٠٣٦، اور مسلم شریف، كتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم، حدیث نمبر: ۱۳۵ (۲۴۷۵)، حدیث کے پورے الفاظ یہ ہیں: «مَا حَجَبَنِي النَّبِيُّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا رَآنِي إِلَّا تَبَسَّمَ فِيْ وَجْهِيْ»۔

(۲۴۱) تہذیب سیر اعلام النبلاء : ص ۷۴۷.

(۲۴۲) تہذیب سیر اعلام النبلاء : ص ۷۴۷.

(غلط اور) بھیانک ہونا معلوم ہو گیا۔

## چہارم: اس بحث کا خلاصہ:

ان نصوص کے جائزے سے یہ باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱- کتاب وسنت کے اندر ان نصوص کی مخالفت میں دوسری نصوص نہیں ہیں۔

۲- اس سلسلے میں کتاب وسنت میں پائے جانے والے احکام، ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق کی تینوں انواع کو شامل ہیں یعنی: دل پر واجب حقوق، زبان پر واجب حقوق اور دیگر اعضا وجوارح پر واجب حقوق۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق تمام اعضا وجوارح سے وابستہ ہیں۔ اس کا یہ بھی مطلب ہوا کہ مسلمان پر مسلمان کے حقوق کے تعلق سے دل، زبان اور تمام اعضا میں اتفاق ہونا چاہیے۔

۳- ان مذکورہ بالا نصوص یا ان کی ہم معنی نصوص کے لیے کتاب وسنت میں ”ناسخ نصوص“ نہیں ہیں۔

۴- کوئی یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ کلام اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ کو منسوخ کرنے کا اسے حق حاصل ہے۔

۵- اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ نصوص واحکام انتہائی مضبوط ہیں۔ اور یہ کہ مذکورہ بالا باتیں:

- اسلام کی بڑی خصوصیات میں سے ہیں۔
- اور یہ اللہ تبارک وتعالی پر ایمان لانے کے ثمرات ونتائج ہیں۔
- یہ دین اور معاشرہ وسوسائٹی کو شکست وریخت سے بچانے کے اہم ذرائع ہیں۔
- یہ مسلمانوں کے باہمی حقوق، حاکم ورعیت اور بڑوں چھوٹوں کے حقوق کی حفاظت کے اہم ذرائع ہیں۔
- ان آیات واحادیث میں مذکورہ امور کے خلاف یا ان سے متصادم امور پر مبنی ہر دعوی اور دعوت شرعاً، عقلاً اور فطرتاً ردونا منظور ہے۔

* * *

# دوسری بحث

## غیر مسلم مخالف کے ساتھ برتاؤ کا اخلاق

### تمہید :

غیر مسلم کے ساتھ مسلمان کے تعلقات کے بارے میں کچھ تفصیل ہے جو تعلقات کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہے، نیز یہ کہ یہ تعلقات افراد کے ساتھ ہیں یا ملکوں کے ساتھ، اسی طرح حالتِ امن کے تعلقات ہیں یا حالت جنگ کے؟ یہاں ان کو بیان کرنا مقصود نہیں؛ بلکہ مقصد اخلاق کے ساتھ ان کے ربط یا بہت سے مسلمانوں کے یہاں اس سلسلے میں پائی جانے والی غلطیوں کو مدِّ نظر رکھ کر ان تعلقات کی نوعیت کو بیان کرنا ہے۔

غیر مسلم کے ساتھ تعلقات کو اسلام نے تمام حالات میں جس بنیاد پر قائم کیا ہے وہ اعلیٰ اخلاق، حسنِ معاملہ، بر موقع دعوت و تبلیغ اور شرعی مواقع پر اللہ کے راستے میں جہاد ہے۔ لہذا رواداری کا اپنا شرعی موقع ہے تو ہوشیاری و احتیاط کا اپنا موقع ہے۔ یہ تمام مواقع حسن اخلاق پر قائم ہیں۔

جی ہاں! مسلمان کے غیر مسلم کے ساتھ تعامل و اشتراک کی یہی بنیاد ہے؛ کیونکہ ایک غیر مسلم، مسلمان کے ساتھ بنیادی عقیدہ و شریعت میں مکمل اختلاف رکھتا ہے۔ لہذا ہمیں ”کافر مخالف کے ساتھ مسلمان کے برتاؤ کے اخلاق“ کی تعبیر و عنوان اختیار کرنے کی ضرورت نہیں (۲۴۳)؛ کیونکہ فطری طور پر غیر مسلم اصل دین میں مسلمان کا مخالف ہے۔

ذیل میں اس موضوع کی خصوصیات پر کلام کیا جارہا ہے۔

---

(۲۴۳) کیونکہ اس دین کے لحاظ سے کوئی کافر، مسلمان کا مخالف نہ ہو ممکن نہیں اور ان دو جملوں ”کافر مخالف کے ساتھ برتاؤ“ اور ”مخالف کافر کے ساتھ برتاؤ“ کے مابین فرق واضح اور نمایاں ہے۔ مسلمان کے تعلق سے یہ بات الگ ہے کہ ”مسلمان مخالف“ اور ”مسلمان غیر مخالف“ کا وجود ہے۔

یہاں شاید اس بات کی طرف اشارہ کر دینا اہمیت سے خالی نہیں کہ اس موضوع پر بحث و تحقیق یا اس سے متعلق مطالب ونقطۂ نظر کے آخذ و مصادر صرف کتاب و سنت کی نصوص ہیں۔ اس موضوع کے سمجھنے میں یہ نصوص ہی دلیل ورہنما اور قاطع اور فیصلہ کن ہیں۔

## ۱- غیر مسلم غیر حربی کے ساتھ مسلمان کے تعلقات کے شرعی اصول :

غیر مسلم کی دو قسمیں ہیں : حربی اور غیر حربی۔ ہر ایک سے متعلق مخصوص اسلامی احکام ہیں اور مسلمان کا فریضہ ہے کہ ان کا التزام وپابندی کرے۔

اسلامی حکم کے لحاظ سے غیر مسلم (غیر حربی) کے ساتھ تعلقات کی شکلیں حسب ذیل ہیں :

۱- اس کو تکلیف نہ دی جائے، نہ اس پر ظلم اور زیادتی ہو۔ یہ اس فرمانِ نبوی کا مصداق ہے : «مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا» (۲۴۴) :

”جو شخص کسی ”معاہد“ کو قتل کرے تو وہ جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا، جبکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوگی“۔

غیر مسلم ”معاہد“ کے قتل کرنے والے کے لیے یہ وعید زبانِ نبوت سے صادر ہوئی ہے۔

۲- نیز اسلام کے بنیادی اخلاق یعنی سچائی، امانت داری، عدل وانصاف اور بر موقع رحم وکرم اور دوسرے اخلاقِ فاضلہ کی پابندی کی جائے۔

۳- اسی طرح انسانی حسنِ سلوک کیا جائے۔ مثلاً اس کو ہدیہ دینا، اس کی مدد کرنا وغیرہ جو اخلاقِ حسنہ کے تحت آتے ہیں، ان میں شرعی اخلاقی ضوابط کی رعایت رکھی جائے گی(۲۴۵)، ہدیے کی مثال یہ ہے کہ اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کہتی ہیں : قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؛ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، قُلْتُ : إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟ قَالَ : «نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ» (۲۴۶) :

---

(۲۴۴) بخاری شریف، کتاب الجزیة والموادعة، حدیث نمبر : ۳۱۶۶، بروایت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما.

(۲۴۵) اس سلسلے میں ایک اہم ضابطہ یہ ہے کہ حرام چیز نہ ہو اور نہ ہی دین واخلاق کو قربان کر کے ہو۔ مثلاً اسلام اور مسلمانوں کے تئیں فرائض وواجبات کو نظر انداز کر کے نہ ہو۔

(۲۴۶) بخاری شریف، کتاب الهبة، حدیث نمبر : ۲۶۲۰، اور مسلم شریف، کتاب الزكاة، حدیث نمبر : ۵۰(۱۰۰۳)۔

”میرے پاس میری والدہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آئیں وہ اس وقت مشرکہ تھیں تو میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: میری والدہ آئی ہیں اور وہ کچھ چاہتی ہیں، تو کیا میں اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بالکل، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو“۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مشرک بھائی کو جو مکے میں تھا ایک جوڑا کپڑا ہدیہ دیا۔ یہ ان کو نبی کریم ﷺ سے ملا تھا(۲۴۷)، اسی طرح اللہ تعالی نے مشرکوں اور غیر مسلموں سے عمومی طور پر ہدیہ قبول کرنا مباح قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے بکریوں کے مالک سے جو مشرک تھا ایک بکری لینی چاہی تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: «بَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً، أَوْ قَالَ: أَمْ هِبَةً؟». قَالَ: لَا، بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً(۲۴۸):

”بطور بیع ہے یا عطیہ، یا فرمایا: (بطور بیع ہے) یا ہبہ ہے؟ تو اس نے کہا: نہیں، بلکہ بیع کے طور پر۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی“۔

«وَأَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ، وَكَسَاهُ بُرْدًا، وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ»(۲۴۹):

”ایلہ کے بادشاہ نے آپ ﷺ کو ایک سفید خچر ہدیے میں بھیجا تو آپ ﷺ نے اس (ایلہ کے بادشاہ) کو ”چادر“ عنایت فرمائی، اور (اس کے زیر انتظام) بستی (بطور صلح و امان) اس کے لیے لکھ دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے مشرک کا ہدیہ قبول بھی کیا اور اس کو ہدیہ دیا بھی۔ لہذا مشرک کو ہدیہ دینا اور اس سے ہدیہ لینا جائز ہے(۲۵۰)، بنیادی طور پر یہی حکم ہے۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی ایسی

---

(۲۴۷) بخاری شریف، (متعدد جگہوں پر مثلاً) حدیث نمبر: ۲۶۱۹، اور مسلم شریف، كتاب اللباس والزينة، حدیث نمبر: ٦(٢٠٦٨)۔

(۲۴۸) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۲۲۱٦، كتاب البيوع، باب الشراء والبيع مع المشركين وأهل الحرب، اور مسلم شریف، كتاب الأشربة، حدیث نمبر: ۱۷۵(۲۰٦۵)، بروایت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب الہبہ کے اندر ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے «باب: قبول الهدية من المشركين»، اور ایک دوسرا باب بعنوان: «باب: الهدية للمشركين».

(۲۴۹) بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۴۸۱، كتاب الزكاة، باب خرص التمر، اور فتح الباری ٦/۲٦٦، اور مسلم شریف، كتاب الفضائل، حدیث نمبر: ۱۱(۱۳۹۲) بروایت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ.

(۲۵۰) یہ مسئلہ علماء کے درمیان ”اختلافی“ ہے جس کی وجہ یہ احادیث، اور ان جیسی احادیث ہیں اور ”عیاض بن حمار“ کی حدیث ہے کہ انھوں نے کوئی ہدیہ یا ایک اونٹنی رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کی، تو آپ ﷺ نے دریافت کیا تم مسلمان ہو؟ انھوں نے =

چیز نہ ہو جس کی وجہ سے وہ حرام بن جائے۔ مثلاً: اس کے ساتھ اخلاق ودین کو قربان کرنا پایا جائے، یہ ایک عام حکم ہے، حتی کہ مسلمان کے بارے میں بھی یہی ہے۔

تاہم مسلمان کو ہوشیار رہنا بھی ضروری ہے کہ کسی کافر یا کفار کے ساتھ اس کا برتاؤ، دوستی یا محبت یا مسلمانوں پر کفار کو فوقیت دینے یا کفریہ مسائل میں ان کا ظاہری احترام واکرام یا ان کی حد سے زیادہ تعریف یا ان کی عبادتوں کی حمایت یا ان کے تہواروں پر مبارکبادی یا ان کے کسی مذہبی شعار کی طرف داری میں تبدیل نہ ہو جائے یا کوئی ایسا کام نہ ہو، جس سے کفر لازم آئے۔

اسی طرح اسلام مسلمانوں کو ایسے برتاؤ کی اجازت نہیں دیتا جس میں دوہرا پن ہو مثلاً:

- مسلمان کے ساتھ برتاؤ میں اس کا الگ انداز ہو یعنی اعلیٰ اخلاق سے پیش آنے کا۔
- اور کافر کے ساتھ محض اس کے کافر ہونے کی وجہ سے بدتمیزی وبد اخلاقی کا انداز اختیار کیا جائے (اسلام اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا)۔

---

=

کہا نہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے مشرکوں کا جھاگ لینے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو ترمذی شریف میں روایت کیا گیا ہے، حدیث نمبر: ۱۵۷۷، کتاب السیر، اور ابو داؤد شریف، حدیث نمبر: ۳۰۵۷، کتاب الخراج والامارۃ والفیٔ۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث ”حسن اور صحیح“ ہے۔ اور فرمایا: ”مشرکوں کے جھاگ سے منع کیا گیا ہے“ سے مراد ان کا ”ہدیہ“ ہے۔ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے ”ہدیہ“ قبول کرتے تھے۔ اس حدیث سے کراہیت معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے قبول کرتے رہے ہوں، بعد میں منع کر دیا گیا ہو“۔

میں کہتا ہوں: امام ابن حجر نے ”نسخ اور تخصیص“ کے دعوے کو ضعیف قرار دیا ہے، اور ابن حجر نے ائمہ کا اختلاف یہ کہتے ہوئے نقل کیا ہے کہ ”مصنف یعنی امام بخاری نے کئی حدیثیں نقل کی ہیں جن سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ طبری نے ان میں یہ تطبیق دی ہے کہ قبول نہ کرنا اس صورت میں ہے، جبکہ خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ دیا گیا ہو اور قبول کرنا اس صورت میں ہے جبکہ تمام مسلمانوں کے لیے ہدیہ دیا گیا ہو۔ لیکن یہ محل نظر ہے، اس لیے کہ جواز کی دلیلوں میں سے بعض میں خصوصی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ ملنے کی بات موجود ہے۔ دوسرے حضرات نے ان میں یہ تطبیق دی ہے کہ قبولیت سے گریز اس شکل میں ہے جبکہ ہدیے کا مقصد یہ ہو کہ آپ اس سے محبت اور دوستی کریں اور قبول کرنا اس صورت میں ہے، جب یہ امید ہو کہ وہ اسلام سے مانوس ہو جائے گا اور اس کو اسلام سے جوڑنا ہو۔ یہ رائے پہلی رائے سے قوی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، دوسرے حکام کے لیے ممنوع ہے۔ کچھ لوگ قبولیت والی احادیث کی بنیاد پر ممانعت کو منسوخ مانتے ہیں اور بعض لوگ اس کے برعکس کہتے ہیں۔ یہ تینوں جوابات کمزور ہیں، اس لیے کہ احتمال کی بنیاد پر نسخ یا تخصیص کا ثبوت نہیں ہوتا“۔ (فتح الباری ۵/ ۲۳۱)۔

میں کہتا ہوں: تاہم جواز کی احادیث تعداد اور شہرت میں زیادہ ہیں اور زیادہ قوی بھی ہیں۔ پھر مختلف حالات اور شرعی مصالح کی رعایت بھی ضروری ہے۔ احادیث میں اختلاف کے باوجود یہ طے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رعایت فرماتے تھے اور احادیث میں اختلاف کی بنیاد بھی شاید یہی ہو۔ واللہ اعلم۔

البتہ اسلام کا فر اور مسلمان کو ایک دوسری سطح یعنی دین اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسلمانوں کے باہمی حقوق اور اللہ تعالی کی ولایت اور نصرت کی سطح پر برابر نہیں رکھتا۔

انسانوں کے ساتھ مسلمان کے برتاؤ کا ایک ہی عام ضابطہ ہے یعنی حسنِ اخلاق کا ضابطہ، یہ شرعی برتاؤ کا ضابطہ ہے۔ اس ضابطے کے تحت مستحقِ مساوات کے مابین مساوات قائم رکھنا ہے اور مستحق تفریق کے مابین فرق کرنا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

غیر مسلم کے ساتھ مسلمان کے برتاؤ کے مختصراً دو مواقع ہیں:

### الف—نیکی، حسنِ سلوک اور مختلف اخلاقِ فاضلہ کا موقع و محل اور شرعی حکم:

اس موقعے سے متعلق حسب ذیل اسلامی احکام آتے ہیں:

- اسلامی نقطۂ نظر سے دین میں زور زبردستی کرنا حرام ہے۔ فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿لَآ إِكۡرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشۡدُ مِنَ ٱلۡغَيِّۚ﴾ (۲۵۱):

"دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت اور ضلالت واضح ہو چکی ہیں"۔

- ہر فرد کے ساتھ ہر حالت میں ایک مسلمان کا فرض ہے کہ حسن اخلاق سے پیش آئے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

- مسلم یا غیر مسلم کسی کے ساتھ بھی غداری یا ظلم کرنا مسلمان پر حرام ہے۔ اس موضوع پر شرعی نصوص بہ کثرت موجود ہیں، مثلاً: فرمان باری تعالی ہے: ﴿وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلظَّٰلِمِينَ﴾ (۲۵۲): "اور اللہ تعالی ظالموں کو پسند نہیں کرتا"۔

فرمانِ نبوی ہے: «اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (۲۵۳): "ظلم قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی ہو گا"۔

---

(۲۵۱) ۲۵۶ : البقرة : ۲.

(۲۵۲) ۱۴۰، و۱۵۷ : آل عمران : ۳.

(۲۵۳) بخاری شریف، حدیث نمبر : ۲۴۴۷، کتاب المظالم، باب الظلم ظلمات یوم القیامة، ومسلم شریف، کتاب البر والصلة، حدیث نمبر : ۵۷(۲۵۷۹)، بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما.

نیز فرمایا: «إِذَا جَمَعَ اللهُ الْأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُرْفَعُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ، فَقِيلَ: هَذِهِ غَدْرَةُ فُلانِ بْنِ فُلانٍ»(۲۵۴)!

”جب اللہ تعالی قیامت کے دن اولین وآخرین کو جمع کریں گے تو ہر عہد شکنی کرنے والے کا ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور بتایا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے“۔

امام بخاری نے ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: «بَابُ: إِثْمِ الْغَادِرِ لِلبَرِّ وَالْفَاجِرِ» اس سلسلے کی آیات واحادیث اس قدر کثیر ہیں کہ ان کے احاطے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ امام بخاری نے اپنی ”صحیح“ میں ایک باب کا عنوان «كِتَابُ الْـمَظَالِمِ» قائم کیا ہے۔

ظلم کی حرمت کے بارے میں شرعی نصوص کے عموم میں کوئی تخصیص نہیں اور کسی شرعی نص میں یہ نہیں آیا ہے کہ کسی شکل میں غیر مسلم کے ساتھ غداری یا اس پر ظلم کرنا جائز ہے۔

- غیر مسلم (اگر حربی نہ ہو) کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیکی کرنا جائز ہے جیسا کہ بعض دلائل کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔

### ب – دین کو تج کر غیر مسلم کے ساتھ تعلقات کا حکم:

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ جائز نہیں کہ دین وعقیدے اور اخلاق کو تج کر غیر مسلم کے ساتھ مسلمان تعلق قائم کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے غیر مسلم کے ساتھ اخلاق وعادات وبرتاؤ کی کچھ صورتیں حرام قرار دی ہیں، جس کے ممکنہ بنیادی اصول حسب ذیل ہیں:

- غیر مسلم کے ساتھ ایسی محبت جس کی اجازت اسلام نے نہیں دی (یعنی جو دین کو قربان کرکے ہو) فرمانِ باری تعالی ہے ﴿لَّا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْأَخِرِ يُوَآدُّونَ مَنْ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوْ كَانُوٓاْ ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَٰنَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ﴾(۲۵۵):

”اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت

---

(۲۵۴) مسلم شریف، کتاب الجهاد والسير، حدیث نمبر: ۹(۱۷۳۵)، الفاظ حدیث مسلم کے ہیں، اس کے کچھ اور الفاظ بھی آئے ہیں، دیکھیے احادیث نمبر: ۱۶ تک، اور بخاری شریف میں دوسرے الفاظ کے ساتھ ہے، دیکھیے: كتاب الجزية والموادعة، باب إثم الغادر للبرّ والفاجر، حدیث نمبر: ۳۱۸۸، بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما.

(۲۵۵) ۲۲: المجادلة: ۵۸.

کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے گو وہ ان کے باپ ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں"۔

اس حکم کا تعلق "اوصاف" سے ہے، "افراد" سے نہیں۔ لہٰذا جو بھی اللہ اور رسول کا مخالف ہو، اس کے بارے میں یہ حکم عام ہے۔ اس سے محبت و مودت جائز نہیں؛ بلکہ ایسے شخص سے اللہ کے لیے بغض رکھنا ضروری ہے۔ اس سے بغض اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالی کے یہاں ناپسند ہے۔ فرمانِ باری تعالی ہے:

﴿فَإِن تَوَلَّوْاْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْكَٰفِرِينَ﴾(۲۵۶):

"پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو اللہ تعالی کافروں کو پسند نہیں کرتے"۔

نیز فرمایا: ﴿إِنَّهُۥ لَا يُحِبُّ ٱلْكَٰفِرِينَ﴾(۲۵۷): "بیشک وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا"۔

- مسلمانوں کو چھوڑ کر غیر مسلموں سے دوستی کرنا: فرمانِ باری تعالی ہے: ﴿لَّا يَتَّخِذِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۖ﴾(۲۵۸):

"نہ بنائیں اہل ایمان کافروں کو جگری دوست اہل ایمان کو چھوڑ کر"۔

لہٰذا غیر مسلم کے ساتھ مسلمان کی دوستی اور موالات جائز نہیں، اللہ تعالی نے اس کی اجازت نہیں دی۔ البتہ دوستی اور موالات سے مراد اس کا شرعی مفہوم ہے۔ وہ معنی مراد نہیں جسے بعض مسلمان سمجھتے یا سمجھاتے ہیں جو اسی بنا پر اللہ تعالی کی مباح کی ہوئی بہت سی چیزوں سے روکتے ہیں یا جن کو اللہ تعالی نے غیر مسلم کے ساتھ برتاؤ میں واجب فرمایا ہے یا اپنے نقطۂ نظر سے وہ ایسی چیزوں کو واجب قرار دیتے ہیں جن کو اللہ تعالی نے حرام فرمایا ہے۔

جس دوستی اور موالات کی ممانعت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مسلمان غیر مسلم کے ساتھ مسلمانوں اور دین و اخلاق کو چھوڑ کر کسی امر یا کسی حال میں تعلق قائم کرے، خواہ یہ تعاون کی بات ہو یا مودت و دوستی کی یا ان کے علاوہ کوئی اور بات ہو۔ مثلاً کسی ممنوع و منکر چیز میں غیر مسلم کی موافقت

---

(۲۵۶) ۳۲ : آل عمران : ۳.

(۲۵۷) ۴۵ : الروم : ۳۰.

(۲۵۸) ۲۸ : آل عمران : ۳.

یا اس میں اس کے ساتھ شرکت کرنا۔

## ۲- غیر مسلم حربی کے ساتھ مسلمان کے تعلقات کی شکلیں :

غیر مسلم حربی کے ساتھ مسلمان کے تعلقات کی شکلیں حسب ذیل ہیں :

- ان کو دعوتِ اسلام دینے سے قبل لڑائی شروع کرنے کی ممانعت۔ غزوۂ خیبر میں علم بردار حضرت علی ؓ کو آپ ﷺ نے اسی کی تاکید فرمائی تھی : «اُنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ، حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الإِسْلامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ، فَوَاللهِ، لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا، خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ» (۲۵۹) :

"ذرا سنبھل کے جاؤ یہاں تک کہ ان کے میدان میں اتر جاؤ۔ پھر انھیں اسلام کی دعوت دو اور انھیں وہ باتیں بتاؤ جو ان پر فرض ہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالی تمھارے ذریعے کسی ایک شخص کو ہدایت دے دے یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بدرجہا بہتر ہے"۔

- جنگ میں غداری اور مثلہ کرنے (یعنی دشمنوں کے اعضا کاٹ کر ان کی صورتیں بگاڑنے) کی ممانعت۔
- ان لوگوں کے قتل کی ممانعت جن کے قتل کی ضرورت جہاد فی سبیل اللہ میں نہیں ہے یعنی جو جنگ میں شریک نہیں ہیں مثلاً : بچے، عورتیں، پادری اور راہب جو اپنے عبادت خانوں میں عبادت کے لیے الگ تھلک رہتے ہیں، اسی طرح بوڑھے جو میدانِ جنگ سے باہر ہوں۔

حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں : «وُجِدَتْ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللهِ ﷺ؛ فَنَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ» (۲۶۰) :

ایک غزوے میں ایک مقتولہ ملی، تو آپ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا"۔

- بلا ضرورت کھیتوں اور پھلوں کو تباہ کرنے، گھروں کو آگ لگانے، پانی کو زہر آلود کرنے کی

---

(۲۵۹) بخاری شریف، كتاب الجهاد، باب فضلِ مَنْ أسلم على يَدَيْهِ رجلٌ، حدیث نمبر : ۳۰۰۹، و مسلم شریف، کتاب فضائل الصحابة ؓ، حدیث نمبر : ۳۴(۲۴۰۶).

(۲۶۰) بخاری شریف، كتاب الجهاد، باب قَتْل النساء في الحرب، حدیث نمبر : ۳۰۱۵، اور مسلم شریف، کتاب الجهاد والسير، حدیث نمبر: ۲۴(۱۷۴۴)۔ اور ملاحظہ ہو: حكم قتل النساء والصبيان" فتح الباری..." : ۱۴۶/۶-۱۴۸.

حرمت؛ کیونکہ یہ زمین میں فساد کی ممانعت کے عموم میں داخل ہے۔

اب کفار کے ساتھ برتاؤ کی نوعیت اور اخلاق سے متعلق غلط تصورات کا بیان رہ گیا ہے جن کو بعض مسلمان اسلام کا حصہ سمجھتے ہیں؛ حالانکہ اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

ہم ان غلط تصورات میں سے بعض کی طرف ذیل میں اشارہ کر رہے ہیں:

## ۳- بعض غلط تصورات کی شکلیں اور ان کا حکم:

اس سلسلے میں غلط تصورات کی متعدد شکلیں ہیں اور ان کے اسباب بھی مختلف ہیں، نقاط ذیل میں ان میں سے اہم نقاط کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

### الف- ذاتی احساسات اور حالات کو بنیاد بنانا:

غیر مسلم کے تئیں مسلمان کے ذمے واجب اخلاق اور شرعی برتاؤ کو سمجھنے میں غلطی کا بڑا سبب، شاید یہ ہے کہ شرعی نصوص اور احکام کو بنیاد بنانے کے بجائے آدمی اپنے ذاتی احساسات اور حالات کو بنیاد بنا کر چلتا ہے، جس کے نتیجے میں اس موضوع سے متعلق بہت سے تصورات اور تحریریں انفرادی حالات، احساسات اور مزاج کے تابع ہو کر سامنے آتے ہیں۔ پھر ان میں قوت وکمزوری، سختی ونرمی اور جوش وسستی کے لحاظ سے حالات مختلف ہوتے ہیں۔

حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلام کے اس اہم پہلو کے بارے میں معلومات کا ماخذ شرعی نصوص ہوں، نہ کہ آدمی کے ذاتی حالات وکردار یا زمانے کے تقاضے(۲۶۱)۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلے کی تمام نصوص کو دیکھا جائے اور صحیح طریقے کے مطابق ان کو سمجھا جائے۔

یہ بات توقیفی ہے کہ بعض مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ کے تعلق سے اسلام کے لیے اپنے اخلاص کی تعبیر میں جو جذباتی تصرفات واقدامات کرتے ہیں اور ان کے ذریعے ناپسندیدگی اور

---

(۲۶۱) خصوصاً اس دور میں جب بعض ممالک مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ اخلاقِ حسنہ کے اصولوں سے دور، انواع واقسام کی بدسلوکی اور ظلم کر رہے ہیں، جس کا اثر مظلوم مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات کی نوعیت پر پڑا، ان کے نقطہائے نظر اور ان کے طرزِ عمل متاثر ہوئے، ان کے تئیں ان کی آرا وافکار میں اس کا اثر ظاہر ہوا۔ بُرائی، بُرائی کو جنم دیتی ہے اور غلطی اپنے پیچھے غلطی کو لاتی ہے، نیز غلطی غلطی کو ہی جنم دیتی ہے۔

دشمنی کا جس طرح اظہار کرتے ہیں، ان سے اسلام کو اتفاق نہیں، ان کا خیال ہے کہ وہ اسلام کی مدد کر رہے ہیں، حالانکہ دین کی مدد کے لیے سنجیدہ کوشش میں ان تصرفات کی کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ یہ اسلامی اخلاق وآداب کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ یہ اس کے غماز ہیں۔ یہ ہرگز اسلام کی خدمت نہیں ہے، یہ تصرفات صرف ذہنی تناؤ اور غلط ردِّ عمل کا نتیجہ ہیں۔ (حالانکہ ان میں سے بیشتر دین کی محبت وغیرت اور ایمان صادق کا نتیجہ ہوتے ہیں، مگر دین کی صحیح فہم وسمجھ کا فقدان ہے) صحیح طریقہ جس کو اختیار کرنا چاہیے، یہ ہے کہ اس سلسلے میں گہری سنجیدہ کوشش ہونی چاہیے، جو اس سلسلے میں یا مختلف سطحوں پر دین کے لیے مفید ہو، اس میں اسلامی طریقے اور احکام سے روشنی لی گئی ہو، وہ اسلامی اخلاق وآداب سے آراستہ ہو۔ فرمانِ باری ہے: ﴿وَلَيَنصُرَنَّ ٱللَّهُ مَن يَنصُرُهُۥٓ﴾(۲۶۲):

”جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا“۔

یہ ضروری ہے کہ ہماری طرف سے اللہ کے دین کی مدد اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق ہو، ہماری اپنی خواہشات کے مطابق نہ ہو، بھلے ہی ہماری خواہشات دین کی خاطر کیوں نہ ہوں، بس شرط یہ ہے کہ دین کی مدد کا طریقہ کسی بھی طرح اسلامی طریقے کے خلاف نہ ہو۔

### ب- غیر شرعی تصورات کو شرعی سمجھنا:

اس سلسلے میں بہت سے تصورات ایسے ہیں جو اسلامی احکام سے میل نہیں کھاتے۔ اس کے باوجود آدمی ان کو شرعی سمجھ کر برتتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اسلام ان کی دعوت دیتا ہے۔ سطور ذیل میں ان کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے:

اس مسئلے میں بعض نیک مسلمانوں کی غلط فہمیاں:

### ا- یہ خیال کہ غیر مسلم کو اذیت دینے میں اجر وثواب ہے:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت نے حکم دیا ہے کہ مسلمان غیر مسلم کو اذیت دے اور یہ عمل اجر وثواب کا باعث ہے۔ اس تصور کی کسی شرعی نص سے بالکل تائید نہیں ہوتی۔ شاید ان کا خیال ہو کہ کتاب وسنت میں ایسی نصوص ہیں جو اس طرح کے عمل کو مباح قرار دیتی ہیں، اسی خیال نے ان کو اس غلط

---

(۲۶۲) ۴۰ : الحج : ۲۲.

فہمی میں ڈالا ہو یا ان نصوص کو سمجھنے میں ان کو التباس ہو گیا ہو، جن میں مسلمانوں کو حکم ہے کہ لڑائی میں کفار کو زک دینے کے لیے صبر و تحمل سے کام لیں، لیکن یہ خیال غلط ہے اور اس موضوع کی نصوص سے خروج کرنے کے مترادف ہے۔ ہاں اللہ تعالی کے بندوں کی صفات میں یہ فرمان آیا ہے : ﴿أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ﴾(۲۶۳): ”جو مومنوں کے لیے نرم اور کافروں کے لیے سخت ہوں“۔

اسی طرح حدیث میں وارد ہے : «... فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ، فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ» (۲۶۴):

”جب راستے میں تمھارا ان میں سے کسی سے آمنا سامنا ہو جائے تو تم اسے تنگ حصے کی طرف جانے پر مجبور کردو“۔

لیکن ان نصوص کو ان کے سیاق سے یا ان کے مرادی معنی سے الگ کرنا زبردست غلطی ہے جیسا کہ اگلے پیرا نمبر ۴/ اور نمبر ۶/ پر معنیٔ مرادی کا بیان آرہا ہے۔

## ۲- یہ خیال کہ غیر مسلم کے ساتھ حسنِ برتاؤ حرام ہے :

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلم کے ساتھ حسنِ معاملہ اور اچھا برتاؤ حرام اور شرعاً ممنوع ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلم کے حق میں سچائی اور عدل وانصاف صحیح نہیں۔

قرآن وحدیث سے اس تصور کی قطعاً تائید نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ خیال قرآن وحدیث میں وارد صداقت، عدل وانصاف اور دوسرے تمام اخلاقِ فاضلہ کے اختیار کرنے کی تاکید کے خلاف ہے، اسی طرح کذب، ظلم وجور اور دوسرے بُرے اخلاق کی علی الاطلاق حرمت پر اسلام میں جو زور دیا گیا ہے، یہ بات اور یہ خیال اس سے بھی متصادم ہے۔

## ۳- حسنِ معاملے کے مفہوم اور ولاء وبراء (دوستی ودشمنی) کے مفہوم میں التباس :

غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ معاملہ کا مفہوم اور دوستی و دشمنی کے مفہوم میں بعض لوگوں کو التباس ہو گیا ہے، یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مثلاً غیر مسلم کے ساتھ حسنِ معاملہ کا مطلب اس کے ساتھ موالات اور دوستی قائم کرنا ہے، حالانکہ بات یہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، ان

---

(۲۶۳) ۵۴ : المائدة : ۵.

(۲۶۴) یہ روایت آئندہ فقرے میں نمبر ۴ پر آرہی ہے۔

دونوں میں قطعاً کوئی تعارض نہیں۔

### ۴- یہ خیال کہ غیر مسلم کو سلام کرنا بالکل ناجائز ہے :

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ غیر مسلم کو سلام کرنا بالکل صحیح نہیں ہے؛ حالانکہ نبیٔ اکرم ﷺ حضرت اسامہ کے ساتھ، ایک مجلس میں آئے جس میں مسلمان، مشرکین، بُت پرست اور یہود سب تھے اور آپ نے ان کو سلام کیا «أَتَى مَجْلِسَ قَوْمٍ، فِيهِمْ أَخْلَاطٌ مِنَ الْـمُسْلِمِيْنَ وَالْـمُشْرِكِيْنَ، عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ، وَالْيَهُوْدِ؛ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ» (۲۶۵):

”آپ ﷺ کچھ لوگوں کی مجلس میں آئے جن میں مسلمان، مشرک یعنی بُت پرست اور یہود سب تھے تو آپ نے انھیں سلام کیا“۔

اس طرح کی حدیث کو ان احادیث کے ساتھ ملانا چاہیے جو اہل کتاب کو سلام کرنے کے بارے میں آئی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا : «إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ؛ فَقُولُوا : وَعَلَيْكُمْ» (۲۶۶) : ”جب اہل کتاب تمھیں سلام کریں تو جواب میں وعلیکم کہا کرو“۔

اسی قبیل سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے : «إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُم الْيَهُودُ، فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمْ : السَّامُ عَلَيْكَ؛ فَقُلْ : وَعَلَيْكَ» (۲۶۷) : ”جب یہود تمھیں سلام کرتے ہیں تو ان میں سے بعض السام علیکم کہتے ہیں، لہٰذا جواب میں صرف وعلیک کہا کرو“۔

”سام“ کے معنی موت ہیں۔ اس سب کی روشنی میں دیکھنا ہو گا کہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے

---

(۲۶۵) بخاری شریف، كتاب الأدب، باب كنية المشرك، حدیث نمبر : ۶۲۰۷، نیز بخاری شریف، كتاب الاستئذان، باب التسليم في مجلسٍ فيه أخلاطٌ مِن المسلمين والمشركين، حدیث نمبر : ۶۲۵۴، و مسلم شریف، كتاب الجهاد والسير، حدیث نمبر : ۱۱۶ (۱۷۹۸) بروایت اسامہ بن زید ؓ، اس کے الفاظ ہیں : دونوں - یعنی رسول اللہ ﷺ اور اسامہ - چلے یہاں تک کہ ایک مجلس سے گزرے جس میں عبد اللہ بن اُبی ابن سلول بھی تھا۔ اور یہ واقعہ اس کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے، اس مجلس میں مخلوط لوگ تھے، مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہود۔ مسلمانوں میں سے عبد اللہ بن رواحہ تھے...، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا“۔

(۲۶۶) بخاری شریف، كتاب الاستئذان، حدیث نمبر : ۶۲۵۸، و مسلم شریف، كتاب السلام، حدیث نمبر : ۶ (۲۱۶۳) بروایت انس ؓ.

(۲۶۷) بخاری شریف، كتاب الاستئذان، حدیث نمبر: ۶۲۵۷، و مسلم شریف، كتاب السلام، حدیث نمبر : ۸ (۲۱۶۴) بروایت عبد اللہ ابن عمر ؓ.

کیا مراد ہے : «لا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلا النَّصَارَى بِالسَّلامِ، فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ، فَاضْطَرُّوهُ إِلَى أَضْيَقِهِ» (۲۶۸):

"یہود و نصاری کو پہلے سلام مت کرو، جب ان میں سے کسی سے راستے میں تمھارا آمنا سامنا ہو جائے تو اسے تنگ حصے کی طرف جانے پر مجبور کر دو"۔

اسلامی حکم کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ واضح ہے کہ اس حدیث کو دوسری نصوص کی روشنی میں سمجھا جائے، تاکہ اس کا صحیح مفہوم معلوم ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی یقینی طور پر یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جو بات ثابت ہے وہ برحق ہے، لیکن اس کا وہی مطلب ہے جو آپ ﷺ نے مراد لیا ہے۔ نہ کہ ہماری یا شارحین کی تفسیر و تشریح کے مطابق جو بسا اوقات رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی صحیح توجیہ کے خلاف ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اور اس جیسی احادیث کا ظاہر "عام" ہے جبکہ یہاں "خاص مفہوم" مراد ہے۔ لہٰذا یہ مطلب بالکل نہیں ہو سکتا کہ آپ ﷺ اس حدیث سے عام حکم دے رہے ہیں جس کی دلیل دوسری احادیث ہیں اسی طرح یہ دوسری روایت بھی دلیل ہے جس کے الفاظ یہ ہیں : «إِنِّي رَاكِبٌ غَدًا إِلَى الْيَهُودِ؛ فَلاتَبْدَءُوهُمْ بِالسَّلامِ، فَإِذَا سَلَّمُوا عَلَيْكُمْ، فَقُولُوا : وَعَلَيْكُمْ» (۲۶۹):

"میں کل یہود کے پاس جا رہا ہوں، تم انھیں سلام میں پہل مت کرنا۔ اگر وہ تمھیں سلام کریں تو صرف وعلیکم کہنا"۔

لہٰذا سابقہ روایت کے عموم کو اس روایت کے خصوص پر محمول کیا جائے گا (۲۷۰)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : «قَالَ الْقُرْطُبِيُّ فِيْ قَوْلِهِ : «وَإِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلَى أَضْيَقِهِ» مَعناه : لَا تَتَحَوَّلُوْا

---

(۲۶۸) مسلم شریف، کتاب السلام، حدیث نمبر : ۱۳(۲۱۶۷) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ.

(۲۶۹) امام بخاری نے "الأدب المفرد" میں بیان کیا ہے حدیث نمبر : ۱۱۰۲، اور امام احمد نے ۶/ ۳۹۸ دو الفاظ کے ساتھ، اور امام نسائی نے "عمل اليوم والليلة" کے اندر: ص ۳۰۵ ہم معنی روایت کیا ہے، وابن ماجہ، حدیث نمبر : ۳۶۹۹ بروایت ابو عبد الرحمن الجہنی رضی اللہ عنہ. یہ اس موقعے کی حدیث ہے کہ یہود بنو قریظہ نے غداری کر کے عہد شکنی کی اور آپ ﷺ ان سے جنگ کے لیے جا رہے تھے۔

(۲۷۰) اس باب کی احادیث کے مسائل و احکام کے تعلق سے حافظ ابن حجر نے کیا لکھا ہے، اس کے لیے دیکھیے: فتح الباری ۱۱/ ۳۸-۴۰، اور ۴۱-۴۶۔

لَهُمْ عَنِ الطَّرِيْقِ إِكْرَامًا لَهُمْ وَاِحْتِرَامًا، وَعَلَى هَذَا فَتَكُوْنُ هَذِهِ الْجُمْلَةُ مُنَاسِبَةً لِلْجُمْلَةِ الْأُوْلَى فِيْ الْـمَعْنَى، وَلَيْسَ الْـمَعْنَى : إِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ وَاسِعٍ فَأَلْجِئُوْهُمْ إِلَى حَـــرْفِـهِ حَتَّى يَضِيْقَ عَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ أَذىً لَهُمْ؛ وَقُدْ نُهِيْنَا عَنْ أَذَاهُمْ بِغَيْرِ سَبَبٍ» (۲۷۱):

”امام قرطبی نے آپ ﷺ کے اس فرمان (جب تمھاری ان میں سے کسی سے راستے میں ملاقات ہو جائے تو اسے تنگ حصے کی طرف جانے پر مجبور کر دو) کے متعلق کہا ہے کہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احترام و تعظیم میں راستے سے نہ ہٹ جاؤ۔ اس لحاظ سے یہ جملہ معنوی طور پر سابقہ جملے کے مناسب ہو جائے گا۔ مطلب یہ نہیں کہ جب ان سے وسیع راستے میں ملو تو ان کو کنارے ہونے پر مجبور کرو، تاکہ راستہ ان کے لیے تنگ ہو جائے؛ اس لیے کہ یہ اذیت رسانی ہے اور بلا وجہ اس کے ارتکاب سے ہم کو منع کیا گیا ہے“۔

ایک مسلمان کے لیے نہایت بے تکی اور غیر معقول بات ہے کہ وہ اسلام اور اس کی نصوص کی تشریح میں بے جا جرأت کا مظاہرہ کرے اور خاص حالات جن کا صورت حال مطالبہ کرتی ہے، میں آنے والی احادیث کو ان کے اصل حالات (مثلاً جنگی حالات) سے الگ کر کے انھیں عام بنا دے، جس سے ان کے ایسے مفاہیم پیدا ہو جائیں جن کا اللہ تعالی یا اس کے رسول ﷺ نے حکم نہیں دیا ہے۔

یقیناً یہ جرأت اور یہ روش اسلام کے خلاف جرم ہے جو کسی بھی مسلمان کی طرف سے نا قابل قبول ہے گو کہ بلا ارادہ ہو۔

اس طرح کی روش اختیار کرنے والے اور ایسی جرأت کرنے والے کو ان خاص قلیل نصوص کو عام کرنے کا حق کہاں سے مل گیا؟ جبکہ وہ ان کثیر نصوص سے انجان بن رہا ہے جو شریفانہ و کریمانہ برتاؤ اور حسنِ اخلاق کی متقاضی ہیں (۲۷۲)۔

یہ یاد رہے کہ غیر مسلم کو سلام کرنے کے لیے کوئی خاص الفاظ نہیں؛ بلکہ مناسب حال

---

(۲۷۱) فتح الباري، لابن حجر ۱۱/۴۰.

(۲۷۲) میں یہ بات ان علمائے امت کی قدر شناسی کے باوجود کہہ رہا ہوں، جنھوں نے اس مسئلے میں اجتہاد کیا اور ان سے یہ غلطی ہوئی، لیکن حق کی ہی اتباع ہونی چاہیے۔

سلام کے الفاظ استعمال ہوں گے۔ حدیث کا یہ مطلب جو میں نے بیان کیا ہے، اس پر استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ :

**الف-** الفاظ حدیث اور جس موقعے پر یہ حدیث آئی ہے اس پر دلالت کرنے والے قرائن میرے بیان کردہ مطلب کی تائید کرتے ہیں، حدیث میں عموم نہیں؛ بلکہ خاص حالات کے تقاضے سے یہ حدیث وارد ہوئی ہے اور یہ قاعدہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ایسی مطلق حدیث کو (جو مخصوص حالات میں کہی گئی ہے) مقید پر محمول کریں گے اور مختصر حدیث کو غیر مختصر پر محمول کریں گے۔

**ب-** اس موضوع کی دیگر عمومی آیات واحادیث، جو لوگوں کے ساتھ حسنِ معاملہ کی متقاضی ہیں۔

**ج-** اسلامی شریعت کے عام ضابطے اور عام مقاصد (یعنی اخلاق حسنہ کی پابندی اور ان کو ثابت کرنے والی بہت ساری احادیث) جو اِن (چند) احادیث کے ساتھ متعارض ہیں، ان سے ان احادیث کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص حالات کے بارے میں ہیں اور یہ عام تعلیمات کی طرح نہیں ہیں کہ تمام حالات میں ان پر عمل ہو۔

**د-** غیر مسلموں کے ساتھ آپ ﷺ کا طرزِ عمل اور ان کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ جو حسنِ معاملہ اور کریمانہ اخلاق کی مثال ہے، جس کا بعض غیر مسلموں کے اسلام لانے میں اثر تھا؛ کیونکہ آپ ﷺ کا اخلاق اور برتاؤ یہی تھا۔

**ھ-** یہ ضابطہ ہے کہ اسلام کو سمجھنے میں قرآن وحدیث کو فیصل وبنیاد بنایا جائے گا کہ یہی اصل بنیاد ہیں، نہ کہ مجتہدین کے عمومی اجتہادات۔

اللہ تعالی جس کے لیے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

### ۵- اسلام کی برتری اور مسلمان کے انفرادی اخلاق کی برتری کے درمیان خلط ملط کرنا :

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے مسلمان کے حق میں یہ قطعی فیصلہ ہے کہ وہ اپنے انفرادی اخلاق وبرتاؤ میں علی الاطلاق غیر مسلم سے افضل ہے، اپنے انفرادی اخلاق وکردار میں کوئی غیر مسلم مسلمان سے اچھا نہیں ہو سکتا۔ یہ دین اور حقیقت فہمی میں مغالطہ ہے؛ کیونکہ جن اخلاق کی اسلام میں تعریف کی گئی ہے، وہ بذاتِ خود قابلِ تعریف ہیں، قطع نظر اس سے کہ کس کے اندر پائے جاتے ہیں، اسی طرح اسلامی لحاظ سے جو اخلاق بُرے ہیں وہ ذاتی حیثیت سے بُرے ہیں، اس

سے قطعِ نظر کہ وہ کس کے اندر پائے جاتے ہیں، وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم؟ اللہ تعالی نے تمام انسانوں کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا ہے، البتہ شیاطین کا جس پر بس چلتا ہے، اس کو پھیر دیتے ہیں۔

پھر اب اگر آدمی اپنے دین برحق کے اخلاق سے آراستہ نہیں، ان پر عمل پیرا نہیں، تو اس کو کیسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے دین کے اخلاق پر فخر کرے؟

کبھی کبھی انسان میں متضاد یا متعارض صفات پائی جاتی ہیں، یعنی اچھی صفات اور بُری صفات۔ لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کی اس باعث عز و شرف نسبت کا حامل ہونے کے باوجود، وہ بعض اخلاقِ فاضلہ کو سے عاری ہو یا بعض بُرے اخلاق کا حامل ہو۔

### ٦- غیر مسلم کے ساتھ مسلمان کے تعلق کی نوعیت کے سمجھنے اور بعض اسلامی اصطلاحات کے سمجھنے میں اشتباہ:

یہاں اس بات پر تنبیہ کرنا مناسب ہے کہ دین اسلام نے سب کے ساتھ جس حسن معاملے کے برتنے کی مسلم و غیر مسلم کی تفریق کے بغیر دعوت دی ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آدمی میں (دوسروں کی جانب سے) غفلت اور بے احتیاطی آجائے، خواہ مسلمان کے ساتھ معاملہ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ؛ بلکہ ہر مسلمان کا انفرادی و اجتماعی فریضہ ہے کہ احتیاط اور ہوشیاری کا دامن نہ چھوڑے اور دوسروں کے ساتھ معاملے میں اپنے دین کی بنیادوں سے نہ ہٹے۔ خاص طور پر اس وقت جبکہ اس دور کی صورتِ حال سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے دھوکے خصوصاً مختلف ملکوں کے مابین پائے جاتے ہیں؛ لہذا حسنِ معاملہ اور حسنِ اخلاق کا مطلب غفلت یا خطرات سے بالکل عدم احتراز نہیں ہے۔ یہ چیز حسنِ اخلاق کے منافی نہیں؛ بلکہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں سے ہر ایک کے حق میں مطلوب ہے۔

یہاں یہ تنبیہ کرنا بھی مناسب ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ میں بعض مسلمان دو مقامات میں تفریق نہیں کرتے، یعنی "حکم و ایمان" کا مقام اور دوسرے "عمومی برتاؤ"، مباحثہ، تعلقات اور دعوت و تبلیغ کا مقام۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے، اس کا نقصان اسلام اور مسلمانوں ہی کو نہیں؛ بلکہ ان غیر مسلموں کو بھی پہنچتا ہے، جو اس سلسلے میں اسلامی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

اس فہم و ادراک میں خلط و التباس کی ایک شکل غیر مسلم کے ساتھ مسلمان کے تعلقات میں اسلامی اخلاق اور اسلامی رواداری کو نظر انداز کرنا ہے۔ اس کی وجہ (جیسا کہ میں نے بتایا) یہ ہے کہ بعض مسلمانوں کے نزدیک یہ مسئلہ واضح نہیں ہوتا اور وہ "حکم و ایمان" کے موقع اور "تعلقات

وروابط"، مباحثہ اور دعوت و تبلیغ کے موقعے میں فرق نہیں کرتے۔

بعض اصطلاحات پر جمنا اور ان کو ہر جگہ رکھنے کے موقعے اور حسنِ معاملہ اور تعلقات (جس کی اسلام دعوت دیتا ہے) کے موقعے کے مابین کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً "کافر" کی اصطلاح۔ اگرچہ یہ قطعی طور پر مسلم ہے کہ اللہ تعالی نے لوگوں کے بارے میں فیصلہ فرما دیا ہے اور ان کو کافر و مسلم میں تقسیم کر دیا ہے؛ لیکن اس کو تسلیم کرنے کے لازمی معنی یہ نہیں کہ اسی اصطلاح کے مطابق لوگوں کے ساتھ برتاؤ کریں، خصوصاً لوگوں کے معاملات و تعلقات کے سلسلے میں۔ ایسی کوئی شرعی دلیل نہیں جو مسلمان کو پابند کرے کہ وہ غیر مسلم پر اس اصطلاح کا اطلاق کرے؛ بلکہ اس کے بر موقع حسنِ معاملہ کرنے اور حکمت اور اچھے طریقے سے اس کو دعوت دینے کی ضرورت کے دلائل موجود ہیں۔

وہ لوگ خود پر اور اسلام پر کتنی زیادتی کرتے ہیں جو ان شرعی نصوص کو بالکل نظر انداز کرتے ہیں، جن میں مسلمانوں کو ظلم سے دور رہنے اور اچھے انداز سے غیر مسلموں کو دعوت دینے کا حکم ہے۔ یہ لوگ یہ تمام خلاف ورزیاں محض اس لیے کر رہے ہیں کہ لوگوں پر کفر کا ٹھپہ لگائیں اور یہ احساس دلائیں کہ وہی مخلص پیروکار ہیں، اس کے بعد وہ دوسری اسلامی تعلیمات کے تعلق سے سوچنے کے مکلف نہیں ہیں۔

اس طریقے کا عقل و فہم سے کوئی واسطہ ہے، نہ اسلام ہم سے یہ چاہتا ہے۔ اسلام تو ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اس خیر اور اس آخری پیغام کو دنیا کی ساری قوموں کے سامنے پیش کش کے انداز میں لے جائیں، تھوپنے کے انداز میں نہیں، مانوس و محبوب بنانے کا انداز ہو، نفرت دلانے کا انداز نہ ہو۔

اللہ تعالی کے احکام طے شدہ ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ البتہ حکم الٰہی کے لحاظ سے دو چیزوں میں فرق ہے:

- اعتقادی مسائل میں۔
- اور دوسرے کے ساتھ تعلقات، روابط اور معاملات کے طریقے میں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ دونوں صورتوں میں اسلامی احکام پر عمل ہو۔

اس سلسلے میں اعتبار اس کا نہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟

بلکہ اعتبار اس کا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں طریقۂ کار کیا ہے؟ اور وہ طریقۂ کار

صحیح ہے یا نہیں؟

اللہ تعالی نے جہاں کافروں کے لیے کفر کا اطلاق کیا ہے وہ یا تو احکام کے بیان میں آیا ہے یا ان کے کسی انحراف یا ان کی طرف سے صادر ہونے والے کسی ظلم وتعدی کے ذیل میں، یا ان کے کسی قابلِ نکیر عمل پر نکیر کے سیاق میں کہ انھوں نے اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کی ہو یا اللہ تعالی کی مذمت کی ہو۔ اللہ تعالی اپنی مخلوق کے ساتھ جو چاہے معاملہ کر سکتا ہے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔

جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے تو اسے اس کا پابند نہیں کیا گیا کہ وہ لوگوں پر یہ احکام لگانے کا اعلان کرے۔ اللہ تعالی نے اس کو اس کا مکلّف نہیں بنایا؛ بلکہ اس کو اچھے انداز میں دعوت دینے اور لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے سے معاملہ وبرتاؤ کرنے کا مکلّف بنایا ہے اور اس کو اس طریقۂ کار کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں مشرکوں اور دین کے معاملے میں آپ کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ کسی بُرے سلوک کا کوئی واقعہ نہیں ملتا؛ بلکہ آپ ﷺ ان کے ساتھ بہترین سلوک کرتے تھے۔ کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے کسی غیر مسلم سے کہا ہو: اے کافر! بلکہ آپ ﷺ ان کا اچھی طرح استقبال کرتے تھے، کبھی ان کو بلاتے بھی تھے، لیکن ان کے ناموں سے نہیں، بلکہ ان کی کنیت سے۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہے (جیسا کہ گزر چکا ہے) کہ آپ ﷺ ایک یہودی بچے کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کا یہی برتاؤ اس کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ بلاشبہ آپ ﷺ ہی تمام مسلمانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں۔

بعض اسلامی اصطلاحات کو سمجھنے میں بعض مسلمانوں کی طرف سے التباس کی ایک صورت ”اسلامی جہاد“ کے تئیں ان کا موقف ہے۔ اس کی وجہ ہے اس ”اصطلاح“ کے مفہوم کا ان کے نزدیک واضح نہ ہونا اور بعض غیر مسلموں کے اس اصطلاح کو غلط سمجھنے کی وجہ سے بعض مسلمانوں کا ان کے ہتھے چڑھ جانا، خاص طور پر اس دور میں اور بالخصوص ان تبدیلیوں کے بعد جن کے نتیجے میں نام نہاد ”دہشت گردی کے خلاف“ جنگ سامنے آئی (اور بڑی تعداد میں مسلمان اس جنگ میں قربان ہوئے)۔

یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان (اگر جہاد پر اعتراض نہ بھی کرے اور اس کو بُرا نہ بھی کہے تو بھی کم از کم) اس لفظ کا استعمال کرتے ہوئے کتراتا ہے۔ یہ سمجھنا اسلام پر افترا پردازی ہے کہ واقعی جہاد میں

کوئی پیچیدگی ہے، در حقیقت اسلامی جہاد میں کوئی پیچیدگی اور الجھن نہیں؛ بلکہ ان لوگوں کی فہم میں پیچیدگی ہے جو اس کو پیچیدہ سمجھتے ہیں اور اس کو غیر شرعی موقعے پر اور غیر شرعی طریقے سے استعمال کرتے ہیں، جہاد کا مطلب تو یہ ہے :

- زیادتی کا مقابلہ۔
- ظلم کی روک تھام اور مظلوموں کے ظلم کا ازالہ۔
- تمام لوگوں کے لیے آزادی کی فراہمی۔

یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا کہ ”اسلامی جہاد“ ظلم ہے؛ کیونکہ خود اس کا منشا مظلوموں سے ”ظلم کا خاتمہ“ ہے اور تمام انسانوں کے لیے ”آزادی کی ضمانت“ دینا ہے۔

اسی طرح یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ کسی قوم سے یہ امید رکھی جائے کہ اس کا یہ فریضہ ہے کہ وہ دشمن کے سامنے سپر ڈال دے اور اپنا دفاع نہ کرے۔

جیسے یہ بھی ناقابل تصورات ہے کہ کسی قوم یا ملک کے پاس ”لشکر و فوج“ نہ ہو۔

پھر ان سب کے بعد اس کے نظام اور جنگی مقاصد یا ذاتی دفاع کا اعتبار ہے۔

اسلامی جہاد کی خصوصیت و امتیاز اس کے طریقہ کار، اس کے احکام اور جنگ کے بارے میں اس کی منفرد تعلیمات ہیں، جو عدل و انصاف اور رحم دلی کا مظہر ہیں۔

یہ ہے غیر مسلم کے ساتھ مسلمان کے تعلق کی نوعیت، اسلامی طریقہ کار اور اس کی اخلاقیات جس کی طرف میں نے اشارہ کرنا چاہا ہے۔

یہ صرف ان باتوں کی وضاحت ہے، جو اس کتاب کی پہلی اشاعت ۱۴۱۷ھ–۱۹۹۶ء میں ذکر کی گئی تھیں، یعنی ”دہشت گردی“ کے معاملے میں عالمی ہنگامی تبدیلیوں سے پہلے (جنھوں نے ۱۱ ستمبر–۲۰۰۱ء کے واقعات کے بعد شدت اختیار کر لی ہے)، اس لیے کہ ہمارا مقصد اسلام کے طریقہ کار، اس کی نصوص اور عمومی مقاصد کے تقاضوں پر گفتگو کرنا ہے، ان نت نئے عارضی حالات کے تقاضوں کے بارے میں بحث مقصود نہیں ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

* * *

# خاتمہ

اللہ تعالی نے ہمیں جس اہم اور وسیع موضوع پر لکھنے کی توفیق دی اور اس کو آسان بنایا وہ بس یہی ہے (جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا) اور وقت میں اتنی ہی گنجائش تھی، ورنہ ارادہ بہت کچھ لکھنے کا تھا۔ وقت کی تنگ دامنی آڑے آئی۔ بسا اوقات انسان میں اپنی آرزو پوری کر کے موت سے سبقت لے جانے کا حوصلہ ہوتا ہے، اور بات بھی لمبی نہ کرنے کی خواہش ہوتی ہے (لیکن انسان کی ہر آرزو اور خواہش کا پورا ہونا ضروری نہیں)۔ تاہم (اتنا عرض ہے کہ) اس موضوع کے اور بھی پہلو اس قابل ہیں کہ ان پر مسلسل لکھا جائے۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ إِلَّا أَنْ يَّشَاءَ اللهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۔

اخلاق کے باقی ماندہ پہلو حسب ذیل ہیں:

- **فصل** : صاحبِ اخلاق کی صفات اور سماج میں اس کے مقام کے اعتبار سے اخلاق کی تقسیم: داعی و مبلغ کے اخلاق، خاندان کے اخلاق، تحصیل علم کے اخلاق، تعلیم کے اخلاق، علما کے اخلاق، حاکم اور محکوم کے اخلاق وغیرہ وغیرہ کا بیان۔
- **فصل** : اخلاق اور مال کا بیان۔
- **فصل** : اخلاق میں مروت کی اہمیت اور اس کی تحصیل کا بیان۔
- **فصل** : جس اخلاق سے آراستہ ہونا چاہیے یا جس سے بچنا چاہیے، ان کا بیان۔
- **فصل** : اخلاق کے موضوع پر نبی کریم ﷺ سے غیر ثابت روایات۔

گذشتہ چند سالوں میں اسلامی سماج میں منفی اخلاقی تبدیلیاں سامنے آئی ہیں، جن کا علاج اور حل تلاش کرنا چاہیے۔ ان تمام باتوں سے اس موضوع کی اہمیت اور اس پر لکھتے رہنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ لہذا جو حضرات اس موضوع پر لکھنا چاہتے تھے، لیکن نہیں لکھ سکے ان کے لیے تسلی کی بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں ہر مرض کا علاج موجود ہے، شرط یہ ہے کہ رغبت اور خواہش ہو۔

اختتام سے قبل قارئین کرام کو یہ یاد دہانی کرانا بہتر ہے کہ اس طرح کے موضوع کے لیے (ایک

اخلاقی، تربیتی موضوع ہونے کی حیثیت سے) سر سری مطالعہ یا ایک بار پڑھ لینا کافی نہیں؛ بلکہ بار بار اور مختلف اوقات میں دل و دماغ کو حاضر رکھ کر پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرما دیتا ہے۔

اے اللہ! میری اس کاوش کو قبول فرما، اس میں درستگی عطا کر، اپنے بندوں کے لیے اسے نفع بخش بنا، وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، اپنے ہوں یا پرائے، موافق ہوں یا مخالف، فرماں بردار ہوں یا نافرمان، برحق ہوں یا خطاکار!

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَسْتَغْفِرُكَ، وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ. سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ، وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ، وَالْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

وَصَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَلَى خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ، مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ!!.

* * *

# فہرست آیات قرآنیہ (۲۷۳)

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾ ............ ۱۸۵

﴿...أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ...﴾ ............ ۲۶۰

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ...﴾ ............ ۲۳۶

﴿أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ...﴾ ............ ۱۳۴

﴿إِنَّ اللهَ لا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِم﴾ ............ ۶۷، ۱۴۶

﴿إِنْ هِيَ إِلاَّ أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ﴾ ............ ۱۳۲

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُم...﴾ ............ ۲۱۸

﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ............ ۱۴۹

﴿...إِنَّهُ لا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ ............ ۲۵۶

﴿اللهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ﴾ ............ ۱۶۲

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ...﴾ ............ ۱۱۵

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ ............ ۶۶

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِناً...﴾ ............ ۲۲۱

---

(۲۷۳) قرآن کریم کی آیات کی فہرست میں، مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:

- استشہاد والی آیت کے شروع کے حصے پر اکتفا کیا گیا ہے۔
- آیتوں کی ترتیب حروف تہجی کے حساب سے رکھی گئی ہے اور ان کی ابتدا کتاب ہذا کے مطابق ہے نہ کہ مصحف شریف کے مطابق۔
- میں نے مفہرسہ آیات کے تحت آنے والی آیت یا آیات کو فہرست میں درج نہیں کیا ہے، چونکہ وہ سب اس مقام پر استشہاد کے اندر ما قبل میں مذکور آیت کے تحت ہیں۔

﴿...شَيَاطِينَ الإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُم... ﴾ ........................ ١٣٣

﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللهَ لا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ .............................. ٢٥٦

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُم... ﴾ .............................. ١٩٠، ٢٠١

﴿فَقُولا لَهُ قَوْلاً لَيِّناً... ﴾ .................................................. ١٨٨

﴿...فَلاَ تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى﴾ ........................... ٢٣٦

﴿فَمَن يَّعمَل مِثقَالَ ذَرَّةٍ خَيراً يَّرَه﴾ ...................................... ٣٠

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾...... ١٧۴-١٧٥، ١٧٨

﴿قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُواً قَالَ أَعُوذُ بِاللهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ ............... ٥٧

﴿لا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾ ........................... ٢٥۴

﴿لاَ تَجِدُ قَوماً يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ يُوَادُّوْنَ... ﴾ .................... ٢٥٥

﴿لا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ............ ٢١٩، ٢٥٦

﴿لا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلاًّ وَلاَ ذِمَّةً وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُون﴾................. ٢٢٢

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ... ﴾ ............. ٢٠١

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾............................ ٦٧

﴿لَوْلا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ... ﴾ ........................ ٢٢١

﴿مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُوْنِهِ إِلاَّ أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا﴾ ............................. ١٣٢

﴿مَا يَلفِظُ مِن قَولٍ إِلاَّ لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾.................................. ٣٠

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ... ﴾..................... ٢١٨

﴿مَن عَمِلَ صَالِحاً مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤمِن فَلَنُحْيِيَنَّه... ﴾ ............... ۴١

﴿هَل جَزاء الإِحْسَان إلاّ الإِحْسَان﴾ .................. ۶۳
﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً﴾ .................. ۱۱۵
﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانَ لابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لا تُشْرِكْ بِاللهِ ... ﴾ .................. ۶۹
﴿وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا... ﴾ .................. ۲۲۱
﴿وَأَمّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى﴾ .................. ۶۸
﴿وَأَنْ تَعْفُوا أقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَلا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُم﴾ .................. ۶۴
﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾ .................. ۱۶۲
﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ... ﴾ .................. ۲۲۰
﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لا تُحْصُوهَا... ﴾ .................. ۱۵۶
﴿وِإِنَّ السَّاعَةَ لآتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ﴾ .................. ۶۶
﴿وَإِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ .................. ۱۷، ۲۰۰
﴿وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُم تُفْلِحُون﴾ .................. ۴۱
﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ... ﴾ .................. ۲۱۸
﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُم سُبُلَنَا﴾ .................. ۳۶
﴿وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ﴾ .................. ۶۵
﴿وَاللهُ لا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ .................. ۲۵۴
﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُم أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ... ﴾ .................. ۲۱۹
﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُوْلِي الأَلْبَابِ﴾ .................. ۱۲۶
﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾ .................. ۱۹۳

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الأَرْضِ هَوْناً...﴾ ........................ ۶۵

﴿وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ...﴾ ........................ ۱۵۴

﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَنْ لا تَعْبُدُوا إِلا إِيّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً...﴾ ................. ۶۹

﴿وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ........................ ۴۱، ۶۴

﴿...وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْناً...﴾ ........................ ۴۱، ۶۳

﴿...وَلا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلامَ لَسْتَ مُؤْمِناً...﴾ ................. ۲۲۱

﴿وَلا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُوا...﴾ ........................ ۲۳۶

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الإِنْسَانَ مِن سُلالَةٍ مِنْ طِينٍ﴾ ........................ ۱۳۱

﴿ولَيَنصُرَنَّ اللهُ مَن يَّنْصُرُهُ...﴾ ........................ ۲۶۰

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلا لِيَعْبُدُونِ...﴾ ........................ ۱۳۰

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِناً إِلاَّ خَطَأً...﴾ ........................ ۲۲۰

﴿وَمَن أَحْسَنُ دِيناً مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لله وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ ........................ ۱۱۶

﴿وَمَن أَحْسَنُ مِن اللهِ حُكْماً لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ ........................ ۱۱۶

﴿وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ...﴾ ........................ ۱۵۸

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا...﴾ ........................ ۲۲۰

﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا. فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا...﴾ ........................ ۱۴۷

﴿وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ. الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ...﴾ ................. ۶۸، ۱۶۳-۱۶۴

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ...﴾ ........................ ۲۱۹

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لا تَدْخُلُوا بُيُوتاً غَيْرَ بُيُوتِكُمْ..﴾ ........................ ۲۰۰

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً﴾ ........................ ۲۰۱
﴿يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُوَارِي سَوْآتِكُمْ﴾ .................... ۱۲۴
﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ ........................................ ۱۷۸

* * *

# فہرست احادیث اور آثار (۲۷۴)

أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟!... ............................................ ۲۲۴

اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ؛ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ حِجَابٌ ................... ۲۳۱

اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ ........................... ۲۶

أَتَى مَجْلِسَ قَوْمٍ، فيهم أخلاطٌ مِنَ الْمُسلِمينَ والـمُشركينَ.................. ۲۶۱

إِذَا جَمَعَ اللَّهُ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ، يَوْمَ الْقِيامَةِ ............................ ۲۵۴

إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُم الْيَهُودُ، فَإِنَّمَا يَقُولُ أَحَدُهُمْ: السَّامُ عَلَيْكَ ................ ۲۶۱

إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ؛ فَقُولُوا: وَعَلَيْكُمْ ......................... ۲۶۱

إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ، وَالْخَلْقِ........................ ۷۵

أَسلِمْ ............................................................ ۲۴۳

أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً، إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ ...................۱۴۷

أَمَا، وَاللَّهِ، إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ، وَأَتْقَاكُمْ لَهُ ................................۲۷

أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِسَبْعٍ، وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ... ......................۲۲۸- ۲۲۹

إِنَّ الأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ ........................... ۲۴۲

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ................. ۲۲۵

---

(۲۷۴) حدیثوں کی فہرست میں، مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھا گیا ہے:

- احادیث قولیہ وفعلیہ کی فہرست ایک ساتھ دی گئی ہے۔
- ہمزہ کی اقسام کے درمیان ترتیب کا خیال رکھا گیا ہے اس طرح کہ: پہلے ہمزۂ مفتوحہ، پھر ہمزۂ مکسورہ اور اسی طرح ہمزۂ قطع، پھر ہمزۂ وصل۔
- احادیث کی ترتیب میں ان ہی الفاظ کی رعایت کی گئی ہے جن سے میں نے اپنی کتاب میں حدیث کو شروع کیا ہے، اس سے قطع نظر کہ وہ حدیث کتبِ حدیث میں کہاں سے شروع ہو رہی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ، حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ ........ ۱۴۸
إِنَّ اللَّهَ قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيّاً فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ........ ۲۲۴
إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ ........ ۶۱، ۸۰، ۱۱۵
إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ ........ ۲۲۶، ۲۳۳
أَنَّ رَجُلاً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، كَانَ اسْمُهُ عَبْدَ اللَّهِ ........ ۲۳۳
إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقّاً ........ ۱۶۸
إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى: ........ ۱۸۰
إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلاقاً ........ ۲۶
إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ: أَحْسَنَكُمْ أَخْلاقاً ........ ۲۶، ۸۱
إِنَّ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا، أَوْ فِي عَقِبِ هَذَا، قَوْماً ........ ۲۳۸
أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟! ........ ۲۷
اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِماً أَوْ مَظْلُوماً ........ ۲۲۶
اُنْفُذْ عَلَى رِسْلِكَ، حَتَّى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِم ........ ۲۵۷
إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ؛ أَفْسَدْتَهُمْ، أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ ........ ۲۴۱
إنما الأَعْمَالُ بِالنيات ........ ۲۴۸
إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِ هَذَا قَوْمٌ ........ ۲۳۷
إِنِّي رَاكِبٌ غَداً إِلَى الْيَهُودِ؛ فَلا تَبْدَءُوهُمْ بِالسَّلامِ ........ ۲۶۲
إِنِّي لأَقُومُ إِلَى الصَّلاةِ، وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا ........ ۲۰۲
إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أُنَقِّبَ قُلوبَ النَّاسِ، ولا أَشُقَّ بُطُونَهُم ........ ۲۳۷
إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ! فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ ........ ۲۲۷
أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ! فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ؛ فَلْيُخَفِّفْ... ........ ۲۰۲

الْبِرُّ: حُسْنُ الْخُلُقِ. وَالإِثْمُ: مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ .................. ۷۵

بَيْعًا أم عَطِيَّةً، أو قَالَ: أَمْ هِبَةً؟ .................. ۲۵۲

تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ .................. ۲۲۸، ۲۴۸

تَقْوَى اللَّهِ، وَحُسْنُ الْخُلُقِ... .................. ۲۳۰

الْحَجُّ عَرَفَةُ .................. ۲۳۵

حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ: رَدُّ السَّلامِ... .................. ۲۲۹

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ .................. ۲۴۳

خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي: أُفٍّ قَطُّ... .................. ۲۰۲

الدِّينُ النَّصِيحَةُ .................. ۲۴۶

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ .................. ۲۳۰

سُبْحَانَ اللَّهِ مَاذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنْ الْفِتَنِ! .................. ۱۲۵

السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ، فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ .................. ۸۰-۸۱

صَعِدَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمِنْبَرَ، فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ، فَقَالَ: (يَا مَعْشَرَ مَنْ
أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ، وَلَمْ يُفْضِ الإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ... .................. ۲۴۰-۲۴۱

الظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .................. ۲۵۴

... فَإِذَا لَقِيتُم أَحَدَهُم في طريقٍ، فَاضطَرُّوه إلى أضيَقِهِ .................. ۲۶۰

فُكُّوا الْعَانِيَ، وَأَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُودُوا الْمَرِيضَ .................. ۲۲۹

... فَلْيُحْسِنْ إِلَى جَارِهِ .................. ۲۴۵

فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ .................. ۲۴۵

قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .................. ۲۵۱

كَانَ غُلامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ ﷺ، فَمَرِضَ؛ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُودُهُ .................. ۲۴۳

كُلُّ المسْلم على المسْلم حَرَامٌ: دَمُهُ، ومالُهُ، وعِرْضُهُ ........................ ۲۲۳

كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو؛ فَبَايِعٌ؛ نَفْسَهُ؛ فَمُعْتِقُهَا؛ أَوْ مُوبِقُهَا ......................۷۲

كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ................................۷۹

لا تَبَاغَضُوا، وَلا تَحَاسَدُوا، وَلا تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَاناً ............ ۲۲۷

لا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَلا النَّصَارَى بِالسَّلامِ... ........................... ۲۶۱-۲۶۲

لَا تَحْقِرَنَّ من المعروف شيئاً، وَلَوْ أن تَلْقَى أخاكَ بوجهٍ طَلْقٍ ............... ۲۲۸

لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى تُؤْمِنُوا؛ وَلَا تُؤْمِنُوا حَتَّى تَحَابُّوا... ...................۲۲۹

لا تَغْضَبْ ......................................................... ۷۴

لا تَلْعَنُوهُ؛ فَوَاللَّهِ، مَا عَلِمْتُ: أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ........................ ۲۳۳

لا تُنفِّروا ........................................................۱۸۸

لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ؛ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ ....... ۸۲، ۱۶۸، ۱۸۱، ۲۳۴

لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ ............................................... ۲۲۷

لا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلاً بِالْفُسُوقِ، وَلا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ؛.. .......................۲۲۶

لا يَشْكُرُ اللَّهَ مَنْ لا يَشْكُرُ النَّاسَ .................................. ۷۴

لا، لعلَّهُ أَن يكونَ يُصَلِّي ......................................... ۲۳۷

لَوْلا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي؛ أَوْ عَلَى النَّاسِ؛ لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ... .................۲۰۲

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ: الَّذِي .............................. ۷۳

لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ ..................۷۱

مَا شَيْءٌ أَثقلَ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ ................. ۲۳۰

مَا مَسِسْتُ حَرِيراً، وَلا دِيبَاجاً، أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ النَّبِيِّ ﷺ... ................. ۲۰۳

مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ، أَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ... ..................... ۲۳۰

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ - فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ- مَثَلُ الْجَسَدِ... .......... ۱۶۹
الـمُسلمُ أَخو الـمُسلم لا يَظْلِمُه ولا يُسْلِمُه .......................... ۲۲۴
الْمُسْلِمُ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ... .......................... ۲۳۵
مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ؛ إِيمَاناً، وَاحْتِسَاباً... .............................. ۲۲۳
مِنْ حُسْنِ إِسْلامِ الْمَرْءِ: تَرْكُهُ مَا لا يَعْنِيهِ .............................. ۱۸۰
مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ .............................. ۲۳۴
مَنْ سَمَّعَ؛ سَمَّعَ اللَّهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .............................. ۷۷
مَنْ صَلَّى صَلاتَنَا، وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا؛... .................... ۲۲۲
مَنْ عَادَى لِي وَلِيّاً فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ .............................. ۲۲۴
مَنْ قَتَلَ مُعَاهَداً لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ... .............................. ۲۵۱
مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ؛ فَلا يُؤْذِي جَارَهُ .......................... ۲۴۵
مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلِمَةٌ لأَخِيهِ: مِنْ عِرْضِهِ، أَوْ شَيْءٍ .......................... ۲۲۴
مَنْ لَا يَشكرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللهَ تَعالَى .............................. ۷۴
نَعَمْ، صِلِي أُمَّكِ .............................................. ۲۵۱
هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ، وَبَذْلُ الْـمَعْرُوفِ، وَكَفُّ الْأَذَى .......................... ۲۳۱
وَأَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ، وَكَسَاهُ .......................... ۲۵۲
وُجِدَتْ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .......................... ۲۵۷
وَلا رَآنِي إِلا تَبَسَّمَ فِي وَجْهِي .............................................. ۲۴۸
وَلْيَأْتِ إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ .............................. ۸۵
وَمَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ، وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ... .......................... ۲۴۲
وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِناً؛ فَهُوَ كَقَتْلِهِ .............................................. ۲۲۶

وَمَنْ يَسْتَعْفِفْ؛ يُعِفَّهُ اللَّهُ، وَمَنْ يَسْتَغْنِ؛ يُغْنِهِ اللَّهُ ........................... ۷۱
... وَيْلَكَ، أَوَ لَسْتُ أَحقَّ أَهلِ الأرضِ أَن يتَّقيَ الله؟!... ...................... ۲۳۷
يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي... ................................ ۲۴۵
يَا مَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ، وَلَمْ يُفْضِ الإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ ................ ۲۴۰-۲۴۱

* * *

# فہرست مصادر ومراجع

- إيثار الحق على الخَلق، لابن الوزير، ط. ٢، لبنان، دار الكتب العلمية، ١٣١٨هـ.
- الأخلاق الإسلامية وأسسها، لعبدالرحمن حسن حَبَنَّكَه، ط. ١، دمشق، دار القلم، ١٣٩٩هـ.
- الأخلاق والسير في مداواة النفوس، لابن حزم، ط. ٢، لبنان، دار الكتب العلمية، ١٤٠٥هـ- ١٩٨٥م.
- التعريفات، للجرجاني، ط.١، لبنان، دار الكتب العلمية، ١٤٠٣هـ.
- تفصيل النشأتين وتحصيل السعادتين، لأبي القاسم الراغب الأصبهاني، تحقيق عبد المجيد النجار، دار الغرب.
- تَقْدمة الجرح والتعديل، لابن أبي حاتم، بيروت- لبنان، دار الأمم للطباعة والنشر، مصورّة عن ط. ١، بحيدر آباد - الهند، ١٢٧١هـ-١٩٥٢م.
- جمهرة أشعار العرب، أبو زيد القرشي، دار الأرقم، بيروت-لبنان.
- الروض الباسم في الذب عن سُنّة أبي القاسم ﷺ، لابن الوزير، القاهرة، المطبعة السلفية، ١٣٨٥هـ.
- السحر الحلال في الحكم والأمثال، أحمد الهاشمي، دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان.
- السنن، لأبي داود سليمان بن الأشعث السجستاني، ط. ١، لبنان، دار الجنان، ١٤٠٩هـ-١٩٨٨م، فهرسة كمال يوسف الحوت.
- السنن، لأَبي داوُد سليمان بن الأشعث السجستاني، ط. عزّت عُبيد

الدعاس، ط. ١، ١٣٩٣هـ-١٩٧٣م.

- السنن، لابن ماجه، أبي عبد الله محمد بن يزيد القزويني، ط. عيسى البابي الحلبي وشركاه، ١٩٧٢م، بتحقيق وترقيم محمد فؤاد عبد الباقي.
- السنن، للدارمي، أَبي محمد عبدالله بن عبدالرحمن، ط. ١، دمشق، دار القلم١٤١٢هـ-١٩٩١م.
- السنن للترمذيّ، أبي عيسي محمد بن عيسى بن سورة، ط. ١، لبنان، دار الكتب العلمية، ١٤٠٨هـ-١٩٨٧م.
- السنن، للنسائي، أحمد بن شعيب، ط. ٣، لبنان، دار البشائر الإسلامية، ١٤٠٩هـ- ١٩٨٨م.
- الفوائد، لابن القيم، ط. الأولى، مكتبة دار البيان، ١٤٠٧هـ- ١٩٨٧م.
- روضة العقلاء ونزهة الفضلاء، لابن حبان، لبنان، دار الكتب العلمية، ١٣٩٥هـ-١٩٧٥م، تحقيق حامد الفقي.
- سير أعلام النبلاء، للذهبيّ "تهذيبه": نزهة الفضلاء تهذيب سير أعلام النبلاء، لمحمد حسن عقيل موسى، ط. ١، جدة، دار الأندلس، ١٤١١هـ-١٩٩١م، وط. ٢، ١٤١٥هـ-١٩٩٥م.
- شرح النووي لصحيح مسلم، للنووي، ط. لبنان، دار الكتب العلمية.
- صحيح ابن حبان، لابن حبان، ط. ١، لبنان، دار الكتب العلمية، ١٤٠٧هـ - ١٩٨٧م.
- صحيح البخاري "المختصر"، للزبيدي، ط. ١، لبنان، دار النفائس، ١٤٠٥هـ-١٩٨٥م، تحقيق إبراهيم بركة، مراجعة أحمد راتب عرموش.
- صحيح البخاري، لأبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، ط. ٤، دمشق، دار ابن كثير، ١٤١٠هـ-١٩٩٠م.
- صحيح مسلم، لأبي الحسين مسلم بن الحجّاج القُشيري النيسابوري، ط. ١، لبنان، دار إحياء التراث العربي، ١٣٧٥هـ-١٩٥٥م، ترقيم محمد فؤاد عبدالباقي.

- عمل اليوم والليلة، للنسائيّ، ط. ١، المغرب، المكتب التعليمي السعودي، ١٤٠١هـ - ١٩٨١م، تحقيق د. فاروق حمادة.
- غاية المرام بتخريج أحاديث "الحلال والحرام"، لمحمد ناصر الدين الألباني، ط. ١، لبنان، المكتب الإسلامي، ١٤٠٠هـ-١٩٨٠م.
- فتح الباري بشرح صحيح البخاري، لابن حجر، القاهرة، المطبعة السلفية، ١٣٨٠هـ، بترقيم محمد فؤاد عبد الباقي.
- قانون التأويل، لا بن العربي المالكيّ، ط. ١، لبنان، مؤسسة عُلوم القرآن، ١٤٠٦هـ-١٩٨٦م.
- قصيدة عنوان الحكم، أبوالفتح البستي، مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، ط.١، ١٤٠٤هـ.
- مختصر منهاج القاصدين، لابن قدامة المقدسي، ط. ٨، بيروت، المكتب الإسلامي، تحقيق زهير الشاويش.
- المسند، للإمام أحمد بن حنبل، بيروت، المكتب الإسلامي، مصورّة عن الطبعة الميمنية.
- المعجم المفهرس لألفاظ القرآن الكريم، لمحمد فؤاد عبد الباقي، ط. ٢، لبنان، دار الفكر، ١٤١١هـ - ١٩٩١م.
- مفتاح الجنة في الاحتجاج بالسنة، للسيوطي، ط. ١، لبنان، دار السلام، ١٣٩٩هـ - ١٩٧٩م، تحقيق عبد الرحمن فاخوري.
- نموذج من الأعمال الخيرية في إدارة الطباعة المنيرية، لمحمد منير آغا الدمشقي، ط. ٢، الرياض، مكتبة الإمام الشافعي، ١٤٠٩هـ-١٩٨٨م.

* * *

# یہ کتاب

- اعلیٰ ”مثالی سیرت واخلاق“، اور بلند و کردار کی اہمیت، اور ان سے آراستہ ہونے کی راہ دکھاتی ہے۔
- یہ کتاب نفسِ انسانی میں ”حسن اخلاق“ کی نشو ونما کے طریقے، اس کے بنیادی قواعد اور اچھے اور برے اخلاق کی یاد دہانی اور ”خاکہ“ پیش کرتی ہے۔
- یہ کتاب حسن اخلاق کے ”جامہ زیبا“ کو زیب تن کرنے کی دعوت واپیل ہے، یہ ”جامہ“ انسان اپنے لیے خود تیار کرتا ہے، جو دنیا وآخرت میں آرائش بخش بھی ہے، اور عیب پوش بھی۔
- مصنف کی ”آرزو“ ہے کہ یہ کتاب انسان کو ”بلند اخلاق“ سے آراستہ اور برے اخلاق سے بچانے کی عملی مہم ثابت ہو۔
- اور یہ کتاب انسان کی اصلاح، اخلاقی تربیت کے نصاب کا لازمی حصہ بن جائے، یہ انسان کوئی بھی ہو بڑا ہو، یا چھوٹا، تعلیم یافتہ ہو، یا طالب علم، مرد ہو، یا عورت۔
- پیارے بھائیو اور بہنو! اخلاق فاضلہ کے اس ”لباس وحجاب“ کو اپنایئے، کہ دنیا کے سب لباس اس سے کم تر ہیں، اور کوئی لباس وحجاب اس کا ”بدل“ نہیں ہو سکتا۔
- پیارے بھائیو اور بہنو! آپ کا یہ بھائی، اپنی عمر، کے بیش قیمت اوقات، اور عمل تفکیر میں صرف کی گئی ”تھکا دینے والی محنت“ کا ایک حصہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے، تاکہ یہ سب کے لیے رشد وہدایت اور توفیق وراستی کا ذریعہ ہو جائے۔

مؤلف

# یہ کتاب

- اعلیٰ ’’مثالی سیرت و اخلاق‘‘ اور بلند کردار کی اہمیت اور ان سے آراستہ ہونے کی راہ دکھاتی ہے۔
- یہ کتاب نفسِ انسانی میں ’’حسن اخلاق‘‘ کی نشوونما کے طریقے، اس کے بنیادی قواعد اور اچھے برے اخلاق کی یاددہانی اور ’’خاکہ‘‘ پیش کرتی ہے۔
- یہ کتاب حسن اخلاق کے ’’جامۂ زیبا‘‘ کو زیب تن کرنے کی دعوت واپیل ہے، یہ ’’جامہ‘‘ انسان اپنے لیے خود تیار کرتا ہے جو دنیاوآخرت میں آرائش بخش بھی ہے اور عیب پوش بھی۔
- مصنف کی ’’آرزو‘‘ ہے کہ یہ کتاب انسان کو ’’بلند اخلاق‘‘ سے آراستہ اور برے اخلاق سے بچانے کی عملی مہم ثابت ہو۔
- اور یہ کتاب انسان کی اصلاحی واخلاقی تربیت کے نصاب کا لازمی حصہ بن جائے، یہ انسان کوئی بھی ہو بڑا ہو یا چھوٹا، تعلیم یافتہ ہو یا طالبِ علم، مرد ہو یا عورت۔
- پیارے بھائیو اور بہنو! اخلاق فاضلہ کے اس ’’لباس وحجاب‘‘ کو اپنائیے کہ دنیا کے سب لباس اس سے کم تر ہیں اور کوئی لباس وحجاب اس کا ’’بدل‘‘ نہیں ہوسکتا۔
- پیارے بھائیو اور بہنو! آپ کا یہ بھائی، اپنی عمر کے بیش قیمت اوقات اور عمل تفکیر میں صرف کی گئی ’’تھکا دینے والی محنت‘‘ کا ایک حصہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے؛ تا کہ یہ سب کے لیے رشد وہدایت اور توفیق وراستی کا ذریعہ ہو جائے۔

مُصنّف

Military Accounts,
College Road - Lahore
+92 310 83 60 303
+92 337 48 15 304
azamwqr556@gmail.com

MAHAD UL MAARIF
PUBLISHERS